حرم سرا
یورپ، ایشیا اور افریقہ پر ساڑھے سات سو سال تک
بادشاہت کرنے والے ترک سلاطین کے
محلات کی اندرونی داستانیں
مصنف : جان فریلی
ترجمہ : محمد احسن بٹ

Ebook By

# Anis ul Hassah Shah

https://web.facebook.com/Shah.AnisulHassan/

https://wa.me/message/923142893816

یورپ، ایشیا اور افریقہ پر ساڑھے سات سو سال تک بادشاہت
کرنے والے ترک سلاطین کے محلات کی اندرونی داستانیں

مصنف: جان فریلی

ترجمہ: محمد احسن بٹ

نگارشات

24- مزنگ روڈ ○ لاہور فون:0092-42-7354205/7322892

E-mail:nigarshat@yahoo.com nigarshat@wol.net.pk

# فہرست

☆☆☆

# عثمانی سلطانوں کے نام اور عرصہ حکومت

| | | |
|---|---|---|
| 1- | عثمان غازی | 1282ء-1326ء |
| 2- | اورہان غازی | 1326-62ء |
| 3- | مراد اول | 1362-89ء |
| 4- | بایزید اول | 1389ء-1402ء |
| 5- | محمد اول | 1413-21ء |
| 6- | مراد دوم | 1421-44ء-1446-51ء |
| 7- | محمد دوم (سلطان محمد فاتح) | 1444-46ء-1451-81ء |
| 8- | بایزید دوم | 1481ء-1512ء |
| 9- | سلیم اوّل | 1512-20ء |
| 10- | سلیمان اوّل (سلیمان عالیشان) | 1520-66ء |
| 11- | سلیم دوم (سلطان سلیم مدہوش) | 1566-74ء |
| 12- | مراد سوم | 1574-95ء |
| 13- | محمد سوم | 1595ء-1603ء |
| 14- | احمد اوّل | 1603-17ء |
| 15- | مصطفیٰ اوّل | 1617-18ء-1622-23ء |
| 16- | عثمان دوم | 1618-22ء |
| 17- | مراد چہارم | 1623-40ء |
| 18- | ابراہیم | 1640-48ء |

| 19- | محمد چہارم | 1648-87ء |
|---|---|---|
| 20- | سلیمان دوم | 1687-91ء |
| 21- | احمد دوم | 1691-95ء |
| 22- | مصطفیٰ دوم | 1695ء-1703ء |
| 23- | احمد سوم | 1703-30ء |
| 24- | محمود اوّل | 1730-54ء |
| 25- | عثمان سوم | 1754-57ء |
| 26- | مصطفیٰ سوم | 1757-74ء |
| 27- | عبدالحمید اوّل | 1774-89ء |
| 28- | سلیم سوم | 1789ء-1807ء |
| 29- | مصطفیٰ چہارم | 1807ء-1808ء |
| 30- | محمود دوم | 1808-39ء |
| 31- | عبدالمجید اوّل | 1839-61ء |
| 32- | عبدالعزیز | 1861-76ء |
| 33- | مراد پنجم | 1876ء |
| 34- | عبدالحمید دوم | 1876ء-1909ء |
| 35- | محمد پنجم | 1909-18ء |
| 36- | محمد ششم | 1918-22ء |
| 37- | عبدالمجید دوم (صرف خلیفہ) | 1922-24ء |

## پہلا باب

# عثمانی خاندان

## استنبول

استنبول دو براعظموں' ایشیا اور یورپ میں واقع ہے۔ یہ دو دنیاؤں — مشرق اور مغرب کے مابین حسین توازن کا آئینہ دار ہے۔ یہ دنیا کا ایک قدیم ترین شہر ہے۔ قدیم لوگ اسے بازنطین (Byzantium) کہتے تھے اور یونانی کونسٹنٹینوپل (قسطنطنیہ' Constantinople) کہتے ہیں۔ یہ پہلے عیسائی بازنطینی سلطنت (Byzantine Empire) کا دارالحکومت اور پھر مسلم عثمانی سلطنت کا دارالخلافہ رہا۔ ان سلطنتوں کی یادگاریں آج بھی اس شہر کو تقسیم کرنے والے اور اس کے گرد بہتے ہوئے بحیرۂ باسفورس' سنہری خلیج اور بحیرۂ مرمر کے پانیوں پر خطِ فلکی (Skyline) کی زینت ہیں۔

یہ شہر بحیرۂ باسفورس کے جنوبی سرے پر واقع ہے۔ یہ تاریخی خلیج دو براعظموں کو الگ الگ کرتی ہے اور بحیرۂ اسود سے لے کر بحیرۂ مرمر تک تیس کلومیٹر طویل ہے۔ خلیج کے جنوبی سرے کے نزدیک اس میں ''سنہری خلیج'' آ ملتی ہے اور ان دونوں کے پانی باہم مل کر بحیرۂ مرمر میں جا گرتے ہیں۔

شہر کا قدیم ترین حصہ پُرانا بازنطین ہے' جو بحیرۂ باسفورس کی یورپی جانب واقع ہے۔ یہ مثلث نما ہے اور اس کے شمال میں سنہری خلیج اور جنوب میں بحیرۂ مرمر ہے جبکہ اس کی مغربی سمت بازنطینی قسطنطنیہ (Byzantine Constantinople) کی رومن فصیل ہے۔ یہ سات پہاڑیوں والا شہر ہے۔ چھ پہاڑیاں سنہری خلیج کے ساتھ ساتھ سلسلہ وار واقع ہیں جبکہ ساتویں پہاڑی فصیل کے اندر بحیرۂ مرمر کے ساحل پر الگ تھلگ کھڑی ہے۔

## توپ کاپی سرائے

سات پہاڑیوں میں سے پہلی پہاڑی راس کے سمندر کی جانب والے سرے پر واقع ہے۔ اس پہلی پہاڑی پر بازنطینی شہنشاہوں کا "گریٹ پیلیس" (Great Palace) واقع تھا۔ اب اس عظیم محل کے صرف کھنڈر ہی بحیرۂ مرمر کے ساحل پر باقی رہ گئے ہیں۔ ان کھنڈرات میں سے کچھ کھنڈر "توپ کاپی سرائے" کی حفاظتی فصیل کے اندر ہیں۔ توپ کاپی سرائے عثمانی سلطانوں کا محل تھا۔ اس محل کی گنبدوں والی بارہ دریاں پہلی پہاڑی کی چوٹی پر تاج کی طرح سجی ہوئی ہیں، جنہیں بحیرۂ مرمر، بحیرۂ باسفورس اور سنہری خلیج سے دیکھا جا سکتا ہے۔

اب توپ کاپی سرائے کو عجائب گھر بنا دیا گیا ہے۔ تاہم یہ اب بھی اپنی فصیل کے اندر باقی شہر سے الگ تھلگ واقع ہے۔ اس کے دالانوں والے متعدد صحن دوطرفہ دروازوں والے کمروں اور بند غلام گردشوں کی بھول بھلیاں کی طرف کھلتے ہیں۔ جب تمام سیاح اور عملہ چلا جاتا ہے تو محل پر رات کی تاریکی، سکوت اور ویرانی چھا جاتی ہے۔

توپ کاپی سرائے کا مرکزی داخلی دروازہ بابِ ہمایوں کہلاتا ہے، جس سے گزر کر آپ محل کے صحن میں داخل ہو جاتے ہیں۔ بابِ ہمایوں کی پیشانی پر عربی رسم الخط میں سنہرے حروف میں دو عبارتیں کندہ کی گئی ہیں۔ یہ دونوں شاہی نشانِ امتیاز ہیں۔ انہیں طغرا کہا جاتا تھا۔ طغروں کے اردگرد خطاطی کی گئی ہے۔ نچلا طغرا سلطان محمود دوم کا ہے۔ سلطان محمود توپ کاپی سرائے میں زندگی گزارنے والا آخری سلطان تھا۔ اس کے بعد عثمانی سلطان انیسویں صدی کے وسط میں بحیرۂ باسفورس کے ساتھ ساتھ تعمیر کیے گئے محلات میں منتقل ہو گئے تھے۔ بالائی طغرا سلطان محمد دوم کا ہے۔ ترک اسے 1453ء میں کونسٹینٹینوپل کی فتح کے بعد فاتح کہنے لگے تھے۔ سلطان کے طغرے میں شہر کی فتح کے ربع صدی بعد توپ کاپی سرائے کی تعمیر مکمل ہونے کا ذکر کیا گیا ہے:

"یہ قلعہ اللہ کی رحمت اور رضا سے قائم ہوا ہے۔ اللہ ہی اسے محفوظ و مامون رکھے۔ اللہ دو سمندروں کے سلطان، دو دنیاؤں پر محیط سایۂ الٰہی، دو افقوں کے مابین اللہ کے خادم، آب و خاک کے سورما، قسطنطنیہ کے قلعے کے فاتح سلطان محمد بن سلطان مراد بن سلطان محمد خان کی سلطنت کو تا بہ ابد قائم و دائم رکھے اور اس کا قطبی ستارے سے بھی بلند رتبہ برقرار رکھے۔ یہ قلعہ 883 ہجری (1478ء) میں رمضان المبارک کے بابرکت مہینے میں تکمیل کو پہنچا۔"

## عثمانی خاندان کی وجہ تسمیہ

محمد فاتح عثمانی خاندان کا ساتواں سلطان تھا۔ اس کے خاندان کی اکیس نسلوں کے چھتیس سلطانوں نے سات صدیوں سے زیادہ عرصے تک عثمانی سلطنت پر یکے بعد دیگرے حکومت کی۔ اس خاندان کا نام غازی عثمان کے نام پر پڑا تھا۔ وہ سلطان کا لقب اختیار کرنے والا اس خاندان کا پہلا حکمران تھا۔ اس نے 1282ء سے لے کر 1326ء تک حکومت کی۔ عثمان کو اولین یورپی مؤرخ ''اوتھ مان'' (Othman) لکھتے اور بولتے تھے۔ اسی بنا پر مغرب میں اس کی قائم کردہ ریاست کو ''اوٹومن ایمپائر'' (Ottoman Empire) کہا جانے لگا جبکہ اسلامی دنیا میں اسے عثمانی سلطنت کہا جاتا تھا۔ عثمان کی اصل سلطنت ایشیائے کوچک (Asia Minor) کے مغرب بعید میں چھوٹے سے علاقے پر محیط تھی۔ باقی کا سارا علاقہ بازنطینی سلطنت کے قبضے میں تھا۔ اس زمانے میں بازنطینی سلطنت زوال کی آخری حدوں کو چھو رہی تھی۔ جونہی بازنطین زمیں بوس ہوا عثمانی ریاست تیزی سے وسعت پذیر ہونے لگی۔

عثمان کے بیٹے اور جانشین اورہان غازی نے 1326ء میں بازنطینیوں کے شہر پروسا کو فتح کر لیا۔ یہ شہر عثمانیوں کا پہلا دارالسلطنت بنا اور ترک اسے برصہ کہنے لگے۔ اورہان نے اسے اپنا مرکز بنا کر باقی ماندہ بیتھینیا اور ڈارڈانیلس کے پار یورپی علاقوں کو فتح کر لیا۔ نصف صدی کے اندر اندر ترکوں نے ایڈریانوپل کو فتح کر لیا' وہ اسے ایڈرین کہا کرتے تھے۔ چودھویں صدی کے تیسرے ربع میں انہوں نے اسے اپنا دارالسلطنت اور یورپ میں اپنی مزید پیش قدمی کے لیے بلقان میں اپنا مرکز بنا لیا۔

عثمانیوں کو پہلی ناکامی کا سامنا اس وقت کرنا پڑا' جب اورہان کے پوتے بایزید اول کو تیمور لنگ نے 1402ء میں انقرہ میں شکست سے دوچار کیا۔ وہ اس شکست کے فوراً بعد رسوا کن اسارت میں فوت ہو گیا۔ اس شکست سے عثمانیوں کی وسعت پذیری کا سلسلہ بایزید کے پوتے مراد دوم کی تخت نشینی تک رک گیا۔ مراد دوم 1421ء میں تخت پر بیٹھا اور اس کے فوراً بعد ترکوں کی فتوحات کا سلسلہ دوبارہ شروع ہو گیا۔

مراد نے اپنے عہدِ حکومت کی ابتدا ہی میں پرانے عثمانی دارالسلطنت برصہ میں مرادیہ کے نام سے ایک وسیع و عریض مسجد تعمیر کروائی۔ اسی زمانے میں اس نے نئے دارالسلطنت میں دریائے طنجہ میں ایک جزیرے پر ایڈرین سرائے نامی ایک محل تعمیر کروایا'

جس میں لاتعداد بارہ دریاں تھیں۔ دریائے طنجہ شہر کو تقریباً گھیر لینے والے دو دریاؤں میں سے ایک تھا۔

## سلطان محمد فاتح کے ابتدائی حالاتِ زندگی

مراد کا تیسرا بیٹا' مستقبل کا سلطان محمد دوم' 30/ مارچ 1432ء کو ایڈرین سرائے میں پیدا ہوا۔ اس کی ماں ایک کنیز تھی' جس کا نام ہما خاتون تھا۔ ہما کے مفصل کوائف دستیاب نہیں ہیں کیونکہ وہ مراد کی چار بیویوں میں شامل نہیں تھی بلکہ صرف ایک کنیز تھی۔ شاید وہ پیدائشی اعتبار سے یونانی تھی۔ مراد اسے اور اپنے بیٹے محمد کو زیادہ اہمیت نہیں دیتا تھا۔ اس کی بجائے وہ اپنے دوسرے بیٹے علاء الدین علی کو ترجیح دیتا تھا' جس کی ماں ترکمان شہزادی خدیجہ خاتون اس کی پسندیدہ بیوی تھی۔ اس کے سب سے بڑے بیٹے احمد کی ماں بھی شاید کنیز تھی۔ اس کا نام عثمانیوں کے شجرۂ نسب میں درج نہیں ہے۔

سلطان محمد کی زندگی کے ابتدائی سال اپنی ماں کے ساتھ ایڈرین سرائے کے حرم میں گزرے۔ جب محمد تین سال کا ہوا تو اُسے اناطولیہ میں اماسیہ بھیج دیا گیا جہاں اس کا سوتیلا بھائی احمد صوبائی گورنر تھا۔ مئی 1437ء میں اچانک احمد فوت ہو گیا۔ اس کے بعد محمد کو صوبے کا گورنر بنا دیا گیا' حالانکہ اس کی عمر صرف پانچ سال تھی۔ اسی زمانے میں اس کے سوتیلے بھائی علاء الدین علی کو' جس کی عمر سات برس تھی' منیسا کا گورنر مقرر کیا گیا۔ دونوں شہزادے مشیروں کے زیرِ سایہ تھے' جنہیں مراد نے اپنے بااعتماد رفقاء میں سے منتخب کیا تھا۔ دو سال بعد محمد کو منیسا اور علاء الدین علی کو اماسیہ منتقل کر دیا گیا۔ دونوں کو نئے صوبوں میں بھیجنے سے پہلے ایڈرین بلایا گیا تھا' جہاں مراد نے ان دونوں کا ختنہ کروایا۔ ختنہ کے دن محل میں عالیشان تقریب برپا کی گئی۔

جون 1443ء کے شروع میں علاء الدین علی کو اس کے مشیر خضر پاشا نے قتل کر دیا۔ اس واردات کے بعد محمد ولی عہد کے طور پر بچ گیا۔ اس کے باپ نے اُسے فوراً ایڈرین بلوایا۔ بظاہر سلطان مراد یہ بھی چاہتا تھا کہ شہزادہ محمد سلطنت کو درپیش ایک سنگین خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے اس کا شانہ بشانہ موجود ہو۔ اس وقت پوپ یوجینیس IV نے ترکوں کے خلاف ایک نئی صلیبی جنگ کا اعلان کر دیا تھا۔ اس زمانے میں شہزادہ محمد کی اپنے باپ کے دربار میں موجودگی کا تذکرہ اطالوی مؤرخ سیریاکس آف اینکونا نے کیا ہے' جو بعدازاں سلطان محمد فاتح

کا یونانی اور لاطینی زبانوں کا استاد بنا۔ سیر یاکس، جو 1443ء میں تجارتی مقصد سے ایڈرین میں موجود تھا، لکھتا ہے کہ مراد مہمانوں سے قالین پر بیٹھ کر ملاقات کرتا تھا۔ اس کے انداز نشست میں ایک ''وحشیانہ قسم کا شاہانہ جلال'' ہوتا تھا۔ شہزادہ محمد اپنے باپ کے وزیروں کے ساتھ اس کے عقب میں کھڑا رہتا تھا۔

شہزادہ محمد ہر اعتبار سے ایک تندخو اور گرم مزاج انسان تھا۔ وہ اپنے بڑوں کی اطاعت کرنے یا تنقید برداشت کرنے اور کسی کی نصیحت ماننے کا قائل نہیں تھا۔ چونکہ وہ اپنی زندگی کے ابتدائی گیارہ برسوں میں اپنے باپ سے الگ رہا تھا اس لیے کوئی نہیں تھا جو اسے قابو کرتا یا اسے کسی کا تابع بناتا۔ مراد نے شہزادہ محمد کے لیے متعدد اتالیق مقرر کیے مگر وہ کسی کو خاطر میں نہیں لایا۔ آخر مراد نے ایک کرد مذہبی پیشوا ملا احمد گیورانی کو اس کا اتالیق مقرر کیا اور اپنے شاگرد کو قابو کرنے کا ایک گر بتایا۔ جب گیوارنی نے شہزادہ محمد کو پڑھانا شروع کیا تو وہ اس کی ہنسی اڑانے لگا، جس پر استاد نے اس کی خوب ٹھکائی کی۔ شہزادہ محمد کو زندگی میں پہلی بار مار پڑی تھی۔ اس کے بعد شہزادہ محمد پر اپنے استاد کا رعب قائم ہو گیا اور وہ ایک مثالی طالب علم بن گیا۔ اس نے اسلامی، یونانی اور لاطینی تاریخ و ادب کے علاوہ فلسفہ اور سائنس کا علم حاصل کیا۔ سیر یاکس کے علاوہ اس کو اور بھی یورپی اور ایشیائی اساتذہ پڑھایا کرتے تھے۔

اناطولیہ میں سلطان مراد کے ترک منصب داروں میں سے ایک امیر ابراہیم نے بغاوت کر دی اور 12/جون 1444ء کو مراد اور اس کی بیشتر فوج کو ایڈرین چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ مراد نے اپنی غیر موجودگی میں شہزادہ محمد کو حکمراں بنایا اور وزیر اعظم خلیل پاشا چنداری کو اس کا مشیر مقرر کیا۔ مراد کے روانہ ہونے کے تقریباً فوراً بعد بیکتاشی فرقے کے ایک درویش نے ایڈرین کی چھاؤنی میں موجود فوجیوں میں بدعتی نظریات کا پرچار شروع کر دیا۔ شہزادہ محمد کو اس کے نظریات دلچسپ لگے اور اس نے درویش اور اس کے پیروکاروں کو اپنے زیر سایہ آنے کی پیشکش کی۔ عثمانی دربار کے سب سے بڑے مذہبی پیشوا مفتی فرخین نے اس بات کا بتنگڑ بنا دیا۔ اس پر شہزادہ محمد محتاط ہو گیا اور اس نے درویش کی سرپرستی کا ارادہ ترک کر دیا۔ اس کے بعد مفتی فرخین نے ایک ہجوم کا اکسا کر درویش اور اس کے پیروکاروں کو زندہ جلوا دیا۔

جون کے اواخر میں عثمانیوں کے اعلیٰ ترین فوجیوں ینی چریوں نے سرکشی اختیار کی اور شہزادہ محمد سے مطالبہ کیا کہ ان کی تنخواہوں میں اضافہ کیا جائے۔ ینی چری نومسلم ہوتے تھے اور ان میں سے کئی وزیر کے منصب تک پہنچے۔ مراد اپنی مہمات میں انہیں انتہائی موثر

انداز میں استعمال کیا تھا۔ تاہم اب اس کی غیر موجودگی میں وہ سرکشی اختیار کرنے لگے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ محمد نوجوان ہے اور وہ اس کو مجبور کر سکتے ہیں۔ ینی چریوں نے بغاوت کر دی اور ایک مسقف بازار کو جلا دیا۔ شہزادہ محمد نے ان کی تنخواہوں میں اضافہ کر دیا۔ اس نے یہ قدم اٹھا کر ایک ایسی نظیر قائم کر دی جو عثمانیوں کے لیے آخری وقت تک پریشانی کا مستقل سرچشمہ رہی۔

## صلیبی جنگ

اسی اثنا میں صلیبی جنگ کا خطرہ حقیقت میں ڈھل گیا اور ایک بہت بڑا لشکر ہنگری کے نواب جان ہنیاڈی کی قیادت میں بلقان میں جنوب کی طرف پیش قدمی کرنے لگا۔ جب خلیل پاشا کو اس کی اطلاع ملی تو اس نے فوراً سلطان مراد کو آگاہ کرنے کے لیے قاصد بھیجا' جو اپنی افواج کو فی الفور پیچھے یورپ میں لے آیا۔ مراد کی افواج نے 10 نومبر 1444ء کو ورنا کی جنگ میں صلیبی لشکر کو حقیقتاً کچل کے رکھ دیا۔ ہنیاڈی اور بہت قلیل تعداد میں دیگر صلیبی جانیں بچا کر فرار ہو سکے۔

اس فتح کے بعد مراد ایڈرین واپس آ گیا۔ چند دنوں بعد ہی اس نے درباریوں کو یہ بتا کر حیران و ششدر کر دیا کہ وہ اپنے بیٹے کے حق میں تاج و تخت سے دستبردار ہو رہا ہے' جو یکم دسمبر 1444ء کو سلطان محمد دوم کے نام سے تخت نشین ہوا۔ مراد' جس کی عمر اس وقت صرف چالیس برس تھی' منیسا چلا گیا۔ اس نے اپنے تیرہ سالہ بیٹے کو' وزیراعظم خلیل پاشا کے ساتھ سلطنت پر حکومت کرنے کے لیے چھوڑ دیا۔

آئندہ مہینوں میں خلیل پاشا مراد کو واپس آنے کے لیے مسلسل پیغامات بھیجتا رہا۔ وہ اصرار کرتا رہا کہ شہزادہ اتنا کم عمر اور ناپختہ ہے کہ حکومت نہیں کر سکتا۔ سلطان محمد نے تخت نشین ہوتے ہی جوش و خروش کے ساتھ قسطنطنیہ پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ تاہم خلیل پاشا اس کے راستے کی دیوار بن گیا' جس نے مراد کو پیغام بھیجا کہ یہ اس کے بیٹے کی حکومت کرنے میں نااہلی کی ایک اور مثال ہے۔ اس پیغام کے بعد مراد نے گوشہ نشینی ترک کرنے کا فیصلہ کیا اور ستمبر 1446ء میں ایڈرین واپس آ گیا۔ خلیل پاشا نے محمد کو اپنے باپ کے حق میں دستبردار ہونے پر آمادہ کیا' جو فوراً سلطان بن گیا جبکہ محمد منیسا چلا گیا۔

اس دوران جان ہنیاڈی نے ترکوں کے خلاف ایک اور صلیبی لشکر اکٹھا کر لیا تھا اور

ستمبر 1448ء کو وہ اپنے لشکر کو دریائے ڈینیوب کے پار لے آیا۔ مراد نے محمد کو ایڈرین بلایا اور صلیبیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنی فوج کو تیار کرنے لگا۔ دونوں فوجوں کا آمنا سامنا 23ر اکتوبر 1448ء کو کوسووا میں اسی میدان میں ہوا جہاں مراد اول نے 1389ء میں سربوں کو شکست دی تھی۔ کوسووا کی دوسری جنگ کا نتیجہ بھی پہلی جنگ جیسا ہی نکلا۔ ترکوں نے تین روزہ جنگ میں عیسائیوں کو تہہ تیغ کر ڈالا۔ اس جنگ میں محمد نے اپنے باپ کی فوج کے دائیں بازو اناطولی دستوں کی قیادت کی۔ جان ہنیاڈی دوبارہ جان بچا کر فرار ہو گیا اور آٹھ سال بعد دوبارہ ترکوں سے نبرد آزما ہوا۔

شہزادہ محمد جنوری 1448ء میں پہلے بچے کا باپ بنا۔ اس کی کنیز گل بہار نے اس کے بیٹے کو جنم دیا' جو مستقبل میں بایزید دوم کہلایا۔ گل بہار کے مفصل کوائف دستیاب نہیں ہیں تاہم امکان ہے کہ وہ یونانی تھی' کیونکہ شاہی حرم کی بیشتر کنیزیں یونانی ہوا کرتی تھیں۔ اعلیٰ طبقے کی مسلمان عورتوں کے ساتھ سلطان شادی کیا کرتے تھے۔ اگلے برس مراد نے محمد سے پوچھے بغیر اس کی شادی دولکادیری قبیلے سے تعلق رکھنے والے مشرقی اناطولیہ کے حکمران امیر ابراہیم کی بیٹی شہزادی ستی خاتون سے طے کر دی۔ محمد اس فیصلے پر بہت آزردہ ہوا۔ شادی ستمبر 1449ء میں ایڈرین سرائے میں ہوئی۔ تقریبات دو ماہ تک جاری رہیں' جن میں رقص و نغمہ کے ساتھ ساتھ شاعری کے مقابلے بھی ہوئے۔ اناطولی بھاٹوں (گویے شاعروں) نے دولہا اور دلہن کی تعریف میں گیت گائے۔ جیسا کہ وینس میں محفوظ اس کے ایک پورٹریٹ اور معاصر تاریخوں سے شہادت ملتی ہے دلہن بہت خوبصورت تھی۔ تاہم ایسا لگتا ہے محمد کو ستی سے محبت نہیں تھی کیونکہ اس نے اس کے کسی بچے کو جنم نہیں دیا اور جب محمد استنبول کو فتح کرنے کے بعد وہاں منتقل ہوا تو وہ اسے ایڈرین ہی میں چھوڑ گیا۔ ستی 1476ء میں تنہائی کے عالم میں وفات پا گئی۔ اسے ایک مسجد کے باغ میں دفنایا گیا' جسے اس کی بھانجی عائشہ نے اس کی یاد میں تعمیر کروایا تھا۔

محمد کی ماں ہما خاتون ستمبر 1449ء میں فوت ہوئی۔ اُسے برصہ میں مسجد مرادیہ کے باغ میں دفنایا گیا۔ اس کی لوحِ مزار سے پتہ چلتا ہے کہ اسے اس کے بیٹے محمد نے ''اپنی مرحومہ والدہ' عورتوں کی ملکہ کے لیے تعمیر کروایا۔۔۔ اللہ اس کی قبر کو مہکتا رکھے۔''

اگلے برس محمد کی کنیز گل شاہ نے اس کے دوسرے بیٹے مصطفیٰ کو جنم دیا' جو ہمیشہ اس کا منظورِ نظر رہا۔ اسی برس مراد کا ایک اور بیٹا احمد پیدا ہوا' اُسے مرحوم شہزادے احمد سے ممتاز

کرنے کے لیے کوچک یعنی چھوٹے کا عرف دیا گیا۔ احمد کوچک کی ماں کا نام شہزادی حلیمہ خاتون تھا' جوکہ اناطولیہ کے چندارولو قبیلے کے حکمران امیر ابراہیم دوم کی بیٹی تھی۔ مراد نے محمد کی دو شادیوں کے ذریعے اناطولیہ میں اپنے انتہائی خطرناک دشمن کرمانی ترکمان قبیلے کے خلاف ایک مضبوط اتحاد قائم کیا تھا۔ کرمانی ترکمان قبیلے نے ایشیائے کوچک میں مشرق کی جانب عثمانی سلطنت کی توسیع کوروک دیا تھا۔

اگلے برس کے اوائل میں مراد نے ایڈرین سرائے میں متعدد نئی بارہ دریاں تعمیر کروانے کا کام شروع کیا۔ تاہم ابھی یہ منصوبہ بمشکل شروع ہی ہوا تھا کہ وہ 8 رفروری 1451ء کو کثرتِ مےنوشی کے نتیجے میں مرگی کا دورہ پڑنے سے فوت ہوگیا۔ اس وقت اس کی عمر 47 برس تھی۔ اس نے 30 برس حکومت کی' جس کا بیشتر حصہ جنگیں لڑنے میں گزر گیا۔ وزیراعظم خلیل پاشا نے محمد کی منیسا سے آمد تک مراد کی وفات کی خبر پوشیدہ رکھی۔ وہ پندرہ دن بعد پہنچا اور فوراً فوج نے اسے سلطان تسلیم کرلیا۔ یہ اس کی انیسویں سالگرہ سے ایک ماہ پہلے کا واقعہ ہے۔

جب محمد دوسری مرتبہ تخت نشین ہوا تو تمام وزیروں اور درباریوں کی موجودگی میں اس کے جدِ امجد عثمان غازی کی تلوار اس کی کمر سے باندھی گئی۔ یہ تاج پوشی کا عثمانی طریقہ تھا۔ اس تقریب کے بعد سلطان محمد نے خلیل پاشا کو دوبارہ وزیراعظم مقرر کیا' حالانکہ وہ اپنے باپ کے پرانے مشیر سے سخت نفرت کرتا تھا۔ محمد کا خیال تھا کہ خلیل نے سلطان بننے کی اس کی پہلی کوشش پر شبخون مارا تھا اور اسے شبہ تھا کہ وزیراعظم بازنطینیوں اور عثمانیوں کے دوسرے دشمنوں سے رشوت لے رہا ہے۔ اس کے باوجود اس نے وقت گزارنے کے لیے خلیل کو اس کے منصب پر برقرار رہنے دیا اور اس سے پیچھا چھڑانے کے لیے موزوں وقت کا انتظار کرنے لگا۔ خلیل بھی سلطان محمد سے شدید نفرت کرتا تھا۔ یونانی مؤرخ ڈوکاس نے وزیراعظم کے حوالے سے لکھتے ہوئے اس کی نفرت کا انکشاف کیا ہے۔ وہ اسے ''بازنطینیوں کا دوست اور رشوت لینے کا مشتبہ مرتکب'' قرار دیتا ہے۔ ڈوکاس خلیل کے حوالے سے لکھتا ہے کہ وہ مرحوم سلطان مراد سے موازنہ کرتے ہوئے سلطان محمد کو ''گستاخ' تشدد پسند اور وحشی'' قرار دیتا تھا۔ خلیل پاشا سلطان مراد کو ''ایک مخلص دوست اور باضمیر انسان'' قرار دیتا تھا۔

سلطان محمد نے اپنے باپ کے ایک اور پرانے وزیر اسحاق پاشا کو اناطولیہ کا گورنر مقرر کیا اور اسے حکم دیا کہ وہ مسجد مرادیہ میں مراد کو دفن کرنے کے انتظامات کرے۔

سلطان محمد تخت نشین ہوتے ہی سیدھا ایڈرین سرائے کے حرم میں گیا۔ وہاں مراد کی عورتوں نے اس کا مبارکباد کے ساتھ استقبال کیا۔ انہوں نے اس کے باپ کی وفات پر اس سے اظہار تعزیت بھی کیا۔ سلطان مراد کی وفات کے وقت اس کی بیویوں میں حلیمہ خاتون کا رتبہ سب سے اونچا تھا' جس نے پندرہ ماہ پہلے مراد کے آخری بیٹے احمد کو چک کو جنم دیا تھا۔

## بھائیوں کے قتل کا شاہی قانون

عثمانی خاندان میں جانشینی کا مسئلہ فساد کا باعث رہا تھا اور دو خانہ جنگیوں کا پیش خیمہ بنا تھا۔ چنانچہ سلطان محمد نے اس مسئلے کو فوری طور پر حل کرنے کے لیے احمد کو چک کو ہلاک کرنے کا حکم دیا۔ جس وقت سلطان محمد حلیمہ خاتون سے گفتگو کر رہا تھا اس کے آدمی اس کے حمام کے اندر حلیمہ خاتون کے شیر خوار بیٹے کا گلا گھونٹ رہے تھے۔ سلطان محمد نے اپنے سوتیلے بھائی کے قتل کے لیے بھائیوں کے قتل کی عثمانی روایت کو جواز بنایا' جس پر اس کے آباؤ اجداد جانشینی کی جنگوں سے بچنے کے لیے کئی مواقع پر عمل کر چکے تھے۔ سلطان محمد نے بعد ازاں اس روایت کو قانون کا درجہ دے دیا' جیسا کہ اس کے شاہی فرمان میں بیان کیا گیا ہے:

> ''میرے بیٹوں میں سے جو بھی سلطان کا جانشین بنے گا' اسے حق ہے کہ وہ سلطنت کے نظم کی بہتری میں اپنے بھائیوں کو قتل کر دے۔ بیشتر مفتی اس عمل کی منظوری دے چکے ہیں۔ آئندہ میرے حکم کے مطابق عمل کیا جائے۔''

سلطان محمد کو تخت نشیں ہونے کے فوری بعد ینی چریوں کی دوسری بغاوت سے نمٹنا پڑا۔ اس نے اس مرتبہ بھی ان کی تنخواہوں میں اضافہ کر کے بغاوت کو فرو کیا حالانکہ یہ اقدام اس نے زیادہ خوشی کے ساتھ نہیں کیا تھا۔ محمد نے اپنا غصہ ینی چریوں کے کمانڈر کازانجی دوان پر اتارا۔ اس نے اسے اس کے عہدے سے ہٹا دیا اور کوڑے لگوائے۔ اس کے بعد اس نے ینی چریوں کی اس انداز سے تنظیم نو کی کہ وہ اس کے براہ راست کنٹرول میں آجائیں۔ اس نے اپنی آئندہ فتوحات میں انہیں انتہائی مؤثر انداز میں استعمال کیا۔

## بازنطینی سلطنت کا خاتمہ

اگلے برس سلطان محمد نے قسطنطنیہ کو فتح کرنے کے اپنے منصوبے کو عمل میں لانا شروع کیا۔ اس وقت قسطنطنیہ تک صرف سمندری راستے سے رسائی پائی جا سکتی تھی۔ 1452ء

کے موسم گرما میں سلطان محمد نے بحیرۂ باسفورس کے یورپی ساحل پر رومیلی حصار نامی عظیم قلعہ تعمیر کروایا۔ یہ قلعہ انادولو حصار نامی قلعے کے عین مخالف سمت میں تعمیر کروایا گیا تھا۔ انادولو حصار کو بایزید اول نے 1397ء میں تعمیر کروایا تھا۔ بازنطینی شہنشاہ کونسٹینٹین XI ڈریگیس اتنا کمزور تھا کہ وہ سلطان محمد کو قلعہ تعمیر کرنے سے روک نہیں سکا۔ اس قلعے کی تعمیر سے آئندہ محاصرے کی تیاری کا پہلا مرحلہ مکمل ہوا' جس کے بعد بحیرۂ اسود سے قسطنطنیہ کے لیے اجناس کی رسد مکمل طور پر بند کی جا سکتی تھی۔

محاصرہ 6 اپریل 1453ء کو شروع ہوا' جب سلطان محمد نے اپنا خیمہ سینٹ رومانس کے گیٹ کے سامنے نصب کیا اور اپنے توپخانے کو شہر پر بم برسانے کا حکم دیا۔ بمباری وقفے وقفے سے سات ہفتوں تک جاری رہی۔ اس دوران ینی چری اور اناطولی پیادہ فوج حملے کرتی رہی' جبکہ کونسٹینٹین پوری غیر فوجی آبادی کے ساتھ فصیلوں کی مرمت میں مصروف رہا۔ کونسٹینٹین کو یورپ کی عیسائی طاقتوں سے مدد کی امید تھی' لیکن مدد کبھی نہیں آئی اور آخر کار آخری جنگ کے بعد ترک 29 مئی 1453ء کو صبح سویرے شہر میں داخل ہو گئے۔ کونسٹینٹین کو ترکوں نے گرفتار کر لیا اور بازنطینی دنیا کا خاتمہ ہو گیا۔ ایک ایسی سلطنت انجام کو پہنچ گئی جس کا عرصۂ حکومت ایک ہزار سال پر محیط تھا۔ عثمانی خاندان نے بازنطین پر حکمرانی کرنے والے آخری خاندان پیلیولوگ (Palaeologue) کی جگہ لی۔ اب قدیم عیسائی سلطنت ایک نئی اور طاقتور مسلمان سلطنت کا ایک حصہ تھی۔

دوسرا باب

# سلطان محمد فاتح

## نیا عثمانی دارالسلطنت

سلطان محمد اسی مئی کی ایک سہ پہر کو شہر میں داخل ہوا۔ جب وہ ایڈریانوپل گیٹ سے گزرا تو اس کے فوجیوں نے اسے فاتح کے لقب سے پکارا۔ اس کے بعد وہ اسی لقب سے مشہور ہو گیا۔ فاتح نے جس شہر کو فتح کیا تھا ترک اُسے قسطنطنیہ کہتے تھے، تاہم فتح کے بعد اسے عام ترکی زبان میں استنبول کہا جانے لگا، جو یونانی زبان کے لفظ "Stin Poli" کی بدلی ہوئی صورت تھا، جس کے معنی تھے "شہر میں" یا "شہر کی طرف"۔

ترکوں کے قسطنطنیہ فتح کرنے کا انتہائی مفصل بیان ایک یونانی کریتوولوس آف امبروس نے، جو کہ فتح کے فوراً بعد ہی اس شہر میں آ گیا تھا، اپنی کتاب History Of Mehmet The Conqueror میں رقم کیا ہے۔ کریتوولوس نے سلطان محمد فاتح کی شہر میں آمد کا منظر یوں بیان کیا ہے:

"سلطان شہر میں داخل ہوا اور اس نے اس کی وسعت، محل وقوع، خوبصورتی اور شان و شکوہ، کثیر آبادی، دلکشی اور گراں قدر گرجا گھروں اور سرکاری عمارتوں کو دیکھا اور ان سب کی بربادی کا مشاہدہ کیا تو اس کا دل رحم سے لبریز ہو گیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور وہ بولا: "کیسا شہر تھا جسے ہم نے برباد کر ڈالا ہے!""

فاتح شہر کی سب سے بڑی سڑک مڈل وے پر گھوڑا دوڑاتا ہوا چھٹی پہاڑی سے پہلی پہاڑی تک گیا۔ یہاں وہ ایا صوفیا پہنچا۔ اس عظیم گرجا گھر کو شہنشاہ جسٹینین نے 7-532ء میں تعمیر کروایا تھا۔ وہاں پہنچ کر سلطان محمد فاتح گھوڑے سے اتر گیا۔ وہ گھٹنوں کے بل زمین پر

بیٹھ گیا۔ اس نے زمین سے مٹی اٹھائی اور اپنی پگڑی پر ڈال دی۔ یہ علامت تھی عاجزی اور ندامت کی کیونکہ یہ عظیم گرجا گھر اسلام میں بھی اتنا ہی محترم تھا جتنا کہ عیسائیت میں۔ عمارت کا جائزہ لینے کے بعد اس نے گرجا گھر کے ساتھ مسجد تعمیر کرنے کا حکم جاری کیا۔ مؤذن کے اذان دینے کے لیے ایک مینارہ اور بعض دیگر تعمیرات مکمل ہو گئیں تو سلطان نے یکم جون 1453ء کو جمعہ کی نماز وہاں ادا کی۔

ایاصوفیا کا پہلا دورہ کرنے کے بعد سلطان محمد نے پہلی پہاڑی کی ڈھلان پر بحیرۂ مرمر پر تعمیر کیے گئے عظیم بازنطینی محل کے کھنڈرات بھی ملاحظہ کیے تھے۔ بازنطینی شہنشاہ اسے چھوڑ کر چھٹی پہاڑی پر بلاچرنے محل میں منتقل ہو گئے تھے۔ بلاچرنے محل بھی محاصرے کے دوران ہونے والی بمباری سے تباہ ہو چکا تھا۔ جب سلطان محمد فاتح بحیرۂ مرمر پر واقع محل کے برباد شدہ کمروں سے گزرا تو وہ بے حد اداس ہو گیا۔ اس نے فارسی شاعر سعدی کا ایک اداس شعر پڑھا ۔

سیزر کے محل میں مکڑی نے جالا تان لیا ہے
گنبد افراسیاب میں الو بول رہے ہیں *

سلطان محمد فاتح کسی بازنطینی محل کو اپنی رہائش کے لیے استعمال نہیں کر سکتا تھا' لہذا وہ پہلے دن شہر کا دورہ کرنے کے بعد شہر سے باہر سینٹ رومانس کے گیٹ کے سامنے نصب اپنے خیمے میں واپس چلا گیا۔ اس کے فوری بعد اس نے تیسری پہاڑی پر ایک نیا شاہی محل تعمیر کروانے کا فیصلہ کیا۔ کریٹوولوس نے اس مقام کو ''شہر کے وسط میں سب سے زیادہ خوبصورت جگہ'' قرار دیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے حکم دیا کہ شہر کی حفاظتی فصیل کی مزید مرمت کی جائے' یہ بحیرۂ مرمر کے ساحل کے نزدیک بازنطینی شہر کا قدیمی فاتحانہ داخلی راستہ تھا۔ اس قلعے کو یدی کول یعنی سات میناروں والے قلعے کا نام دیا گیا۔ اس قلعے کو سلطان محمد فاتح اور اس کے جانشینوں نے قید خانے کے طور پر اور خزانہ رکھنے کے لیے استعمال کیا۔

استنبول کو نیا عثمانی دارالسلطنت بننا تھا اور سلطان نے حکم دیا کہ شہر کی مرمت کی جائے اور اس کی سلطنت کے یورپی اور ایشیائی صوبوں کی رعایا کو لا کر آباد کیا جائے' جن میں

---

* یہ شعر سعدی کا نہیں بلکہ فردوسی کا ہے' جان فریلی سے سہو ہوا ہے۔ فارسی شعر درج ذیل ہے۔

پردہ داری می کند در قصر قیصر عنکبوت
بوم نوبت می زند در گنبد افراسیاب

ہم نے متن میں جان فریلی کے انگریزی ترجمے ہی کو اردو میں ڈھالا ہے (مترجم)

عیسائی اور یہودی اور مسلمان ترک سب شامل تھے۔ غیر مسلموں کے گروپوں کو "ملت" کہا جاتا تھا اور ہر گروپ کا سربراہ اس کا مذہبی رہنما ہوتا تھا۔ فتح کے زمانے میں یونانی آرتھوڈوکس پیٹر یارک (Greek Orthodox Patriarch) کا عہدہ خالی تھا' اس لیے فاتح نے پادری جینا ڈیئس کے انتخاب کا اہتمام کیا' جسے Holy Apostles کے قدیم گرجا گھر کا پیٹر یارک مقرر کیا گیا۔ بعدازاں سلطان نے شاہی فرمان جاری کیا جس کے تحت تمام پادریوں کو ہر قسم کے ٹیکس سے ہمیشہ کے لیے چھوٹ دے دی گئی تھی۔

فاتح نے ان بے شمار یونانیوں کو رہا کر دیا' جو کہ اعلیٰ ریاستی یا درباری افسران تھے۔ ان کے درمیان گرینڈ ڈیوک لیوکس نوٹارس بھی تھا' جس نے محاصرے کے دوران یونانی فوج کی کمانداری کی تھی۔ نوٹارس کو اپنی بیمار بیوی اور بچوں سمیت فرار ہوتے ہوئے گرفتار کیا گیا تھا اور اسے فاتح کی طرف سے رہائی ملنے تک اس کے گھر ہی میں قید رکھا گیا تھا۔ نوٹارس نے سلطان کے اپنے وزیراعظم کے حوالے سے شبہات کی تصدیق کر دی اور بتایا کہ خلیل پاشا بازنطینیوں سے رشوت لیتا رہا ہے۔ فاتح نے فوری طور پر خلیل کو گرفتار کروا کر زندان میں ڈلوا دیا۔ اس پر ایک مہینے تک تشدد کیا گیا' جس کے بعد اس کا سر قلم کر دیا گیا۔ اس دوران فاتح نے نوٹارس کے ساتھ ایسا اچھا سلوک کیا کہ وہ سوچنے لگا شاید سلطان اُسے شہر کا کمانڈنٹ مقرر کر دے گا۔ تاہم اعلیٰ منصب کے حامل یونانی قیدیوں میں نوٹارس کے بہت سے دشمن بھی موجود تھے' انہوں نے فاتح کو اس کی طرف سے بھڑکایا اور یوں اس کا اور اس کے دو بیٹوں کا سر قلم کر دیا گیا۔

فاتح نے استنبول کی تعمیرِ نو اور بحالی کے کام کا نگران کرشتیران سلیمان بے کو مقرر کیا۔ اس کے بعد وہ ایڈرین واپس چلا گیا۔ کریٹوولوس کے مطابق وہ وہاں فصل کی کٹائی کے موسم میں پہنچا۔ آئندہ ہفتوں کے دوران فاتح ایڈرین سرائے میں ویانا' سربیا' البانیا' یونان' مصر' ایران اور کرمانی ترکمانوں کے نمائندہ سفیروں سے لگاتار ملاقاتیں کرتا رہا۔ وہ سب نوجوان فاتح کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرنے کے خواہش مند تھے۔ ویانا کے ایک سفیر نے اس کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

"شہنشاہ' عظیم ترک محمد بے ایک چھبیس سالہ نوجوان ہے (اس کی عمر دراصل بائیس سال تھی)۔ اس کا جسم مضبوط اور قد درمیانہ ہے۔ وہ ہتھیار چلانے کا ماہر ہے۔ اس کا حلیہ مسکینوں جیسا نہیں بلکہ بارعب ہے۔ وہ بہت کم ہنستا ہے' محتاط و دوربین ہے' انتہائی فیاض ہے'

اپنے منصوبوں کی تکمیل کے لیے مستقل مزاجی سے کام لیتا ہے' ہر معاملے میں بیباک ہے۔ وہ مقدونیہ کے سکندر کی طرح ناموری کا دلدادہ ہے......''

سولھویں صدی کا وقائع نگار مصطفیٰ علی لکھتا ہے کہ جب سلطان محمد فاتح 1454ء کی مہم سے واپس آیا تو ''اس نے خوش چشم پری پیکر کنیزوں کے ساتھ چار راتوں تک خوب عیاشی کی۔ دن کے وقت اُسے فرشتوں جیسے حسین وجمیل لڑکے شراب پلایا کرتے تھے۔''

تاہم اس کے بعد وہ لکھتا ہے: ''سلطان محمد بظاہر عیاش اور آوارہ مزاج لگتا تھا۔ درحقیقت وہ انصاف پسندی کے ساتھ اپنی رعایا کی بہتری کے لیے کام کر رہا تھا۔''

فاتح نے خلیل پاشا کو سزائے موت دینے کے ایک سال بعد تک نیا وزیراعظم مقرر نہیں کیا۔ اس عرصے کے دوران اسحاق پاشا اس کے وزیر کے طور پر کام کرتا رہا۔ آخر کار 1454ء کے موسمِ گرما میں اس نے محمود پاشا کو اپنا نیا وزیراعظم مقرر کیا۔ محمود پاشا معزز بازنطینی یونانی تھا اور سرب آباؤ اجداد کی اولاد تھا' جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس نے دو دہائیوں تک وفاداری اور ذہانت کے ساتھ اس کی خدمت کی۔

فاتح 1454ء کے اوائل میں سربیا کی مہم پر جانے سے پہلے مختصر وقت کے لیے استنبول آیا۔ کریٹوولوس کے بقول ''اس نے شہر میں تعمیر ہونے والی عمارتوں کا معائنہ کیا اور ان پر نیز دوسری عمارتوں پر کام کے حوالے سے احکامات جاری کیے۔ اور حکم دیا کہ جتنا ممکن ہو اتنی تیزی سے کام کیا جائے''۔ اس نے اگلے برس ایک اور سرب مہم سے پہلے استنبول کا دورہ کیا۔ جیسا کہ کریٹوولوس نے لکھا ہے۔ ''اس نے دیکھا کہ محل کی تعمیر مکمل ہو چکی ہے اور گولڈن گیٹ کے نزدیک قلعہ اور شہر کی فصیل عمدگی سے تعمیر ہو چکی ہے''۔ کریٹوولوس لکھتا ہے کہ ''اس نے شہر کے وسط میں بہت وسیع اور بہت عمدہ منڈی تعمیر کرنے کا حکم دیا' جو کہ محل سے نزدیک ہو''۔ جس منڈی کا حوالہ کریٹوولوس نے دیا ہے وہ آج کا مشہور مسقف بازار (Coverd Bazaar) ہے۔

فاتح 1456ء میں اپنی سرب مہم کے دوران بلغراد کی فصیلوں تک پہنچ گیا مگر جولائی کے وسط میں جان ہنیاڈی نے اُسے شکست دے دی اور اسے مجبوراً پسپا ہونا پڑا۔ یہ فاتح کی بہت بڑی ناکامی تھی۔ اس کے 24000 فوجی ہلاک ہو گئے اور خود اس کی ران نیزے سے زخمی ہو گئی۔ بلغراد کو بچا لیے جانے کی خبر نے پورے مغربی یورپ میں خوشی کی لہر دوڑا دی۔ پوپ کیلسٹس III نے اسے اپنی زندگی کا سب سے زیادہ پُرمسرت دن قرار دیا اور ترکوں کے خلاف ایک اور صلیبی جنگ کی باتیں شروع ہو گئیں۔ تاہم ایک ماہ بعد جان ہنیاڈی طاعون کی وبا میں

مر گیا اور صلیبی جنگ کا خیال ترک کر دینا پڑا۔

فاتح بلغراد سے پسپا ہوا تو وہ اپنی فوج کو واپس ایڈرین لے آیا۔ وہاں اس نے ایک سال انتظار کیا۔ اگلے موسمِ بہار میں اس نے پوری سلطنت اور بیرونِ سلطنت اعلان کروایا کہ اس کے دو بیٹوں بایزید اور مصطفیٰ کے ختنے ہو رہے ہیں۔

ترک وقائع نگار عاشق پاشا زادہ نے ختنے کی تقریب کا احوال لکھا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ ایڈرین سرائے میں چار دن تک جشن جاری رہا۔ پورے جزیرے میں سلطان کی دعوت پر ساری سلطنت سے آنے والے معزز مہمانوں کے خیمے نصب تھے۔ فاتح شاہی خیمے میں تاج پہنے تخت پر اجتماع کے درمیان میں بیٹھا تھا۔ اس کے گرد چار مذہبی پیشوا کھڑے تھے۔ پہلے دن قرآن کی تلاوت کی گئی اور وہاں موجود علماء نے ان کی تفسیر کی۔ اس کے بعد درباری شاعروں نے اس موقع پر لکھی ہوئی اپنی نظمیں سنائیں۔ علماء اور شاعروں کو خلعتیں اور نقد تحائف عطا کیے گئے۔ اس کے بعد شاندار ضیافت ہوئی۔ اگلے دن ایڈرین کے غریب لوگوں کو عالیشان کھانے کھلائے گئے۔ اگلے دن سلطنت کے عمائدین اور معزز مہمانوں کے اعزاز میں پرتکلف ضیافت ہوئی اور عسکری مہارتوں کا مظاہرہ کیا گیا' گھوڑ دوڑ اور تیراندازی کے مقابلے ہوئے۔ پھر آخری دن مہمانوں نے سلطان کو تحائف پیش کیے۔ اس کے بعد سلطان نے اپنے تخت کے گرد جمع ہو جانے والے غریبوں میں مٹھیاں بھر بھر کر سکے لٹائے۔ پورے جشن کے دوران سلطان محمد خوب ہنسی مذاق کرتا رہا۔ اس نے ذرا بھی ظاہر نہیں ہونے دیا کہ ایک سال پہلے ہی وہ ایک زبردست شکست سے دوچار ہو چکا ہے۔

بلغراد میں عبرتناک شکست کے باوجود فاتح کی فوجوں نے اپنی فتوحات کا سلسلہ جاری رہا۔ ایتھنز پر قبضے کے بعد فاتح 1459ء میں قدیم شہر کی برباد شدہ یادگاریں دیکھنے گیا' کیونکہ کلاسیک کا مطالعہ کرنے کی وجہ سے اس میں کلاسیکی یونانی کلچر کا گہرا احترام پیدا ہو چکا تھا۔

تین سال بعد فاتح نے قدیم ٹرائے کے مقام کا دورہ کیا' جسے رومن ایلیئم (Ilium) کے نام سے جانتے تھے۔ فاتح ہومر (Homer) کا مطالعہ کر کے ٹرائے سے شناسا ہوا تھا۔ کریٹوولوس لکھتا ہے کہ بازنطین کو فتح کر کے سلطان محسوس کرتا تھا کہ اس نے ٹرائے میں ''ایشیائیوں'' پر یونانیوں کی فتح کا حساب برابر کر دیا ہے اور اسے یہی پچھتاوا تھا کہ اس کے کارنامے بیان کرنے والا کوئی ہومر جیسا شاعر اس کے پاس نہیں ہے۔

تیسری پہاڑی والا محل 1458ء تک مکمل نہیں ہوا تھا تاہم اس وقت تک فاتح کی

بیویاں اور بچے باقی خاندان سمیت وہاں رہائش پذیر ہو چکے تھے۔ اس محل میں چی چک یعنی پھول نامی اس کی ایک کنیز نے 22 دسمبر 1459ء کو اس کے بیٹے جم کو جنم دیا۔ استنبول میں پیدا ہونے والا عثمانی خاندان کا یہ پہلا بچہ تھا۔ اس وقت تک فاتح کے دو بڑے بیٹوں کو گورنر بنا کر اناطولیہ بھیجا جا چکا تھا۔ بایزید کو اماسیہ میں اور مصطفیٰ کو منیسا میں، جہاں سے بعدازاں اسے قونیہ بھیج دیا گیا۔

فاتح نے 1459ء کے اوائل میں چوتھی پہاڑی پر ایک ''کلیہ'' — مسجد اور مدرسہ — تعمیر کرنے کا حکم دیا تھا۔ یہ کلیہ، جس کا نام ''جامعہ فاتح'' رکھا گیا تھا، دس سال سے زیادہ عرصے میں مکمل ہوا۔ مسجد اس زمانے میں عثمانی سلطنت کی سب سے بڑی مسجد تھی۔ اس کے علاوہ آٹھ مدرسے، ایک میڈیکل سکول، ہسپتال، پاگلوں کا شفا خانہ، پرائمری سکول، عوامی لنگر، محتاج خانہ، کاروان سرائے، عوامی حمام اور ایک قبرستان، جس میں فاتح اور اس کی بیوی، ولی عہد شہزادہ بایزید کی ماں گل بہار کے لیے گنبد والی دو تربتیں بنائی گئی تھیں، تعمیر کیے گئے۔ محمود پاشا نے فاتح کی مثال پر عمل کرتے ہوئے دوسری پہاڑی پر ایک بڑی مسجد، عوامی حمام، ایک منڈی اور ایک تربت تعمیر کروائی۔

## توپ کاپی سرائے کی تعمیر

فاتح نے 1459ء میں پہلی پہاڑی والے بالا حصار پر ایک نئی شاہی رہائش گاہ کی تعمیر کا کام شروع کروایا۔ یہی محل ''توپ کاپی سرائے'' کے نام سے مشہور ہوا۔ اگرچہ تیسری پہاڑی پر تعمیر ہونے والا محل گزشتہ برس مکمل ہو چکا تھا، تاہم سلطان کو ایک زیادہ محفوظ رہائشی جگہ اور انتظامی مرکز کی ضرورت محسوس ہوتی تھی۔ اس نے بحیرۂ مرمرا اور سنہری خلیج کے درمیان پانی کے اندر بڑھ آنے والے خشکی کے ٹکڑے پر میناروں والی ایک بلند حفاظتی فصیل تعمیر کروا کر اس کے اندر پہاڑی کی چوٹی پر محل کے صحن اور بارہ دریاں تعمیر کروائیں۔ نچلی جانب اس نے باغ اور تاکستان بنوائے۔ جب توپ کاپی سرائے تعمیر ہو رہا تھا تو فاتح اور اس کا خاندان تیسری پہاڑی پر ایسکی سرائے یعنی پرانے محل میں رہتا تھا۔

اسی سال سلطان محمد فاتح نے سنہری خلیج کے بالائی سرے پر شہر کے باہر ایوب میں ایک مسجد تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ یہ جگہ صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوایوب انصاریؓ سے موسوم تھی۔ 1453ء میں سلطان محمد نے حضرت ایوب انصاریؓ کی قبر تلاش کروائی۔ حضرت

ایوب انصاریؓ کا مزار ترکی میں سب سے زیادہ مقدس اسلامی زیارت گاہ بن گیا۔ پرانے زمانے میں دستور تھا کہ اس جگہ سلطان کی کمر سے عثمان غازی کی تلوار باندھ کر اس کی تاجپوشی ہوتی تھی۔

فاتح نے 1460ء میں پیلو پونیسوس پر ایک بڑا حملہ کیا' جہاں مرحوم شہنشاہ کونسٹین کے دو بیٹے تھامس اور ڈیمیٹریئس پیلیولوگس اب بھی حکمران تھے۔ ڈیمیٹریئس نے اپنے دارالحکومت مسترا میں 29 مئی 1460ء کو سلطان کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ یہ واقعہ قسطنطنیہ کی فتح کے سات سال بعد رونما ہوا تھا۔ تھامس اٹلی فرار ہوگیا۔ ڈیمیٹریئس فاتح کے ساتھ ایڈرین آیا جہاں اسے ایک دیہاتی علاقے میں رہنے کی اجازت دے دی گئی۔ وہ 1470ء میں مر گیا۔ اس وقت تک بازنطین کا واحد باقی ماندہ حصہ ٹریبیزونڈ 1461ء میں فتح ہو گیا۔ ٹریبیزونڈ کے آخری بادشاہ ڈیوڈ کومنینس کو اس کے خاندان سمیت ایڈرین میں قید میں رکھا گیا۔ پھر یکم نومبر 1463ء کو فاتح نے ڈیوڈ اور اس کے دو بڑے بیٹوں کو سزائے موت دے دی۔

نیا محل توپ کاپی 1465ء میں مکمل ہوا' جبکہ نوشتوں سے پتہ چلتا ہے کہ کام مزید تیرہ برس جاری رہا تھا۔ ظاہرہ طور پر تو یہی پتہ چلتا ہے کہ فاتح کا ارادہ تھا کہ وہ توپ کاپی کو اپنا انتظامی مرکز بنائے گا اور حرم کو تیسری پہاڑی والے پرانے محل میں رکھے گا۔ تاہم کریٹوولوس کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ فاتح نے سال میں تھوڑے عرصے کے لیے اپنے خاندان کے بھی وہاں رہنے کا منصوبہ تیار کیا تھا:

''اس نے محل میں غیر معمولی حد تک بلند' خوبصورت اور پُرشکوہ مینار تعمیر کروائے۔ عورتوں اور مردوں کے لیے رہائشی کمرے بنوائے۔ خواب گاہیں اور آرام گاہیں تعمیر کروائیں اور اس کے علاوہ بے شمار عمدہ کمرے بنوائے۔ ان کے علاوہ متعدد بیرونی عمارتیں' دالان' ہال' پیش دالان' دروازے' ڈیوڑھیاں' ذخیرہ گاہیں اور حمام تعمیر کروائے۔ ان سب کو نہایت عمدہ نمونوں پر تعمیر کیا گیا تھا۔''

گیووانی ماریا انجیولیلو' جو عثمانیوں کا ایک اطالوی ملازم تھا' کہتا ہے کہ محل میں تین صحن تھے' جن کے گرد دس فٹ بلند دیوار تھی۔ وہ بتاتا ہے کہ اس میں باغ اور چڑیا گھر تھے۔ ایک جھیل تھی' جس میں بے شمار پرندے تھے' سلطان ان کے شکار سے لطف اندوز ہوتا تھا:

''اور باغ میں مختلف اقسام کے پھل دار درخت ترتیب وار اگائے گئے تھے۔ کئی قسم کی انگور کی بیلیں' گلاب' زعفران اور قسم قسم کے پھول موجود تھے۔ پانی کی فراوانی تھی۔ ہر

طرف فوارے اور تالاب بنے ہوئے تھے۔ باغ میں کچھ الگ جگہیں بھی تھیں، جن میں مختلف قسم کے جانور رکھے گئے تھے مثلاً ہرن، چکارے، لومڑیاں، خرگوش، بھیڑیں، بکریاں اور ہندوستانی گائیں، جو کہ ہماری گایوں سے بہت بڑی تھیں اور بہت سے دوسرے جانور تھے۔ باغ میں کئی اقسام کے پرندے بھی تھے۔ موسمِ بہار میں ان پرندوں کی چہچہاہٹ سن کر روح بھی وجد میں آجاتی تھی۔ وہاں ایک دلدلی جھیل بھی تھی، جس میں بطخیں اور ہنس بڑی تعداد میں موجود تھے۔ ترک بادشاہ بندوق سے ان کا شکار کر کے لطف اندوز ہوا کرتا تھا۔''

## فاتح کی عیسائیت اور ادب میں دلچسپی

فاتح کو ہمیشہ سے عیسائیت میں دلچسپی رہی تھی، شاید اپنی ماں کی وجہ سے، جو کہ یونانی تھی مگر اسلام قبول کر چکی تھی۔ مستقبل کے سلطان بایزید دوم کی ماں گل بہار بھی شاید یونانی تھی اور سلطان کی دوسری لاتعداد عورتیں بھی یونانی تھیں۔ ان سب نے اس وقت اسلام قبول کر لیا تھا، جب انہیں حرم میں داخل کیا گیا تھا۔ فاتح کی عیسائیت میں دلچسپی اس وقت خصوصاً واضح ہو گئی تھی جب اس نے جینا ڈیئس کو یونانی آرتھوڈوکس چرچ کا پیٹریارک مقرر کیا تھا۔ اس نے جینا ڈیئس کو تین مرتبہ شرفِ باریابی بھی عطا کیا تھا اور اس کے ساتھ دیگر بہت سے موضوعات کے علاوہ عیسائی الہیات پر بھی گفتگو کی تھی۔ جینا ڈیئس نے فاتح کے ذاتی مطالعے کے لیے اپنی ایک کتاب کا ترکی میں خلاصہ تیار کیا تھا۔ جینا ڈیئس اور دوسرے عیسائی مذہبی پیشواؤں اور علماء کے ساتھ فاتح کے روابط کی وجہ سے یہ افواہیں بھی پھیل گئی تھیں کہ سلطان عیسائیت کی طرف مائل ہو گیا ہے۔ سولہویں صدی کے اوائل میں گلاتا میں رہنے والا ایک اطالوی ٹیوڈورو سپینڈوجینو دعویٰ کرتا ہے کہ فاتح نے کچھ عیسائی تبرکات حاصل کیے تھے اور وہ ان کے سامنے بہت سی شمعیں روشن رکھتا تھا۔ ان افواہوں کو ایسے واقعات سے تقویت ملی تھی، جیسے کہ موہلنباخ کے برادر جارج نے بیان کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ ایک مرتبہ فاتح نے پیرا میں فرانسسکن خانقاہ کا دورہ کیا۔ پیرا گلاتا سے اوپر ایک علاقہ ہے جہاں بیشتر یورپی رہتے تھے:

> ''پیرا میں رہنے والے فرانسسکن برادرز نے مجھے بتایا کہ فاتح ان کے چرچ میں آیا اور ماس (Mass) میں شرکت کے لیے ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔ اس کے تجسس کی تسکین کے لیے انہوں نے ایک بسکٹ پیش کیا، جو کہ نذرو والا نہیں تھا، کیونکہ بھینس کے آگے بین بجانے سے کیا فائدہ۔''

تاہم عیسائیت میں فاتح کی دلچسپی مصنوعی تھی کیونکہ وہ بنیادی طور پر سیکولر لگتا تھا۔ ریاست کے سربراہ کی حیثیت سے وہ اسلام کے احکامات پر بھی مشکل ہی سے عمل کرتا تھا۔ عثمانی کٹر سُنی مسلمان تھے۔ فاتح نے اپنی اولین سلطانی کے مختصر عرصے میں ایڈرین میں شیعیت کی طرف جھکاؤ ظاہر کیا تھا' جب ایرانی درویش کو کفر کے الزام کے تحت زندہ جلا دیا گیا تھا۔ فاتح کو فارسی ادب سے بھی بہت دلچسپی تھی' بالخصوص صوفیا کی شاعری سے۔

فاتح کو اس کی ادب کی سرپرستی کی وجہ سے یاد کیا جاتا ہے۔ وہ پوری اسلامی دنیا کے شاعروں اور نثرنگاروں کو تحائف بھیجا کرتا تھا۔ معاصر ترک ذرائع کے مطابق وہ تمیں عثمانی ادیبوں کی مدد کیا کرتا تھا۔ فاتح کے زمانے میں فارسی ادب کی زبان ہوتی تھی' جیسا کہ اسلامی الٰہیات کی زبان عربی تھی۔ تاہم جب خود فاتح نے شاعری کی تو اس نے زیادہ تر ترکی زبان ہی میں شعر کہے۔ اس نے عونی تخلص رکھا تھا۔ اس کا ایک دیوان موجود ہے' جس میں ترکی زبان میں آٹھ نظمیں ہیں جبکہ چند ایک فارسی غزلیں بھی' جو کہ عظیم ایرانی شاعر حافظ کی غزلوں کا محض چربہ ہیں۔

فاتح کے زمانے میں عثمانی دربار اپنی رسومات کے اعتبار سے سادہ تھا اور بعد کے زمانوں میں سلطان کے گرد وضع کر لی جانے والی نمائش اور بناوٹی رسومات سے پاک تھا۔ فاتح نماز ادا کرنے مسجد جاتا تو صرف ایک یا دو محافظوں کے ہمراہ استنبول کی گلیوں میں سے گزرتا اور دوسرے تمام نمازیوں کے ساتھ نماز ادا کرتا' جیسا کہ برادر جارج آف موہلنباخ نے متعدد مواقع پر مشاہدہ کیا:

''میں نے بادشاہ (فاتح) کو صرف دو نوجوانوں کے ساتھ محل سے دور مسجد کی طرف جاتے ہوئے دیکھا۔ میں نے اُسے اسی طرح حمام کی طرف جاتے ہوئے بھی دیکھا ..... میں نے سلطان کو مسجد میں نماز ادا کرتے ہوئے بھی دیکھا ہے۔ وہ بھی دوسروں کی طرح زمین پر بچھے قالین پر بیٹھا تھا۔''

1473ء کے موسمِ خزاں کے اواخر میں فاتح نے محمود پاشا کو وزیرِاعظم کے منصب سے ہٹا دیا اور اس کی جگہ احمد پاشا کو وزیرِاعظم مقرر کیا۔ محمود کی تمام املاک اور اثاثوں کو ضبط کر لیا گیا اور اُسے سات پہاڑیوں والے قلعے میں قید کر دیا گیا۔ اس اقدام کی وجوہات واضح نہیں ہیں تاہم ایسا شاید اس وجہ سے ہوا تھا کہ محمود نے شہزادہ مصطفیٰ کی دشمنی مول لے لی تھی' جو کہ سلطان کا چہیتا بیٹا تھا۔ مصطفیٰ بعدازاں اسی موسمِ خزاں میں کرمانیہ میں بیمار ہو گیا اور جون 1474ء میں فوت ہو گیا۔ اس کی موت پر ہونے والا ردِعمل اینجیولیلو نے بیان کیا ہے'

جو کہ 74-1470ء کے برسوں میں شہزادہ مصطفیٰ کا خدمت گار رہا تھا اور بعدازاں فاتح کے دربار میں خدمات انجام دینے لگا تھا۔ جب فاتح نے مصطفیٰ کے فوت ہونے کی خبر سنی تو وہ انتہائی غمزدہ ہو گیا اور تین دن رات روتا رہا۔ اینجیولیلو لکھتا ہے کہ ''پورا شہر آہ وزاری کی آوازوں سے معمور ہو گیا تھا کیونکہ مصطفیٰ اپنے باپ کا بالخصوص اور ان سب لوگوں کا، جن کا اس کے ساتھ کوئی نہ کوئی تعلق رہا تھا، محبوب تھا۔''

ایسا لگتا تھا کہ اس المیے نے فاتح کے دل میں محمود پاشا کے لیے نفرت پیدا کر دی تھی کیونکہ وہ اُسے اپنے بیٹے کی موت کا ذمہ دار تصور کرتا تھا۔ برصہ میں مسجدِ مرادیہ میں مصطفیٰ کے دفنائے جانے کے بعد فاتح نے حکم دیا کہ اس کے سابق وزیرِ اعظم کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ ترک شاعر کہتا ہے کہ سلطان نے اپنے اس اقدام کا یہ جواز پیش کیا تھا کہ ''مصطفیٰ کے دشمن کا زندہ رہنا ناممکن ہے''۔ 18 / جولائی 1474ء کو سنان بے نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ کمان کی تانت سے گلا گھونٹ کر محمود پاشا کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ دوسرے دن اسے دوسری پہاڑی پر اس کی مسجد والی تربت میں دفنا دیا گیا۔ اس علاقے کو، جہاں وہ تربت واقع ہے، آج بھی محمود پاشا کہا جاتا ہے۔ فاتح کی پیچیدہ شخصیت کا انکشاف اس امر سے ہوتا ہے کہ اس نے اعلان کیا تھا کہ محمود پاشا کے دفنائے جانے کے دن کو یوم سوگ ہونا چاہیے۔

فاتح نے 1479ء کا پورا سال اپنے نئے محل توپ کاپی میں گزارا۔ اس موسمِ گرما میں اس نے اپنے پوتے، مستقبل کے سلطان سلیم اوّل کے ختنہ کی تقریب کے لیے دعوت نامے بھیجے اس نے جن سربراہانِ مملکت کو دعوت دی ان میں وینس کا سربراہ گیووانی موسینیگو بھی تھا، جس نے شائستگی کے ساتھ دعوت کو قبول نہیں کیا تھا۔ فاتح نے اس سے یہ بھی کہا تھا کہ وہ کسی ''اچھے مصور'' کو بھی بھیجے۔ وینس کی سینیٹ نے جینٹائل بیلینی کو منتخب کیا، جو اس برس ستمبر میں استنبول پہنچا اور جنوری 1481ء کے وسط تک وہیں رہا۔ بیلینی نے سلطان محمد فاتح کا وہ مشہور پورٹریٹ بنایا جو کہ اب نیشنل گیلری لندن میں موجود ہے۔ اس پورٹریٹ پر درج عبارت کے مطابق اسے 25 / نومبر 1480ء کو مکمل کیا گیا۔ انجیولیلو کے بقول بیلینی نے توپ کاپی سرائے میں سلطان کے کمروں کو بھی شہوت انگیز تصویروں سے سجایا تھا۔ انجیولیلو اس زمانے میں سلطان کے دربار میں تھا، جب بیلینی وہاں آیا تھا۔ اس نے سلطان کا جو حلیہ بیان کیا ہے وہ بیلینی والے پورٹریٹ سے عین مشابہہ ہے:

''شہنشاہ محمد کا قد درمیانہ تھا۔ وہ موٹا تازہ آدمی تھا۔ اس کی پیشانی چوڑی، گھنی

بھنوؤں والی بڑی بڑی آنکھیں' لمبی ناک' تنگ منہ' گول گھنی سرخی مائل ڈاڑھی' چھوٹی اور موٹی گردن' زرد جلد' اونچے کندھے اور آواز گرجدار تھی۔ اسے گنٹھیا کا مرض لاحق تھا۔"

## کثرتِ گناہ کا نتیجہ

فرانسیسی سفارت کار فلپ ڈی کومینس نے بھی اپنی یادداشتوں میں فاتح کا حلیہ بیان کیا ہے۔ کومینس نے فاتح کو گزری صدی کے عظیم ترین حکمرانوں میں لوئی XI اور ہنگری کے میتھیاس کورونیس کا ہم پلہ قرار دیا تھا۔ تاہم اس کے بقول سلطان محمد فاتح بدکاریوں میں بہت زیادہ ملوث تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ کوئی ایسی برائی نہیں تھی جو اس میں موجود نہ ہو۔ کثرتِ گناہ کی وجہ سے ہی وہ گھنٹیا اور دوسری بیماریوں کا شکار ہوگیا تھا۔

فاتح کی ٹانگ اب بہت زیادہ سوج گئی تھی۔ سوجن پہلے پہل 1480ء میں نمودار ہوئی تھی۔ اس کے معالجوں میں سے کوئی بھی نہ تو اس کی بیماری کو سمجھ سکا اور نہ علاج کر سکا۔ وہ سب اسے سلطان کی بے پناہ عیاشی کی الوہی سزا تصور کرتے تھے۔ کومینس بتاتا ہے کہ سلطان کی بیماری نے اسے محل تک ہی محدود کر کے رکھ دیا تھا' کیونکہ وہ اپنے آپ کو اس حالت میں عوام کے سامنے لانے سے کراہت کرتا تھا:

> "جن لوگوں نے اُسے دیکھا تھا' انہوں نے مجھے بتایا کہ اس کی ٹانگیں بری طرح سوج گئی ہیں۔ موسمِ گرما کے آنے پر ٹانگیں اتنی زیادہ سوج گئیں' جتنا کہ کسی آدمی کا جسم ہوتا ہے۔ اب وہ کھل بھی نہیں سکتی تھیں۔ پھر سوجن ختم ہوگئی۔ کوئی معالج بھی یہ نہیں بتا پایا کہ یہ تھا کیا' تاہم کہا گیا کہ یہ اس کی بہت زیادہ عیاشیوں کا نتیجہ اور الوہی سزا تھی۔ وہ اپنے محل میں الگ تھلگ مقیم رہتا اور کسی کو بھی اپنا آپ دیکھنے کی اجازت نہیں دیتا تھا مبادا اس کی رعایا اور دشمنوں کو اس کی ابتر حالت کا علم ہو اور دشمن اس کی تذلیل کریں۔"

فاتح کی اپنی زندگی کے آخری برسوں میں الگ تھلگ رہنے کی خواہش شاہی تقریبات اور ان کے نظم و ضبط سے متعلق قوانین کے مجموعے "قانون نامہ" سے عیاں ہوئی۔ فاتح نے ایک نئے قانون کے ذریعے ناؤنوش کی ان محفلوں کا سلسلہ ختم کر دیا' جو وہ ہفتے میں چار مرتبہ شاہی کونسل کے اجلاسوں کے بعد اپنے وزیروں کے لیے برپا کرتا تھا۔ اس کے بعد صرف

شاہی خاندان کے افراد کو سلطان کے ساتھ کھانے میں شریک ہونے کی اجازت دی گئی۔
''میرا حکم ہے کہ میرے خاندان کے افراد کے سوا کوئی فرد میرے ساتھ کھانا نہیں کھائے گا۔ کہا جاتا ہے کہ میرے عظیم آباؤاجداد اپنے وزراء کے ساتھ کھانا کھایا کرتے تھے' میں اس رسم کو یکسر موقوف قرار دیتا ہوں۔''

فاتح نے اپنی خراب صحت کے باوجود 1480ء میں دو مہمات کا آغاز کیا۔ اس نے 1481ء کے موسم بہار کے آغاز میں مصر پر حملہ کرنے کی تیاریاں شروع کروائیں۔ اس کا مصمم ارادہ تھا کہ اس حملے میں وہ خود فوج کی قیادت کرے گا۔ وزیر اعظم کرمانلی محمد پاشا کو حکم دیا گیا کہ استنبول کی ایشیائی مضافاتی بستی اسکودر میں فوج کو اکٹھا کرے۔

## سلطان محمد فاتح کی وفات

فاتح نے 25 اپریل کو اسکودر جانے کے لیے باسفورس کو عبور کیا اور اسی روز فوج کی پیش قدمی شروع ہوگئی۔ گیبزے کے نزدیک نکومیڈیا کی خلیج پر رک جانا پڑا کیونکہ فاتح کو اچانک شدید پیٹ درد شروع ہوگیا تھا۔ ایسا لگتا ہے کہ اس کے معالج حمیدالدین اللعری نے اسے غلط دوا دے دی کیونکہ دوا کھاتے ہی اس کی حالت بدتر ہونے لگی تھی۔ اس کے بچپن سے اس کی دیکھ بھال کرنے والے یہودی معالج میسٹر ولیکوپو نے معاملہ سنبھالنے کی کوشش کی' مگر وہ کچھ نہیں کر سکا۔ اگلے روز 3 مئی 1481ء کو سلطان فوت ہوگیا۔

محمد پاشا نے فاتح کی موت کو خفیہ رکھنے کی کوشش کی تاکہ اس کا سرپرست شہزادہ جم اپنے بڑے بھائی بایزید کی عدم آگہی میں تخت نشین ہوجائے۔ فاتح کی موت کے وقت دونوں بھائی اناطولیہ میں صوبائی گورنر تھے۔ بایزید اماسیہ میں اور جم قونیہ میں۔ محمد پاشا نے فاتح کی لاش کو ایک بند گھوڑا گاڑی میں رکھا اور فوجیوں کو یہ بتاتے ہوئے کہ سلطان بیمار ہوگیا ہے' تیزی سے استنبول روانہ ہوگیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے جم کو اطلاع دینے کے لیے ایک قاصد کو بھی روانہ کردیا۔ ینی چری' جو کہ بایزید کے حامی تھے' شک میں مبتلا ہوگئے۔ وہ توپ کاپی سرائے کے سامنے جمع ہوگئے اور مطالبہ کرنے لگے کہ انہیں سلطان کا دیدار کروایا جائے۔ جب سلطان سامنے نہیں آیا تو وہ زبردستی شاہی دروازے سے اندر داخل ہوگئے اور انہیں سلطان کی لاش ملی جس پر وزیر کے ملازم پہرا دے رہے تھے۔ ینی چریوں نے غصے میں آکر محمد پاشا کو قتل کردیا اور اس کے کٹے ہوئے سر کو نیزے پر اٹھا کر شہر کی گلیوں میں گشت کیا۔ اس

دوران وہ ''بایزید زندہ باد'' کے نعرے لگاتے رہے۔

## سلطان بایزید دوم کی تخت نشینی

اسحاق پاشا نے بایزید کو اطلاع دی۔ وہ 20 مئی کو استنبول پہنچا۔ ینی چریوں نے اس کا پرجوش خیر مقدم کیا۔ اسحاق پاشا اور ینی چریوں کے کماندار سنان آغا نے بایزید کی سلطانی کا اعلان کیا اور اس کی کمر سے عثمان کی تلوار باندھ دی گئی۔ اگلے دن نئے سلطان بایزید دوم نے عمائدین سلطنت کے ساتھ جامعہ فاتح میں اس کے تعمیر کروائے ہوئے مقبرے میں دفنا دیا۔ اس کی قیادت میں بیس ہزار سوگوار، جن میں دو ہزار درویش بھی شامل تھے، شب بھر مرحوم سلطان کی روح کے ایصالِ ثواب کے لیے عبادت کرتے رہے۔

وینس کے سفیر نکولوکو نے اپنے آقا گیووانی میسینگو کو فاتح کی موت کی اطلاع بھیجی۔ قاصد 19 مئی کو وینس پہنچا۔ گیووانی ریاستی کونسل کے ساتھ اجلاس کر رہا تھا۔ جونہی اس نے فاتح کی وفات کی خبر سنی وہ ہال میں سب کے سامنے بیساختہ رونے لگا اور بولا: ''عظیم شاہین مر گیا!'' دو صدی سے بھی زیادہ عرصے بعد گیووانی سگریڈو نے اس واقعے کے حوالے سے لکھا: ''اٹلی اور عیسائی دنیا کی خوش قسمتی ہے کہ موت نے اس وحشی کا راستہ روک لیا۔'' اس کی وفات کے زمانے میں وینس کے حکمران نے قاصد بھیج کر روم میں پوپ سکسٹس IV کو اطلاع دی، جس نے لوگوں کو آگاہ کرنے کے لیے توپیں چلوائیں اور چرچ کی گھنٹیاں بجوائیں۔ اس کے بعد سانتا ماریا ڈیل پوپولو گرجا گھر میں ایک پروقار تقریب ہوئی، جس میں پادریوں کے کالج کے عملے اور طلباء نیز تمام سفیروں نے شرکت کی۔ رات ہوئی تو شہر کے تمام گرجا گھروں میں شکرانے کی عبادتیں ہوئیں اور آتش بازی کا مظاہرہ کیا گیا۔ جب عظیم ترک کے دنیا سے گزر جانے کی خبریں پورے اٹلی اور شمالی یورپ میں پہنچیں تو وہاں بھی اسی طرح شکرانے کی عبادتیں ہوئیں اور خوشیاں منائی گئیں۔

موت کے وقت فاتح کی عمر انچاس برس تھی۔ اس نے اپنے والد کی وفات کے بعد تیس سال تک حکومت کی۔ اپنی حکومت کا بیشتر زمانہ اس نے جنگ میں گزار دیا۔ فاتح کے سیکرٹری ترسن بے نے اپنے آقا کی سوانح عمری لکھی۔ اس نے لکھا: ''فاتح نے قسطنطنیہ کی یادگار فتح کے علاوہ دشمنوں کے بیس سے زیادہ شہر فتح کیے۔''

توپ کاپی سرائے کی فصیل اور دروازوں کے علاوہ فاتح کی تعمیر کروائی ہوئی ایک

عمارت ”چینیلی کوشک“ بغیر کسی تبدیلی کے آج بھی موجود ہے۔ اس کی تعمیر 1472ء میں مکمل ہوئی تھی۔ یہ کوشک' جو ایرانی طرز پر بنایا گیا تھا' توپ کاپی سرائے کے دوسرے صحن کے نیچے ایک دالان کی مغربی سمت ہے۔ اس کے بنانے کا مقصد یہ تھا کہ سلطان محل کے ملازموں کو دالان میں ”جیریت“ نامی کھیل کھیلتے دیکھ سکے۔ اس کھیل میں گھڑسوار ایک دوسرے کو تیروں کا نشانہ بنانے کی کوشش کرتے تھے۔ ایک وقائع نگار نے بتایا کہ وہ کس طرح اپنے ملازموں کو مصنوعی جنگ لڑتے دیکھ کر محظوظ ہوتا تھا۔ اس کے چڑیا گھر سے جانوروں کو لاکر اسے دکھایا جاتا تھا۔ وہ شیروں کے کرتب دیکھنے میں خاص طور پر دلچسپی لیا کرتا تھا۔ کئی شاعروں نے اس کوشک کی تعریف میں نظمیں لکھی تھیں۔ انہوں نے لکھا تھا کہ کس طرح سلطان ستاروں تلے اپنے خادموں کے ساتھ مے نوشی کرتا ہے اور کس طرح اپنے حرم کی عورتوں کے ساتھ راتیں گزارتا ہے۔ سلطان محمد فاتح نے اپنے آخری ایام اسی کوشک ”دارالسعادت“ میں گزارے تھے۔

## تیسرا باب

# دارالسعادت

### سلطان بایزید دوم

جب بایزید دوم تخت نشیں ہوا' اس کی عمر تینتیس برس تھی۔ وہ اپنے جنگجو باپ سے بہت مختلف تھا۔ وہ فوجی مہمات کی صعوبتوں اور خطرات پر توپ کاپی سرائے میں شاہی رہائش گاہ کے سکون کو ترجیح دیتا تھا۔ بایزید کی رعایا اُسے صوفی کہا کرتی تھی' جبکہ جدید دور کے مغربی مؤرخ اسے ''کاہل سلطان'' کہتے ہیں۔

تخت نشینی کے وقت بایزید کی بیرنجی کا دن یعنی پہلی بیوی شیریں تھی۔ وہ سلطان کے پہلے بیٹے عبداللہ کی ماں تھی۔ جب عبداللہ 1483ء میں فوت ہو گیا تو پہلی بیوی کا خطاب بایزید کے دوسرے بیٹے احمد کی ماں بلبل کو مل گیا۔ شہزادہ احمد کو بایزید نے اپنا ولی عہد بنا دیا۔ عبداللہ اور احمد کے علاوہ بایزید کے چھ بیٹے تھے' جن میں اس کا جانشین بننے والا سلیم اول بھی تھا۔ ان سب کی مائیں مختلف تھیں۔ سلیم کی ماں کا نام عائشہ خاتون تھا۔ وہ ایک دولکیدریلی امیر علاء الدولہ بوزکرت کی بیٹی تھی۔ بایزید کی پندرہ بیٹیاں بھی تھیں' جن کی ماؤں کو صرف اسی وقت کسی نام سے جانا جاتا جب وہ بیٹے کو جنم دیتیں۔

بایزید کو اپنی تخت نشینی کے پہلے برس اپنے بھائی جم کے ساتھ جانشینی کی جنگ لڑنا پڑی' جس نے اپنے آپ کو اناطولیہ کا سلطان قرار دے لیا تھا اور برصہ میں اپنی حامی فوج اکٹھی کر لی تھی۔ بایزید نے اُسے شکست دے دی اور جم رہوڈز فرار ہو گیا' جہاں سینٹ جان کے نائٹس (Knights) نے اُسے پناہ دی۔ یوں اس کی جلاوطنی شروع ہوئی جو 25 فروری 1495ء کو اس کی موت تک جاری رہی۔ چار سال بعد بایزید نے اُسے برصہ میں دفنانے کا

انتظام کیا' جہاں اُسے ''مرادیہ'' میں اپنے دادا مراد دوم کے پہلو میں دفنایا گیا۔ سترہویں صدی کے ترک وقائع نگار اولیا چلپی نے اپنی کتاب ''سیاحت نامہ'' میں جم کی تدفین کے حوالے سے ایک عجیب وغریب کہانی بیان کی ہے:

''جم کی لاش کے ساتھ درج ذیل اشیاء آئیں۔ ان اشیا میں ایک جادوئی پیالہ تھا' جو پیالہ بردار کے ہاتھوں میں آتے ہی لبالب بھر گیا۔ اس کے علاوہ ایک سفید طوطا' شطرنج کھیلنے والا ایک بندر اور کئی ہزار شاندار کتابیں بھی سلطان کے حوالے کی گئیں...... بایزید نے حکم دیا کہ جم کی باقیات کو برصہ میں اس کے دادا مراد دوم کے پہلو میں دفنایا جائے۔ جب وہ قبر کھود رہے تھے تو قبرستان میں اتنی خوفناک آوازیں گونجنے لگیں کہ وہ لوگ وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے مگر ان میں سے کوئی ایک آدمی بھی دہلیز پار نہیں کر سکا۔ اسی طرح دس دن گزر گئے۔ تب سلطان کو اس واقعے کی اطلاع دی گئی۔ جم کا مقبرہ اس کے دادا کے مقبرے کے نزدیک بنایا گیا۔''

جم کی بغاوت کو فرو کرنے کے بعد بایزید ورثے میں حاصل ہونے والی سلطنت کو مضبوط و مستحکم بنانے میں مصروف ہو گیا۔ اس نے تجارت کو ترقی دینے کی کوششیں شروع کیں۔ اس نے 6-1501ء کے درمیان استنبول کی تیسری پہاڑی پر ایک شاہی مسجد تعمیر کروائی۔ اس مسجد کا نام ''بایزیدیہ'' ہے۔

بایزید نے فوجی معاملات کو یکے بعد دیگرے مختلف وزرائے اعظم پر چھوڑ دیا اور خود توپ کاپی سرائے میں آرام وسکون سے رہنے لگا۔ اس نے اپنی حکومت کا آخری عشرہ محل کی دیواروں کے پیچھے خلوت میں گزار دیا۔ رچرڈ نولز نے 1610ء میں شائع ہونے والی اپنی کتاب The Lives Of The Othoman Kings And Emperors میں بایزید کی حکومت کے اس عرصے کا احوال یوں بیان کیا ہے:

''کافی پریشانیوں اور صعوبتوں پر حاوی آ کر بایزید نے اپنی زندگی کو ایک پرسکون راستے پر ڈالا۔ وہ اپنا زیادہ تر وقت فلسفے کے مطالعے اور علماء وفضلاء کے ساتھ بحث ومباحثے میں گزارتا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کے فطری مزاج کا خاصہ جنگ پسندی کی بجائے امن پسندی تھا۔ تاہم ریاست کے حالات کے پیشِ نظر اور اپنے جنگجوؤں کی مخلصانہ خواہش کے تحت اُسے بہ امر مجبوری میدانِ جنگ میں اترنا پڑا۔''

جب فاتح نے اپنا محل تعمیر کروایا تھا تو سنہری خلیج سے لے کر بحیرۂ مرمر تک تقریباً

ڈیڑھ میل لمبی فصیل بنوائی۔ یہ فصیل بازنطینی وسطی عہد کی سنہری خلیج سے لے کر بحیرۂ مرمر تک بنائی گئی سمندری فصیل کے ساتھ ساتھ تعمیر کی گئی تھی۔ سمندری فصیل میں مرکزی داخلی راستہ سرائے برونو تھا' جہاں سنہری خلیج' بحیرۂ باسفورس اور بحیرۂ مرمر سے ملتی ہے۔ اس داخلی راستے کو توپ کاپی کہا جاتا تھا' یعنی توپ والا دوازہ۔ اس نام کی وجہ یہ تھی کہ اس دوراازے کے اوپر ایک توپ نصب کی گئی تھی۔ آگے چل کر خود محل کو اسی نام سے موسوم کر دیا گیا۔

فاتح کی تعمیر کروائی ہوئی فصیل میں اٹھائیس مینار اور تین پھاٹک تھے' صدر دروازہ بابِ ہمایوں کہلاتا تھا۔ ڈیوڑھی میں بنے ہوئے کمرے محافظوں کے لیے تھے۔ بیک وقت پچاس پچاس ملازم ہمہ وقت اپنے فرائض انجام دیا کرتے تھے۔ بابِ ہمایوں توپ کاپی سرائے کے پہلے صحن میں کھلتا تھا۔ یہ علاقہ فاتح کے دور سے پہلے داخلی طور پر بے دیوار تھا۔ گیٹ کے اندر بائیں طرف بازنطینی دور کا آئرین گرجا گھر تھا۔ ایا آئرین کے پرلی طرف واقع وسیع و عریض عمارت توپ کاپی سرائے کی بیرونی خزانہ گاہ تھی۔ اس صحن کے اردگرد موجود دوسری عمارتوں میں ذخیرہ گاہیں' کارگاہیں' محل کا باورچی خانہ' ہسپتال' محل کی آبی ذخیرہ گاہ' بیت الخلاء' دستکاروں اور خدمت گاروں کے لیے بیرکیں اور ایک چھوٹی سی مسجد شامل تھی۔ اب ان میں سے کوئی بھی باقی نہیں بچی۔ بیرکوں میں جو خدمت گار رہتے تھے وہ بیرونی خدمات بجالانے پر مامور تھے' داخلی خدمات کی بجا آوری ان کے ذمہ نہیں تھی۔

اس صحن کی مغربی سمت ایک دروازہ تھا' جو چینیلی کوشک اور گلہان پارک کی طرف کھلتا تھا۔ گلہان پارک پہلے توپ کاپی سرائے کے زیریں باغ تھے مگر بعدازاں انہیں سنہری خلیج اور بحیرۂ مرمر کے ساحلوں تک توسیع دے دی گئی تھی۔ ان باغات میں پہلے پہل فاتح نے اپنے ہاتھوں سے شجرکاری کی تھی۔ توپ کاپی سرائے چار صدیوں تک عثمانی خاندان کی شاہی رہائش گاہ کے طور پر استعمال کیا گیا اور ان چار صدیوں میں اس کے باغات کی بھرپور نگہداشت کی جاتی رہی۔

صحن کی دائیں طرف ایک سڑک تھی' جو ان میدانوں تک جاتی تھی' جن میں محل کے کم عمر خادم جیریت کھیلتے' تیراندازی کرتے اور دوسرے کھیل کھیلتے تھے۔ وہ سلطان کی شکاری مہمات میں حصہ بھی لیا کرتے تھے۔ اس سڑک کے بالائی سرے پر بائیں طرف محل کا چڑیا گھر تھا۔ سیاحوں نے بتایا ہے کہ اس چڑیا گھر میں ہاتھی' زرافے' شیر' چیتے' ریچھ' ہرن' جنگلی سؤر اور بکریاں موجود تھیں۔ سولھویں صدی کے ترک وقائع نگار نعمان کے بقول تقریبات کے ایام

میں ''شان وشوکت کے اظہار کے لیے'' ہاتھیوں اور زرافوں کی نمائش ہوا کرتی تھی۔ مقدس رومی شہنشاہ فرڈیننڈ اول کے دو سفیروں نے 1530ء میں بتایا کہ انہوں نے ''سونے کی زنجیروں میں بندھے ہوئے'' دس شیروں کو اس صحن میں دیکھا کہ جو ''ہولناک انداز میں دہاڑ رہے تھے''۔ فرانسیسی سؤر سلطان کے شکار کے لیے استعمال کیے جاتے تھے۔ یہ شکار سلطان محل کے میدانوں میں کھیلا کرتا تھا۔ وہ ان جنگلی سؤروں کو شکار کے دوران اپنے عیسائی دشمنوں کے نام دیا کرتا تھا:

''اس نے ہر جنگلی سؤر کو اپنے دشمنوں کے ناموں سے موسوم کر رکھا ہے
مثلاً سپین کے بادشاہ، جسے وہ سپین کا سینور کہا کرتا تھا، ڈیوک فلورینس،
مالٹا کے آقائے اعظم اور اسی طرح دوسروں کے نام۔''

محل کا ''چڑیا خانہ'' (Aviary) فصیل کے ساتھ ہی بحیرۂ مرمر کے ساحل پر زیریں باغات کے جنوب مشرقی کونے میں تھا۔ اس چڑیا خانے میں جو راج ہنس رکھے گئے تھے، ان کے پر ان تیروں میں استعمال ہوتے تھے، جنہیں سلطان شکار میں استعمال کرتا تھا۔ سولہویں صدی کا آرمینیائی وقائع نگار ارمیا چلیبی لکھتا ہے کہ ساحل پر چڑیا خانے کے شمال میں ایک شاہی کوشک تھا جسے ''قصرِ بالاخانہ'' کہا جاتا تھا۔ محل کے میدانوں کی طرف سے اس میں داخل ہونے کے لیے ایک چھوٹا پھاٹک تھا، جسے بالاخانہ کاپیسی کہا جاتا تھا۔ محل کے ماہی گیروں کا سربراہ یہاں رہتا تھا۔ سلطان اکثر ماہی گیروں کو جال کے ذریعے مچھلیاں پکڑتا دیکھنے آیا کرتا تھا، جو بعد میں شاہی دسترخوان کی زینت بن جاتی تھیں۔

بحیرۂ مرمر اور سنہری خلیج کے ساحلوں پر دوسرے شاہی کوشک بھی تھے، جن میں سے ایک کو بایزید دوم نے تعمیر کروایا۔ اس کا نام یالی کوشک یعنی ساحلی محل تھا۔ اسے گلاتا کے پار سنہری خلیج کے ساحل پر تعمیر کیا گیا تھا۔ اس کوشک کو اس لیے تعمیر کیا گیا تھا تاکہ بایزید یہاں سے اپنے بحری بیڑے کو مہم پر روانہ ہوتے دیکھ سکے۔ سولہویں صدی میں اسے دو مرتبہ دوبارہ تعمیر کیا گیا۔ ایک مرتبہ بایزید نے ایک عورت کی لاش کوشک کے سامنے سے گزرتی ہوئی دیکھی۔ اس نے معاملے کی چھان بین کے احکامات جاری کر دیئے۔ اس عورت کے شوہر کو گرفتار کر لیا گیا۔ تاہم اس نے ثابت کر دیا کہ اس کی بیوی نے ایک ایسے مرتبان سے شہد کھا لیا تھا جس میں ایک زہریلا سانپ چھپا ہوا تھا۔ یوں وہ سلطان کے غضب سے بچ گیا۔

پہلے صحن کے آخری سرے پر واقع پھاٹک کا نام باب السلام تھا۔ اسے عمومی طور پر اورتا

کاپی یعنی وسطی دروازہ کہا جاتا تھا۔ یہ داخلی محل کی گزرگاہ تھی۔ اس کے بعد ہر شخص کو پاپیادہ ہو جانا پڑتا تھا۔ اس مقام سے آگے صرف سلطان گھوڑے پر سوار ہو کر جا سکتا تھا۔ پھاٹک کے پار چار دیواری کے اندر ''جلاد کا فوارہ'' تھا' جہاں جلاد کسی کا سر قلم کرنے کے بعد اپنے ہاتھ اور تلوار دھویا کرتا تھا۔ پھاٹک کے دونوں طرف دو طاق تھے' جنہیں ''سنگِ مثال'' (Example Stone) کہا جاتا تھا' کیونکہ ان میں معزز مجرموں کے کٹے ہوئے سر رکھے جاتے تھے۔ بعض اوقات کسی سر کو سلاخ میں لگا کر پھاٹک کے اوپر نصب کر دیا جاتا تھا۔ جیسا کہ سولہویں صدی کے کسی گمنام سیاح نے بیان کیا ہے' اس نے غلطی سے اس پھاٹک کو ''باب السعادت'' قرار دیا ہے:

> ''جب تمہیں حرم سرا (سیرالیو) میں جانا ہو تو تمہیں ایک ایسے دروازے سے گزرنا ہوتا ہے جس پر اوپر سے نیچے تک سونے کے پترے چڑھے ہوئے ہیں۔ اس کو باب السعادت کہا جاتا ہے۔ بعض اوقات تم کسی وزیر کا سر ایک سلاخ مین پرویا ہوا' اس کے اوپر نصب دیکھ سکتے ہو' جسے شہنشاہِ معظم کے حکم پر صبح قلم کیا گیا ہوگا۔''

ڈیوڑھی میں بنے ہوئے کمروں میں محافظ اور ان کے سربراہ رہتے تھے۔ پھاٹک کی بائیں طرف والا کمرا جلادوں کے سربراہ کے لیے مخصوص تھا۔ وہ باغبانوں کا بھی سربراہ ہوتا تھا۔ اس کے کمرے کے ساتھ ایک کوٹھڑی میں سزائے موت پانے کے منتظر قیدی رکھے جاتے تھے۔

وسطی دروازہ دوسرے صحن میں کھلتا ہے۔ دوسرا صحن اب بھی کافی حد تک ویسا ہی ہے جیسا کہ فاتح نے اسے بنوایا تھا' انتہائی متناسب و متوازن پُرسکون صحن' جس میں سرو اور بوقیذار کے دلکش درخت اگے ہوئے ہیں۔ کبھی اس کو بہت سے فواروں نے سجایا ہوا تھا اور مدھ بھری آنکھوں والے غزال اٹکھیلیاں کرتے پھرتے تھے۔ اسے دیوان یعنی شاہی کونسل کا صحن بھی کہا جاتا تھا۔ دیوان کے اجلاس دور بائیں کونے میں مینار کے نیچے گنبد والے کمرے میں ہوا کرتے تھے۔ اس صحن کے محیط پر ستونوں کی قطار والی غلام گردشوں کے علاوہ صرف دو عمارتیں ہیں۔ ستونوں کی قطار سے پرے صحن کی دائیں طرف محل کے باورچی خانے تھے' جبکہ بائیں طرف دیواروں کے پرے شاہی اصطبل' ایک مسجد اور نیزہ برداروں کے کمرے تھے۔

دیوان والا صحن سلطنت کے سرکاری کام کو دھوم دھڑکے کے ساتھ نمٹانے کے لیے بنایا گیا تھا۔ یہاں ہفتے میں چار مرتبہ انتظامی معاملات پر گفتگو کرنے اور عدالتی معاملات نمٹانے کے لیے دیوان کے اجلاس ہوا کرتے تھے۔ ایسے مواقع پر صحن میں عالیشان لباس میں

ملبوس سرکاری حکام اور محل کے محافظ اور ینی چری موجود ہوتے تھے۔ عام مواقع پر کم از کم پانچ ہزار افراد موجود ہوتے تھے۔ اور جب کوئی خاص تقریب ہوتی تو دس ہزار سے بھی زیادہ لوگ جمع ہوتے تھے۔ ایسے مواقع پر بھی پورے صحن پر خاموشی چھائی ہوتی تھی۔ یہ ایک ایسی حقیقت تھی، جس پر مشاہدہ کرنے والے غیر ملکیوں نے تبصرے بھی کیے۔ وینس کا سفیر اینڈریا گریٹ' جو بعد ازاں وینس کا حکمراں بنا' 1503ء میں بایزید دوم سے ملنے آیا تو اس نے جو منظر دیکھا' اُسے اس نے درج ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے:

''میں صحن میں داخل ہوا تو میں نے ایک طرف ینی چریوں کو کھڑے اور دوسری طرف اعلیٰ رتبے والے تمام اشخاص اور سلطان کے تنخواہ دار حکام کو کھڑے دیکھا' جو اتنے خاموش اور اتنی خوبصورت ترتیب کے ساتھ کھڑے تھے کہ یہ ایک معجزہ دکھائی دیتا تھا' جس پر کوئی دیکھے بغیر یقین نہیں کرسکتا۔''

''دیوان'' کو یہ نام کم اونچے کاؤچ (دیوان) کی وجہ سے ملا تھا' جو کہ کونسل کے کمرے کی تین اطراف میں رکھے ہوتے تھے۔ وزیرِ اعظم دروازے کی طرف رُخ کر کے کاؤچ کے درمیان میں بیٹھتا جبکہ دیگر وزراء اپنے منصب کے مطابق انتہائی نظم کے ساتھ دونوں اطراف بیٹھتے تھے۔ فاتح اپنے دورِ حکومت کے اولین برسوں میں دیوان کے اجلاسوں میں باقاعدگی سے آیا کرتا تھا۔ تاہم ایک اجلاس میں ایک ناشائستہ دہقان کسی طرح کمرے میں پہنچ گیا اور دیوان کے اراکین سے چلا کر مخاطب ہوا: ''تم معزز لوگوں میں سے سلطان کون ہے؟'' اس واقعے سے سلطان اتنا مشتعل ہوا کہ اس نے دوبارہ کبھی اجلاس میں شرکت نہیں کی۔ اس کی بجائے وہ وزیرِ اعظم کی نشست کے اوپر بنی ہوئی جنگلے دار کھڑکی میں سے اجلاس کی کارروائی ملاحظہ کرتا تھا۔ اس کھڑکی کو ''چشمِ سلطان'' کا نام دیا گیا تھا۔ یہ کھڑکی دیوان کے مینار کے نیچے کمرے میں بنی ہوئی تھی۔ یہ مینار توپ کاپی سرائے کا ایک امتیازی حصہ تھا۔ حرم کا صدر دروازہ دیوان کے کمرے کے ساتھ مینار کے نیچے واقع تھا' اسے گھوڑا گاڑی والا دروازہ کہا جاتا تھا۔ اس نام کی وجہ یہ تھی کہ حرم کی عورتیں محل سے شاذ ونادر ہی باہر جاتی تھیں اور ایسے مواقع پر وہ ایک پردوں والی گھوڑا گاڑی میں بیٹھ کر اس دروازے سے گزرا کرتی تھیں۔

دوسرے صحن کی مشرقی غلام گردش کے تین دروازوں سے پرے پورے علاقے کی لمبائی کے برابر ایک تنگ طویل صحن تھا۔ محل کے باورچی خانے اس صحن کی مشرقی سمت تھے۔ مغربی طرف ذخیرہ گاہیں اور عملے کے لیے مسجد تھی۔ باورچی خانوں کا اولین تذکرہ گیووانتو نیو

میناوینو نے کیا ہے۔ وہ جنیوا کا باشندہ تھا۔ قزاقوں نے اُسے پکڑ کر بایزید کو غلام کے طور پر بیچ دیا تھا۔ اس کے بعد اس نے ملازم کی حیثیت سے توپ کاپی سرائے میں 1505ء سے لے کر 1514ء تک خدمات انجام دیں۔ میناوینو کے بقول بایزید کے زمانے میں باورچی خانوں کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ ایک حصہ سلطان کے لیے اور دوسرا محل کے دیگر مکینوں اور دیوان کے اجلاسوں میں شرکت کرنے والوں کے لیے۔ باورچی خانوں میں ایک سو ساٹھ باورچی اور دیگر ملازم کام کرتے تھے۔ بایزید کے دورِ حکومت کے بعد کی ایک صدی میں باورچی خانے کے عملے کی تعداد میں اس وقت قابلِ لحاظ اضافہ ہو گیا' جب محل کے مکینوں کی تعداد عروج پر پہنچ گئی تھی۔ سولہویں صدی میں صرف میٹھے پکوان تیار کرنے والوں کی تعداد چھ سو تھی۔ یہ باورچی خانے کے دوسرے عملے سے الگ شعبے میں کام کرتے تھے اور ایک لمبی سفید ٹوپی پہنتے تھے۔ 1629ء سے لے کر 1637ء تک فرانسیسی سفارت خانے میں کام کرنے والے ژاں بپٹسٹ ٹیورنیئر نے مٹھائیاں بنانے والوں کی مراعاتی حیثیت اور اس حیثیت سے ان کے ناجائز فائدہ اٹھانے کا حال بیان کیا ہے:

> ''چونکہ صرف انہیں حرم سرا (سیرالیو) میں آنے جانے کی آزادی ہے' اس لیے وہ جو شے خرید کر لاتے ہیں اس کی دگنی قیمت وصول کرتے ہیں۔ تاہم وہ سب سے زیادہ نفع کم عمر لڑکیوں کی رسوا کن تجارت سے کماتے ہیں' جنہیں وہ اپنے آقاؤں کے لیے لاتے ہیں اور جنہیں وہ چالاکی کے ساتھ ہسپتال میں متعین کروا لیتے ہیں اور اس کے بعد وہ انہیں اپنی جیسی عادتوں میں مبتلا کر دیتے ہیں۔''

عمومی طور پر شاہی باورچی خانے دن میں دو مرتبہ کھانے تیار کیا کرتے تھے تاہم موسمِ گرما میں سلطان اور اس کے حرم کی عورتوں کے لیے رات کو عشائیہ تیار کیا جاتا تھا۔ سلطان اور اس کے حرم کی عورتیں عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد کھانا کھایا کرتے تھے' عموماً سورج غروب ہونے کے دو گھنٹے بعد۔ کھانے کے دوران سلطان کے کھانے کے کمرے اور باورچی خانے تک تقریباً دو سو خادم دو قطاروں میں کھڑے ہوتے تھے۔ ایک قطار کے خادم تازہ تازہ تیار شدہ پکوان کھانے کے کمرے تک پہنچانے پر اور دوسری قطار کے خادم خالی برتن واپس پہنچانے پر مامور ہوتے تھے۔

دوسرے صحن کے آخری سرے پر واقع دروازے باب السعادت کے ذریعے

تیسرے صحن میں داخل ہوا جاتا تھا۔ یہ دروازہ درونِ محل کے انتہائی پرائیویٹ اور رہائشی علاقوں کی طرف کھلتا تھا۔ درونِ محل بالکل الگ تھلگ دارالسعادت تھا۔ اس دروازے پر سفید فام خواجہ سرا پہرا دیا کرتے تھے۔ ان محافظوں کے سربراہ کو "کاپی آغاسی" کہا جاتا تھا۔ سلطان تاج پوشی کے وقت باب السعادت کے سامنے ایک چھتر تلے تخت پر جلوہ آرا ہوا کرتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ عید کی تقریبات کے موقع پر باب السعادت کے سامنے تخت پر بیٹھے ہوئے اپنی رعایا اور حکام کی طرف سے پیش کیے جانے والے نذرانے قبول کرتا تھا۔ اس منظر کو بہت سی تصویروں (Paintings) میں دکھایا گیا ہے۔ باب السعادت سے صرف وہ غیر ملکی اندر جا سکتے تھے' جو اپنے ملکوں کے سفیر ہوتے۔ سلطان انہیں اس کمرۂ ملاقات میں شرف باریابی بخشتا تھا جو اس دروازے کے ساتھ بنایا گیا تھا۔

تیسرے صحن میں تعمیر کی گئیں بیشتر عمارات محل کے سکول کی تھیں۔ اس سکول کو سلطان محمد فاتح نے قائم کیا تھا تاکہ ہونہار لڑکوں کو عثمانی فوج اور انتظامیہ کے لیے تربیت دی جائے۔ اس سکول میں ترک لڑکوں کے علاوہ ان کم عمر نومسلموں کو بھی تربیت دی جاتی تھی' جو کہ فتوحات کے بعد جنگی قیدی کے طور پر یہاں لائے جاتے تھے اور جنہوں نے اسلام قبول کر لیا ہوتا تھا۔ ابتدائی صدیوں میں عثمانی ریاست کی شاندار کارکردگی کا انحصار بہت حد تک اس محل والے سکول کی اعلیٰ تربیت پر رہا۔ اس سکول سے فارغ التحصیل ہونے والے نوجوان سلطنت کے اعلیٰ ترین مناصب پر پہنچے۔ ان میں سے بہت سے وزیرِاعظم کے منصب پر بھی پہنچنے میں کامیاب ہوئے۔ سلطان بایزید دوم نے اس سکول میں بے انتہا دلچسپی لی اور اس کی ایک شاخ پیرا میں "گلاتا سرائے" کے نام سے کھولی۔

محل کے سکول میں پڑھنے والے لڑکوں کی نگہداشت اور نگرانی سفید فام خواجہ سراؤں کے ذمے ہوتی تھی' جن کا سربراہ "کاپی آغاسی" ہوتا تھا۔ سولہویں صدی کے آخری پچیس برسوں تک سفید فام خواجہ سراؤں کا سربراہ درونِ محل کا سب سے زیادہ بااختیار اور طاقتور شاہی افسر ہوتا تھا۔ تاہم اس کے بعد سیاہ فام خواجہ سراؤں کا سربراہ زیادہ اہمیت حاصل کر گیا۔ سیاہ فام خواجہ سراؤں کے سربراہ کو "کزلر آغاسی" یعنی "لڑکیوں کا آغا" کہا جاتا تھا۔ یہ تبدیلی حرم میں بہت زیادہ توسیع ہونے اور اس کی اہمیت میں اضافے کے بعد رونما ہوئی تھی۔ حرم کی عورتوں کی حفاظت سیاہ فام خواجہ سراؤں کی ذمہ داری تھی۔

صحن کے جنوب مغربی کونے میں ایک مسجد تھی' جسے "جامعۂ آغالر" یعنی "آغاؤں کی

مسجد'' کہا جاتا تھا۔ اس مسجد میں سفید فام خواجہ سرا اور اس کے ماتحت نماز ادا کرتے تھے۔ اس مسجد میں حرم سے بھی داخل ہوا جا سکتا تھا۔ سلطان اور اس کے پسندیدہ افراد نیز والدۂ سلطان اور سیاہ فام خواجہ سراؤں کے لیے مختص حصے پر پردے پڑے ہوتے تھے۔

صحن کے جنوب مغربی کونے میں ایک دروازہ تھا۔ اس کو کشانہ کاپیسی یعنی چڑیا خانے والا دروازہ کہا جاتا تھا۔ یہ دروازہ حرم میں کھلتا تھا۔ حرم میں داخل ہونے کے صرف یہی دو راستے تھے: چڑیا گھر والا دروازہ اور گھوڑا گاڑی والا دروازہ۔ اس کے علاوہ محل کے مردان خانے ''سلام لیک'' سے ایک خفیہ راستہ حرم کو جاتا تھا' جسے صرف سلطان استعمال کیا کرتا تھا۔ حرم دوسرے اور تیسرے صحن کے مغربی علاقے اور دیوان کے مینار سے آغاؤں کی مسجد تک محیط تھا۔ ''سلام لیک'' وہاں سے محل کے شمالی سرے اور چوتھے صحن تک محیط تھا۔ شمالی صحن دراصل ایک باغ تھا' جس میں متعدد کوشک تعمیر کیے گئے تھے۔ حرم اور سلام لیک کی عمارتیں حقیقتاً استنبول کی فتح کے سو سال بعد تعمیر ہوئی تھیں کیونکہ فاتح اور اس کے فوری بعد آنے والے اس کے جانشینوں کی چند ایک عورتیں ہی تھیں اور وہ پرانے محل میں ہی رہتے تھے۔ پرانے محل میں صرف سلطان کی بیویاں اور کنیزیں ہی رہتی تھیں۔ ان کے علاوہ ان بیویوں اور کنیزوں کی ان گنت خادمائیں ہوا کرتی تھیں۔ سفیر لاکوموکونٹارینی 1507ء میں بایزید دوم کے حرم کے حوالے سے بتاتا ہے: ''حرم سرا کے اندر سلطان کے گھرانے کی حفاظت پر چار آغا (خواجہ سرا) متعین تھے۔ سلطان کے گھرانے میں تین سو افراد تھے' جن میں اسی لڑکے تھے اور باقی عورتیں تھیں''۔ کونٹارینی لکھتا ہے کہ بایزید وقتاً فوقتاً پرانے محل میں عورتوں سے ملنے آتا تھا۔ بایزید کی ماں گلبہار نے اپنی زندگی کے آخری پانچ سال پرانے محل میں بسر کیے' جہاں سے اس نے اپنے بیٹے کو بڑے غمناک خطوط لکھے:

''اے میرے نصیب کے ستارے! میں تمہیں بہت یاد کرتی ہوں۔ اگرچہ تم تو مجھے یاد نہیں کرتے ہو' پھر بھی میں تمہیں ہر لحہ یاد کرتی رہتی ہوں...... آؤ اور مجھے اپنا چہرا تو دکھا جاؤ۔ میرے پیارے بیٹے اگر تم جنگ پر روانہ ہونے والے ہو تو کم از کم ایک مرتبہ مجھے ملنے آ جاؤ تاکہ میں تمہارے جانے سے پہلے تمہارا خوش بخت چہرا ہی دیکھ سکوں۔ تمہیں دیکھے ہوئے چالیس دن گزر چکے ہیں۔ میرے سلطان ازراہ مہربانی میری جسارت کو معاف کر دینا۔ تمہارے علاوہ میرا ہے ہی کون؟''

گلبہار ستمبر 1486ء میں فوت ہو گئی اور وقفۂ ماتم کے بعد بایزید نے اسے اس کے

خاوند سلطان محمد دوم کے پہلو میں جامعۂ فاتح کے باغ میں بنی ہوئی تربت میں دفنا دیا۔ گلبہار کے مقبرے کو فاتح کے مقبرے کے برعکس کبھی عام لوگوں کے لیے نہیں کھولا گیا۔ اس وجہ سے بہت سے کہانیاں بنالی گئیں۔ ایک کہانی کے مطابق گلبہار فرانس کے بادشاہ کی بیٹی تھی۔ بادشاہ نے اُسے شہنشاہ کونسٹینٹین XI ڈریکیسس کی دلہن کے طور پر بھیجا تھا مگر ترکوں نے 1453ء کے قسطنطنیہ کے محاصرے کے دوران اسے گرفتار کر لیا تھا۔ اولیا چلیبی نے اپنے ''سیاحت نامے'' میں اس کہانی کا ایک روپ (Version) پیش کیا ہے جس میں وہ بتاتا ہے کہ گلبہار نے کبھی اسلام قبول نہیں کیا تھا:

''میں نے خود کئی مرتبہ دیکھا ہے کہ قرآن کی تلاوت کرنے والے قاری اس کی قبر کی طرف پشت کر لیتے تھے۔ میں نے اکثر و بیشتر یہ بھی دیکھا کہ فرانسیسیوں نے مقبرے کے دربانوں کو رشوت دے کر دروازہ کھلوایا اور تربت پر دعائیں مانگیں۔ مقبرے کا دروازہ ہمیشہ مقفل رکھا جاتا ہے۔''

پندرہویں صدی کے آخری دس برسوں کے دوران بایزید نے سپین سے نکال دیئے جانے والے یہودیوں کو بڑی تعداد میں پناہ دی۔ ان میں سے بہت سے یہودیوں کو استنبول میں آباد کیا گیا۔ ان یہودیوں نے شہر کی تجارتی ترقی میں بہت اہم کردار ادا کیا۔ متعدد یہودی معالجوں نے توپ کاپی سرائے میں خدمات انجام دیں۔ یہ اس روایت کا تسلسل تھا جو فاتح کے ذاتی یہودی معالج میسٹر ولاکوپو سے شروع ہوئی تھی۔

## بایزید کے آخری برس

بایزید 1508ء میں بہت شدید بیمار ہو گیا تھا اور اس کے بچنے کی توقع بھی نہیں رہی تھی۔ اگرچہ اگلے برس وہ صحت یاب ہو گیا تاہم وہ بستر سے نہیں اٹھ سکا۔ 1509 کے اواخر میں استنبول کو ایک شدید زلزلے نے ہلا کر رکھ دیا۔ اس زلزلے کو ''قیامت صغریٰ'' کہا گیا۔ اس زلزلے نے توپ کاپی سرائے کی فصیل اور محل کی کچھ عمارتوں کو نقصان پہنچایا۔ بایزید نے حکم دیا کہ ان کی جلد از جلد مرمت کی جائے۔ مرمت کی جانے والی عمارتوں میں ایک شاہی حمام تھا۔ شاہی حمام سے متصل کمروں میں سے ایک ''میشق خانہ'' یعنی کمرۂ موسیقی تھا۔ یہاں محل کے ملازم لڑکوں کو گانے اور ساز بجانے کی تربیت دی جاتی تھی۔ البرٹ بوبووی نے سترہویں صدی کے وسط میں محل میں خدمات انجام دیں۔ وہ ایک پولش (Polish) جنگی قیدی تھا۔

البرٹ کہتا ہے کہ محل کے ملازم ہر منگل کو شاہی حمام میں ساز بجایا کرتے تھے۔ اس دن سلطان کے بال تراشے جاتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ رسم بایزید دوم کے زمانے سے چلی آ رہی تھی۔

بایزید کی صحت 1511ء کے موسم بہار میں بہتر ہونا شروع ہوئی' تاہم وہ بستر تک ہی محدود رہا۔ اس وقت تک اس کے پانچ بیٹے فوت ہو چکے تھے: عبداللہ اور عالم شاہ فطری طور پر فوت ہوئے۔ شہنشاہ کثرتِ مے نوشی کی وجہ سے مر گیا۔ محمود اور محمد کو سلطان بایزید نے نافرمانی کرنے پر 1507ء میں زہر دلوا دیا تھا۔ اس کے باقی تینوں بیٹے احمد' کورکت اور سلیم اناطولیہ میں مختلف صوبوں کے گورنر تھے اور اب وہ اپنی فوجیں استنبول کے قریب لے آئے تھے تاکہ جب بایزید مرے تو وہ تخت پر قبضہ کر سکیں۔ سلیم جانتا تھا کہ بایزید اپنے سب سے بڑے بیٹے احمد کو اپنا جانشین بنانا چاہتا ہے چنانچہ وہ اپنی فوج کے ساتھ یورپ کے پار ایڈرین کے قریب خیمہ زن ہو گیا۔ اس نے اپنے فوجیوں کی تنخواہوں میں اضافہ کر دیا تاکہ اس کے باپ کے فوجی اسے چھوڑ کر سلیم کی فوج میں بھرتی ہو جائیں۔

## سلطان سلیم اوّل کی تخت نشینی اور سلطان بایزید دوم کی وفات

اگلے موسمِ بہار میں بایزید کو سلیم کے سامنے جھکنا پڑا' جو اپنی فوج کے ساتھ 23/ اپریل 1512ء کو استنبول میں داخل ہو کر شہر پر قبضہ کر چکا تھا۔ سلیم نے اس روز اپنے باپ سے ملاقات کی' جسے اس نے گزشتہ چھبیس سال سے دیکھا تک نہیں تھا۔ اس نے بایزید کو مجبور کیا کہ وہ اسے اپنا جانشیں بنا دے۔ اگلے روز سلیم کی کمر سے عثمان کی تلوار باندھ دی گئی اور وہ نواں عثمانی سلطان اور استنبول کا تیسرا عثمانی حکمران بن گیا۔

سلیم نے بایزید کی درخواست پر اُسے تھریس میں ڈیموٹیکا جانے کی اجازت دے دی۔ یہ بایزید کی جائے پیدائش تھی اور وہ یہاں اپنی زندگی کے باقیماندہ ایام خاموشی سے گزارنے کا خواہش مند تھا۔ بایزید بیس دن توپ کاپی سرائے میں رہا۔ اس کے بعد وہ اپنے گھرانے اور ذاتی اشیاء وخزانے سمیت ایک کارواں بنا کر وہاں سے روانہ ہو گیا۔ سلیم اپنے باپ کے ساتھ شہر کی فصیل تک گیا' جہاں بایزید نے اشک آلود آنکھوں کے ساتھ اپنے بیٹے کی کامیابی کے لیے دعا کی۔

کارواں کبھی ڈیموٹیکا نہیں پہنچا کیونکہ آدھے راستے میں چورلو کے قریب ایک بستی میں بایزید کی حالت اچانک ابتر ہو گئی اور وہ 26/ مئی 1512ء کو شدید اذیت وکرب کے ساتھ

مر گیا۔ اس کے زیادہ تر ساتھیوں کو یقین تھا کہ سلطان سلیم کے حکم پر بایزید کے یہودی معالج ہامون نے اسے زہر دے دیا تھا۔ سلیم نے اپنے باپ کی لاش کو استنبول میں تیسری پہاڑی پر بایزید کی تعمیر کروائی ہوئی مسجد بایزیدیہ میں تربت میں دفنانے کے لیے انتظامات کیے۔ اور لیا چلپی لکھتا ہے کہ بایزید کا مقبرہ عوام کی زیارت گاہ بن گیا:

''اب اس کے مقبرے پر عموماً بیمار لوگ آتے ہیں' جنہیں یہاں اپنی اپنی بیماریوں سے نجات مل جاتی ہے' کیونکہ سلطان بایزید ایک صوفی بادشاہ تھا۔''

## سلطان سلیم اوّل کے حالاتِ زندگی

جب سلیم سلطان بنا اس وقت اس کی عمر بیالیس برس تھی۔ اس سے پہلے وہ اٹھارہ برس صوبہ ترابزون کا گورنر رہا۔ یونانی اسے ٹریبیزونڈ کہا کرتے تھے۔ ترک سلطان سلیم کو اس کی وحشت مزاجی اور سفاکانہ رویے کی وجہ سے یاوز یعنی ظالم کہا کرتے تھے۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ نام درست رکھا گیا تھا' جیسا کہ نولیس کے بیان سے واضح ہوتا ہے:

''سلیم کی آنکھیں خوفناک اور گھورتی ہوئی سی ہیں۔ اس کی رنگت تاتاریوں جیسی زرد ہے۔ اس کی مونچھیں لمبی لمبی ہیں' جو پیچھے گردن تک جاتی ہیں' جبکہ داڑھی بہت چھوٹی ہے اس سے اس کے عسکری مزاج اور وحشیانہ فطرت کی عکاسی ہوتی ہے۔ دیکھنے والے کو ایسا لگتا جیسے اس میں سفاکی اور وحشت کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے...... سلیم اپنے ہر کام کو رازداری سے کیا کرتا ہے۔ وہ بغیر مصاحبوں کے تن تنہا کھانا کھاتا ہے' صرف ملازم لڑکے اور خواجہ سرا خدمت پر مامور ہوتے ہیں۔ وہ صرف گوشت کھاتا ہے...... وہ اپنی بیویوں سے بھی بہت کم ملتا ہے۔ اس کا مقصد اپنا تحفظ ہے۔ وہ غیر فطری لذتوں سے زیادہ محظوظ ہوتا ہے۔''

سلیم نے تخت نشیں ہوتے ہی اپنے رقیبوں سے دو دو ہاتھ کیے۔ اگلے سال کے دوران اس نے اپنے بھائیوں احمد اور کورکت کو قتل کر دیا۔ اس کے علاوہ اس نے اپنے چھ بھتیجوں کو بھی موت کے گھاٹ اُتروا دیا۔ اپنے تمام ممکنہ دشمنوں کو موت کے گھاٹ اُتارنے کی اس کی مہم یہیں ختم نہیں ہو گئی تھی۔ 20 دسمبر کو اس نے اپنے تین بیٹوں' عبداللہ' محمد اور مراد کو قتل کروا دیا۔ ان کو قتل کیے جانے کی وجہ واضح نہیں ہے تاہم ایسا لگتا ہے کہ سلیم کو ان پر اپنے خلاف سازش کرنے کا شبہ تھا۔

تین شہزادوں کے قتل کے بعد سلیم کا صرف ایک بیٹا سلیمان بچ گیا تھا' جو کہ اسکا دلی

عہد قرار پایا۔ یوں سلیمان کی ماں حفصہ سلیم کی بیرجی کا دن بن گئی اور توپ کاپی سرائے کے حرم میں رہنے لگی۔ سلیم کی ماں عائشہ اس کے سلطان بننے سے تھوڑا عرصہ پہلے ہی فوت ہوئی تھی' چنانچہ اس کے دورِ حکومت میں ''والدۂ سلطان'' کا منصب خالی ہی رہا۔ سلیم کی دس بیٹیاں بھی تھیں۔ ان میں پانچ بیٹیوں کی شادیاں پاشاؤں سے ہوئیں' جن میں سے تین وزیرِ اعظم بنے۔

شاید سلیم کا ایک اور بیٹا — اویس پاشا — بھی تھا' جو اس کی ایک کنیز کے بطن سے اس وقت پیدا ہوا' جب سلطان سلیم نے اس کی شادی اپنے ایک وزیر سے کروا دی تھی۔ سلطان سلیم نے کبھی اسے اپنا بیٹا تسلیم نہیں کیا۔ شاید اسی وجہ سے اویس پاشا کی جان بچ گئی تھی۔ وہ 1546ء میں قدرتی طور پر مرا۔

سلطان سلیم نے 23/اگست 1514ء کو ایران کے شاہ اسمٰعیل کو شکست دے کر سارے مشرقی اناطولیہ کو عثمانی سلطنت میں شامل کر لیا۔ اس کے بعد اس نے مصر کے مملوکوں کو شکست دے کر 20/جنوری 1517ء میں قاہرہ پر قبضہ کر لیا۔ یوں اس نے اپنی سلطنت کی سرحدوں کو مشرقی بحیرۂ روم تک وسعت دے دی۔ کہا جاتا ہے کہ اس زمانے میں خلیفہ المتوکل نے خلافت کا حق سلیم اور اس کے عثمانی جانشینوں کو منتقل کر دیا۔ اس کے بعد عثمانی سلطانوں کو خلیفہ کا خطاب مل گیا۔ سلیم رسول کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس تبرکات کو استنبول لے آیا۔ جہاں انہیں شاہی محل میں ایک نیا عظیم الشان ہال تعمیر کروا کر شایانِ شان طریقے سے رکھا گیا۔

سلیم نے توپ کاپی سرائے میں ساحل پر ایک محل تعمیر کروایا' جس کا نام ''مرمریں کوشک'' تھا۔ لقمان لکھتا ہے کہ مرمریں کوشک کی بہت خوبصورت سجاوٹ کی گئی تھی اور اس میں مشہور مصوروں کی بنائی ہوئیں تصویریں آویزاں کی گئی تھیں۔ ایک تصویر میں سلطان سلیم کو میدانِ جنگ میں شاہ اسمٰعیل پر فتح پاتے دکھایا گیا تھا۔ ترک وقائع نگار ہوجا سعدالدین نے سلطان سلیم اول کی سوانح عمری لکھی۔ وہ بتاتا ہے کہ مرمریں کوشک میں آویزاں تصویروں میں سے ایک سلطان محمد فاتح کی بھی تھی۔ ہوجا سعدالدین لکھتا ہے کہ جب سلطان سلیم نے پہلی مرتبہ اس تصویر کو دیکھا تو وہ بہت خوش ہوا۔ اس نے بتایا کہ ''مرحوم ہمارے بچپن میں ہمیں اپنی گود میں بٹھا کر پیار کیا کرتے تھے۔ ان کا شریفانہ مزاج ہمیں آج بھی یاد ہے۔ ان کی ناک شکرے کی چونچ جیسی تھی''۔ سلطان سلیم نے شکوہ کیا کہ ''مصور نے ان کی تصویر کشی اصل کے مطابق نہیں کی۔''

سلطان سلیم شاعر بھی تھا۔ وہ ترکی' عربی اور فارسی میں شعر کہا کرتا تھا۔ اس کی مشہور

نظم ایک مطلق العنان بادشاہ کا احوال بیان کرتی ہے، جو محبت کے درد میں گرفتار ہو کر بے بس ہو جاتا ہے:

''اگرچہ شیر میرے رعب سے کانپتے ہیں مگر تقدیر نے مجھے غزالی آنکھوں والی حسینہ کا شکار بنا دیا ہے۔''

## سلطان سلیم اول کی وفات

1520ء میں سلیم نے ایک اور مہم کا منصوبہ بنایا۔ تاہم جب موسمِ گرما کے وسط تک تیاریاں مکمل نہیں ہوئیں تو اس نے مہم کو اگلے سال تک ملتوی کر دیا اور فارغ دن گزارنے کے لیے ایڈرین سرائے روانہ ہو گیا۔ سلیم اگست 1520ء کے وسط میں استنبول سے روانہ ہوا، مگر ایڈریف کے نصف راستے میں چورلو کے نزدیک ایک بستی میں وہ اس قدر بیمار ہو گیا کہ اسے اپنا سفر ملتوی کرنا پڑا۔ اس کا باپ بایزید بھی اسی جگہ آٹھ سال سے کچھ زیادہ عرصہ پہلا مرا تھا اور اب سلطان سلیم اسی جگہ اپنی تقدیر سے دوچار تھا۔ وہ تقریباً چھ ہفتے بیمار رہ کر 22 ستمبر 1520ء کو فوت ہو گیا۔ فرحت پاشا نے سلیم کی موت کی خبر کو راز رکھا تاکہ سلیمان، جو کہ صوبہ منیسا کا گورنر تھا، استنبول پہنچ کر اپنی جانشینی کو یقینی بنا لے۔

وقائع نگار کمال پاشا زادہ نے، جو سلیم کے ساتھ اس کی مصر والی مہم میں شریک تھا، مرحوم سلطان سلیم کا نوحہ لکھا ''اس نے بہت تھوڑے عرصے میں بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے اور وہ غروب ہوتے ہوئے سورج کی طرح زمین پر ایک طویل سایہ چھوڑ گیا۔''

سلیم کی موت کی خبر سن کر پورے عیسائی یورپ میں شکرانے کی عبادت کی گئی۔ عیسائی یورپ خوفزدہ رہتا تھا کہ کہیں وہ اپنی فتوحات کی نئی مہم پر ہنگری کے دارالحکومت پر حملہ آور نہ ہو جائے۔ پاؤلو گیوویو نے سلیم کی موت کی خبر سن کر پوپ لیو X کے ردِعمل کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

''جب اس نے سنا کہ سلیم مر گیا ہے تو اس نے پورے روم میں شکرانے کی عبادت کرنے کے احکامات جاری کروائے، جن میں مردوں کو ننگے پیر شرکت کرنے کا کہا گیا تھا۔''

سلیم اپنے منصوبوں کی خبر کسی کو نہیں ہونے دیتا تھا۔ وہ کسی سے مشورہ نہیں کیا کرتا تھا اور تمام فیصلے خود کرتا تھا۔ سفیر بارٹولومیو کونتارینی نے اپنی ایک رپورٹ میں بتایا:

"وہ ہر وقت سوچتا رہتا ہے۔ کسی میں اتنی جرأت نہیں کہ اسے کچھ کہے' حتیٰ کہ اس کے پاس موجود پاشا بھی بولنے کی جرأت نہیں رکھتے۔ وہ اپنی سوچ کی بنیاد پر تنہا حکومت کرتا ہے۔"

اور اب سلیم اپنے آخری خفیہ منصوبے سمیت قبر میں چلا گیا تھا' لہٰذا پورا عیسائی یورپ خوشیاں منا رہا تھا۔ ایک گمنام مبصر نے لکھا ہے:

"ظالم سلیم مر گیا اور ہنگری بچ گیا۔"

سلیمان نے تخت نشیں ہوتے ہی اپنے باپ کی یاد میں پانچویں پہاڑی پر ایک شاہی مسجد تعمیر کروانے کا فیصلہ کیا۔ اس مسجد کو "سلیمیہ" کا نام دیا گیا اور سلیم کو مسجد کے عقب میں ایک تربت میں دوبارہ دفنایا گیا۔ سلطان سلیم کی بہت بڑی قبر گنبد والے مقبرے میں تنہا موجود ہے۔ اس پر وہ بڑی پگڑی رکھی ہوئی ہے' جسے سلطان پہنا کرتا تھا۔ اولیا چلپی لکھتا ہے:

"یہاں وہ شاہانہ جاہ و جلال نہیں ہے' جو وہاں آنے والوں کو سلیم کے رعب و حشمت کی طرح مرعوب کر دے۔ یہاں وہ دفن پڑا ہے۔ قبر کے اوپر اس کی پگڑی رکھی ہے' جسے سلیمیہ کہتے ہیں۔ یہ کسی سات سروں والے اژدھے جیسی لگتی ہے۔ میں' حقیر اولیا' تین سال سے اس کے مقبرے پر فاتحہ خوانی کرنے جا رہا ہوں۔"

## چوتھا باب

# سلیمان عالیشان

## سلیمان عالیشان کی تخت نشینی

سلیمان کی عمر تقریباً چھبیس برس تھی' کہ جب وہ تخت نشیں ہوا۔ غیر ملکی مبصروں نے اُسے اپنے ظالم اور درشت خو باپ کی نسبت زیادہ خوشگوار مزاج کا حامل پایا۔ انہیں امید تھی کہ اس کا دورِ حکومت بہتر ثابت ہوگا' جیسا کہ بارٹولومیو کونٹارینی نے سلیمان کی تاجپوشی سے تھوڑا پہلے ہی لکھا:

''اس کی عمر چھبیس سال ہے۔ وہ لمبا مگر دبلا پتلا اور طاقتور ہے۔ اس کی جلد نفیس و نازک ہے۔ اس کی گردن قدرے زیادہ لمبی ہے' چہرا پتلا ہے اور ناک طوطے کی چونچ جیسی ہے۔ اس کی مونچھیں باریک اور ڈاڑھی چھوٹی ہے۔ اس کے باوجود اس کی وضع قطع خوشگوار ہے۔ تاہم اس کی رنگت بے رونق اور زردی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ دانش مند بادشاہ ہوگا اور سب لوگوں کو امید ہے کہ اس کا دورِ حکومت اچھا ہوگیا۔''

سلیمان 6/ نومبر 1494ء کو ترابزون' سابقہ ٹریبیز ونڈ' میں پیدا ہوا تھا۔ اس کی پیدائش کے وقت اس کے باپ سلیم اول نے وہاں صوبائی گورنر کا عہدہ سنبھالا ہی تھا۔ سلیمان کی ماں حفصہ خاتون' جو اس کی پیدائش کے وقت سترہ برس کی تھی' کرائیمیائی تاتاریوں کے ''خان'' کی بیٹی تھی۔

سلیمان نے اپنے دادا بایزید دوم کے عہدِ حکومت میں دو مرتبہ صوبائی گورنر کے طور پر خدمات انجام دیں' پہلی مرتبہ 1509ء میں مغربی اناطولیہ میں بولو میں اور دوسری مرتبہ 1509ء سے 1512ء تک کرائیمیا میں جافا میں۔ اس کے بعد وہ اپنے باپ سلیم اول کے پورے دورِ حکومت میں صوبہ منیسا کا گورنر رہا۔ وہ دو مرتبہ اپنے باپ سلیم کے مہمات پر جانے

کے بعد ایڈرین میں مختصر وقت کے لیے اس کی جگہ سلطان رہا۔

عثمانی صوبائی گورنروں کے دربار شاہی دربار کے مطابق ہوا کرتے تھے اور ثروت و امارت میں شاہی دربار کے مقابل تھے۔ رجسٹروں سے پتہ چلتا ہے کہ منیسا میں گورنری کے آخری برسوں میں سلیمان کے افرادِ خانہ کی تعداد 673 تھی جن میں اس کے حرم کی سترہ عورتیں بھی شامل تھیں۔ ان عورتوں میں اس کی ماں حفصہ، چھ کنیزیں، چھ خادمائیں، دو دھوبنیں، ایک خطوط نویس اور ایک معالج تھی۔ اس کی صرف ایک کنیز کا نام ہمیں دستیاب ہوا ہے۔ ماہِ دیوران کو مختلف مؤرخوں نے البانیہ یا سرکیجی کی رہنے والی بتایا ہے۔ اس نے 1515ء میں سلیمان کے ایک بیٹے مصطفیٰ کو جنم دیا۔ اس زمانے میں سلیمان پہلے ہی سے ایک بیٹے محمود کا باپ تھا، جو 1512ء میں پیدا ہوا تھا۔ 1519ء میں وہ تیسرے بیٹے مراد کا باپ بنا۔ ان دونوں کی ماؤں کے بارے میں کسی کو علم نہیں ہے۔ مراد 1521ء میں فوت ہو گیا۔ ریکارڈ سے پتا چلتا ہے کہ 1521ء میں سلیمان کی ایک بیٹی بھی فوت ہوئی۔ اسی برس اس کی ایک بیٹی کی شادی امیر البحر علی پاشا کے ساتھ ہوئی۔ ان بیٹیوں اور ان کی ماؤں کے نام معلوم نہیں ہو سکے۔

جب سلیمان تخت نشیں ہوا تو اس کی ماں حفصہ ''والدہ سلطان'' بن گئی۔ محمود کی وفات کے بعد اس کا بھائی شہزادہ مصطفیٰ ولی عہد بن گیا اور اس کی ماں ماہِ دیوران سلیمان کی بیرنجی کادن اور ہاسیکی بن گئی۔ تاہم اس وقت تک اس کی ایک رقیب سامنے آ گئی تھی۔ سلیمان کی تخت نشینی سے کچھ پہلے یا بعد ایک اور عورت اس کی منظورِ نظر بن گئی تھی۔ اس کا نام ہاسیکی خرم تھا، جو مغرب میں روکسیلانا (Roxelana) کے نام سے زیادہ بہتر جانی جاتی تھی۔

روکسیلانا کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ وہ مغربی یوکرائن میں پیدا ہوئی تھی، جو اس زمانے میں پولینڈ کا حصہ تھا۔ پولش روایت بتاتی ہے کہ اس کا نام الیکساندرا لیزووسکا تھا۔ وہ ایک رتھنیائی پادری کی بیٹی تھی۔ اسے تاتاریوں نے اغوا کر کے استنبول کی غلاموں کی منڈی میں بیچ دیا تھا۔ روکسیلانا نام کی وجہ سے یورپیوں کو یقین تھا کہ وہ روسی عورت تھی۔ تاہم اب خیال کیا جاتا ہے کہ یہ ایک پولش لفظ تھا جس کا مطلب ''رتھنیائی دوشیزہ'' تھا۔ سلیمان کے دورِ حکومت کے پہلے پانچ برسوں میں اس نے اُس کے پانچ بچوں کو جنم دیا: 1521ء میں بیٹا محمد، 1522ء میں بیٹی محرمہ اور اس کے بعد تین بیٹے عبداللہ، سلیم اور بایزید۔ عبداللہ 1526ء میں حرم کو تباہ برباد کر دینے والی کئی ہلاکت خیز وباؤں میں سے ایک وبا کے دوران فوت ہو گیا۔

تخت نشینی کے فوری بعد سلیمان اور اس کے وزیرِ اعظم پیری پاشا نے یورپ میں

ایک مہم کے لیے تیاریاں شروع کر دیں۔ سلیمان کا ہدف بلغراد تھا' جو کہ دریائے ڈینیوب کے پار واقع تمام ممالک کا دروازہ تھا۔ اس نے 29 اگست 1521ء کو بلغراد فتح کر لیا۔ جونہی اس کی خبر وینس کے حکمران کو ملی' اس نے انگلینڈ میں اپنے سفیر کو لکھا: ''یہ خبر تمام عیسائیوں کے لیے دکھ کا باعث ہے اور بیحد اہمیت کی حامل ہے۔''

بلغراد کو فتح کرنے کے بعد سلیمان نے ڈاڑھی رکھ لی تھی' جو کہ ترکوں میں بلوغت کا ایک روایتی نشان تھا۔ اس کی ڈاڑھی والی پہلی تصویر درباری مؤرخ عارفی کی کتاب ''سلیمان نامہ'' میں بنائی گئی۔ یہ تصویر کسی گمنام مصور نے بنائی تھی۔ اس تصویر میں اسے بلغراد کو فتح کرنے کے بعد کروفر کے ساتھ واپس آتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔

اگلے برس سلیمان نے پیری پاشا کی جگہ ابراہیم پاشا کو وزیراعظم مقرر کیا۔ وہ طویل عرصے سے اس کا رازدار دوست تھا۔ ابراہیم ایک یونانی مچھیرے کا بیٹا تھا۔ اسے بچپن میں ترکوں نے پکڑ کر استنبول میں شاہی گھرانے کے غلام کے طور پر فروخت کر دیا تھا' جہاں اس نے محل کے سکول میں تربیت پائی۔ اس نے توپ کاپی سرائے میں غلام کے طور پر خدمات انجام دیں' جہاں جلد ہی وہ اور سلیمان دوست بن گئے۔ وہ دونوں ہم عمر تھے۔ جب سلیمان سلطان بنا تو اس نے ابراہیم کو پہلے اپنا ''باز بردار'' اور بعدازاں شاہی خواب گاہ کے خادموں کا سربراہ بنایا۔ وزیراعظم بنانے کے بعد سلیمان نے اسے توپ کاپی سرائے میں ایک محل دے دیا۔ اگلے برس ابراہیم کی شادی سلیمان کی بہن خدیجہ سے ہوئی۔ ان کی شادی کا جشن رتھوں کی دوڑ والے میدان میں پندرہ دن برپا رہا۔ سولہویں صدی کا مؤرخ ابراہیم پیچیوی لکھتا ہے: ''آنکھوں کے سامنے خوشی کا ایسا نظارہ موجود ہے' جو پہلے کبھی کسی شہزادی کی شادی میں نہیں دیکھا گیا۔''

ابراہیم سلطان کے گھرانے سے باہر کا واحد شخص تھا۔ جسے توپ کاپی سرائے میں اندرونی محل میں داخلے کی اجازت دی۔ وہ وہاں ایک ایسی خواب گاہ میں سویا کرتا تھا' جو کہ سلیمان کی خواب گاہ کے قریب تھی۔ یوں دونوں نزدیک رہا کرتے تھے۔

## بلغراد کی فتح

1526ء کے موسم بہار میں سلیمان ایک لشکر لے کر ہنگری پر حملہ کرنے کے لیے روانہ ہوا۔ ابراہیم پاشا اس کے ساتھ تھا۔ یہ مہم 29 اگست 1526ء کو موہاکس کی جنگ میں

عروج کو پہنچی، جس میں عثمانیوں نے صرف دو گھنٹے کی جنگ کے بعد ہنگری کی فوج کو شکست فاش دے دی۔ ہنگری کے بیشتر فوجی یا تو جنگ میں مارے گئے یا سلیمان نے انہیں موت کے گھاٹ اتروا دیا۔ اس نے حکم دیا تھا کہ کسی کو جنگی قیدی نہیں بنایا جائے۔ سلیمان نے 31ر اگست کو اپنی ڈائری میں ایک اور شخص بن کر لکھا: ''سلطان تخت پر جلوہ آرا ہوا۔ وزیر اور بے اس کی تعظیم بجالائے۔ دو سو قیدیوں کو قتل کر دیا گیا۔ موسلا دھار بارش ہوئی۔''

2ر دسمبر کو اس نے لکھا: ''موہاکس میں سکون ہو گیا۔ ہنگری کے بیس ہزار پیادوں اور چار ہزار گھوڑ سواروں کو فنا کر دیا گیا۔''

فتح کے فوری بعد سلیمان نے اپنے کاتبوں کو حکم دیا کہ سلطنت کے تمام صوبوں کو خطوط لکھ کر اس کی فتح کا اعلان کیا جائے۔ اس نے اپنی ماں حفصہ کو خود خط لکھ کر فتح کی اطلاع دی۔ سفیر پیٹرو بریگیڈن اس کے بارے میں بتاتا ہے: ''وہ اڑتالیس برس کی ایک بہت خوبصورت عورت ہے۔ سلطان اس سے بہت محبت کرتا ہے۔ وہ اس کا بے حد احترام کرتا ہے''۔ سلیمان نے روکسیلانا کو بھی خط لکھ کر بلغراد کی فتح کی اطلاع دی۔ اس زمانے میں روکسیلانا کی لکھنے پڑھنے کی صلاحیت محدود تھی، اس لیے وہ ایک خطوط نویس کے ذریعے سلیمان کے ساتھ خط و کتابت کرتی تھی۔ اپنے ایک ابتدائی خط میں وہ لکھتی ہے: ''میرے سلطان! آپ نے لکھا ہے کہ اگر میں آپ کا لکھا پڑھنے کے قابل ہوتی تو آپ میرے لیے اپنی چاہت کو بیان کرنے کی خاطر بہت طویل خط لکھتے۔''

تاہم بعدازاں وہ خود لکھنے پڑھنے کے قابل ہو گئی۔ وہ بڑی فصیح زبان میں لکھنے کے قابل ہو گئی تھی، جیسا کہ اس کے ایک ذاتی نوشتے سے معلوم ہوتا ہے، جس میں اس نے سلیمان کو بتایا تھا کہ وہ اور اس کے بچے اسے کس قدر یاد کرتے ہیں: ''میرے سلطان! جدائی کے جلا کر راکھ کر دینے والے کرب کی حد ہی نہیں ہے۔ اب اس ستم زدہ کے درد کا درماں کیجیے اور خط لکھنا ترک مت کیجیے۔ اپنے خط سے تو میری روح کو ذرا سکون پانے دیجیے...... جب آپ کا خط پڑھا جاتا ہے تو آپ کا بیٹا میر محمد اور بیٹی محرمہ آپ کو یاد کر کر کے رونے لگتے ہیں۔ ان کے اشک مجھے پاگل کر دیتے ہیں اور ایسا لگتا ہے جیسے ہم سوگ منا رہے ہوں۔ میرے سلطان! آپ کا بیٹا میر محمد اور بیٹی محرمہ اور سلیم خان اور عبداللہ آپ کو بہت بہت سلام عرض کرتے ہیں اور آپ کے قدموں کی خاک کو اپنے چہرے پر ملتے ہیں۔''

وہ اپنے کئی خط نثر کی بجائے نظم کی صورت میں لکھتے تھے۔ ایسے ہی ایک خط میں

سلیمان نے روکسیلانا کے لیے یہ شعر لکھے:

میری عزیز از جان ملکہ' میری ہر شے'
میری محبوبہ' میرے روشن چاند'
میری جانِ جاں' میری واحد رفیقہ'
سب حسینوں کی ملکہ' میری سلطانہ

جواب میں روکسیلانا نے جو نظمیں سلیمان کو بھیجیں' ان میں سے ایک نظم کے یہ مصرعے سلیمان کے لیے روکسیلانا کی چاہت کو بیان کرتے ہیں:

"اے صبا! جا اور میرے سلطان کو بتا: وہ تیری جدائی میں کسی بلبل کی طرح گریہ وزاری کرتی ہے۔
یہ مت سوچیے کہ آپ کی قوت آپ کے فراق میں اس کے درد دل کا مداوا ہوگی۔
اس کے درد کا درماں کسی کے پاس نہیں ہے۔
وہ آپ کے فراق میں بیمار ہے اور کسی نَے کی طرح روتی رہتی ہے۔"

بریگیڈن نے 9/ جون 1526ء کو لکھے گئے اپنے ایک خط میں اس زمانے کے سلطان سلیمان کے بارے میں لکھا ہے:

"اس کی عمر بتیس سال ہے۔ وہ بیحد زرد رنگت والا ہے۔ اس کی ناک طوطے کی چونچ جیسی اور گردن لمبی ہے۔ بظاہر وہ زیادہ طاقتور نہیں لگتا' تاہم اس کی گرفت بہت مضبوط ہے' جیسا کہ میں نے اس کی دست بوسی کے وقت محسوس کیا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ مضبوط ترین کمان کو بھی موڑ سکتا ہے۔ وہ فطرت کے اعتبار سے اداس' عورتوں کا بے پناہ رسیا' آزادہ رو' مغرور اور جلد باز ہے۔ تاہم بعض اوقات وہ بہت شائستہ ہو جاتا ہے۔"

موہاکس میں فتح حاصل کرنے کے بعد سلیمان اپنی فوج کو واپس استنبول لے آیا۔ اس نے یورپ میں اپنی اگلی مہم پر روانہ ہونے سے پہلے چھ ماہ آرام کیا۔ ابراہیم پاشا دوسری مہم میں بھی اس کے ساتھ تھا۔ اس مرتبہ ان کا ہدف ویانا تھا۔ سلیمان کی فوجوں نے اس کا ناکام محاصرہ کیا۔ بھاری نقصان اٹھانے کے بعد سلیمان نے آخر 15/ اکتوبر 1529ء کو محاصرہ اٹھانے کا فیصلہ کیا اور موسم سرما شروع ہونے سے پہلے پہلے اپنی فوج کو واپس استنبول لے آیا۔

سلیمان کو پہلی مرتبہ پسپائی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اس نے یہ ظاہر کر کے شرمندگی سے

بچنے کی کوشش کی کہ وہ آسٹریا کے حاکم جان زیپولیا کو ہیپسبرگ کے آرک ڈیوک فرڈیننڈ سے بچانے گیا تھا۔ سلیمان نے اپنی رعایا کی توجہ بھی اس ناکامی سے ہٹانے کی کوشش کی اور 27/جون 1530ء کو اپنے تین بیٹوں ـــ مصطفیٰ، محمد اور سلیم ـــ کے ختنے کا جشن برپا کیا۔ رتھوں کے دوڑ والے میدان میں ایک زبردست میلہ منعقد ہوا، جو تین ہفتے جاری رہا۔

مصطفیٰ، جو کہ نامزد ولی عہد تھا، اس وقت دس سال کا تھا۔ وہ غیر معمولی ہونہاری کا مظاہرہ کر چکا تھا۔ چھ سال پہلے بریگیڈن نے اس کے بارے میں تبصرہ کیا تھا کہ "وہ غیر معمولی صلاحیتوں کا مالک ہے۔ ینی چری اُسے بہت زیادہ پسند کرتے ہیں اور وہ کارہائے نمایاں انجام دیتا ہے"۔ بریگیڈن نے یہ بھی لکھا کہ مصطفیٰ اپنی ماں ماہِ دیوران کی آنکھوں کا تارا ہے، جو کہ روکسیلانا کے ہاسیکی بننے کے بعد بھی سلیمان کی بیرنجی کا دن تھی۔ 1526ء میں بریگیڈن نے لکھا کہ سلیمان نے ماہِ دیوران پر التفات وتوجہ کرنا ترک کر دیا ہے اور اپنی تمام تر چاہت روکسیلانا کے لیے وقف کر دی ہے۔ بریگیڈن نے روکسیلانا کے بارے میں لکھا کہ "وہ نوجوان تو ہے مگر خوبصورت نہیں، تاہم دلکش اور خوش شکل ہے"۔ اس پہلے کبھی کسی سلطان نے صرف ایک عورت کو اپنی توجہ کا مرکز نہیں بنایا تھا اور اسی لیے سلیمان کی رعایا حیرت زدہ تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ روکسیلانا نے سلطان پر جادو کر دیا ہے۔ اس وجہ سے وہ روکسیلانا سے نفرت کرتے اور اسے جادوگرنی کہتے ہیں۔

1531ء میں روکسیلانا نے سلطان کے ایک اور بیٹے جہانگیر کو جنم دیا، مگر وہ یہ دیکھ کر مایوس وافسردہ ہوگئی کہ لڑکا تو کبڑا ہے۔ اس کے باوجود سلیمان جہانگیر سے بہت محبت کرتا تھا اور وہ اس کا مستقل رفیق بن گیا۔

## سلیمان عالیشان کے حرم کے واقعات

سلیمان کے روکسیلانا کو ترجیح دینے کی وجہ سے ایک روز حرم میں ماہِ دیوران نے اس پر حملہ کر دیا۔ اس نے روکسیلانا کا منہ نوچ لیا اور اس کے بالوں کے گچھے نوچ لیے۔ سفیر برنارڈو نیویگیرو نے اس واقعے کے بارے میں لکھا ہے۔ روکسیلانا اپنے کمرے میں محدود ہو گئی اور جب سیاہ فام خواجہ سراؤں کے سربراہ نے اسے اطلاع دی کہ سلطان نے اسے اپنے کمرے میں بلایا ہے تو اس نے جانے سے انکار کر دیا۔ اس کا خیال تھا کہ ماہِ دیوران کے حملے نے اسے اس قابل نہیں چھوڑا کہ وہ اپنے سلطان کو اپنی صورت دکھا سکے۔

جب سلیمان کو اس بات کا پتہ چلا تو اس نے ماہِ دیوران کو پرانے محل میں بھجوا دیا اور روکسیلانا حرم میں افضل ترین ہوگئی۔

بریگیڈن نے ایک اور واقعے کی اطلاع دی ہے۔ جب سلیمان کی ماں حفصہ نے اس کے حرم کے لیے اسے ایک نئی کنیز پیش کی، جو کہ ایک ''خوبصورت روسی دوشیزہ'' تھی، تو روکسیلانا ''انتہائی ناخوش ہوئی اور روتے ہوئے زمین پر گر گئی''۔ سلیمان نے لڑکی کو واپس بھجوا دیا'' کیونکہ اگر محل میں دوشیزائیں رہیں ـــ یا کوئی ایک دوشیزہ بھی رہی تو اس کی بیوی غم سے مر جائے گی۔''

نیویکیرو کے بقول سلطان سلیمان نے 1533ء کے قریب روکسیلانا سے شادی کر لی تھی۔ عثمانیوں کی تاریخ میں یہ پہلا واقعہ تھا کہ کسی کنیز کو سلطان کی قانونی بیوی بنایا گیا۔ سلیمان اور روکسیلانا کی شادی ایک اور اعتبار سے بھی غیر معمولی ہے کہ سلیمان نے اس کے لیے اپنی تمام عورتوں کو دور کر دیا اور باقی ساری عمر کسی اور عورت سے شادی نہیں کی۔ ان کی شادی توپ کاپی سرائے میں ہوئی اور رتھوں کی دوڑ والے میدان میں ایک ہفتے تک جشن منایا گیا۔

روکسیلانا کو پرانے محل سے تیسری پہاڑی پر توپ کاپی سرائے کے حرم میں لے آیا گیا۔ اس کے لیے سلیمان نے توپ کاپی سرائے کے حرم کی عمارتوں میں توسیع اور تعمیر نو کروائی۔

1532ء کے شروع میں سلیمان نے ابراہیم پاشا کی قیادت میں دوسری مرتبہ ویانا پر حملہ کروایا مگر ترک فوج آسٹریا کی سرحدوں سے آگے نہیں جا سکی۔ فوج کے استنبول واپس آنے کے بعد سلیمان نے رعایا کے سامنے اپنی کامیابی ظاہر کرنے کے لیے ایک جشن برپا کیا۔ جیسا کہ سلیمان نے اس زمانے میں اپنی ڈائری میں لکھا: ''پانچ دن ضیافتیں اور چراغاں ہوا ...... بازار ساری رات کھلے رہے اور سلیمان بھیس بدل کر ان کا دورہ کرنے گیا۔''

مارچ 1534ء میں سلیمان کی ماں حفصہ فوت ہوگئی۔ یوں روکسیلانا حرم کی عورتوں میں سب سے برتر ہوگئی۔ نیویکیرو کے بقول روکسیلانا کارِ سلطنت میں بھی دخیل تھی۔ وہ لکھتا ہے ''سلطان کے ارادے کی باگ اس کے ہاتھوں میں ہے۔''

## تبریز اور بغداد کی فتح

سلطان سلیمان نے اب اپنی سلطنت کی مشرقی سرحدوں کی طرف توجہ کی اور ایران اور عراق پر حملہ کر کے تبریز اور بغداد کو فتح کر لیا۔ سلیمان نے موسم سرما بغداد میں گزارا۔ اس دوران وہ

روکسیلانا کو مستقلاً خط لکھتا رہا۔ وہ جب بھی کسی مہم پر جاتا تھا' ایسا ہی کرتا تھا۔ جب وہ بغداد میں تھا' تو اُسے روکسیلانا کا ایک خط ملا جس میں اس نے حرم میں اپنی کربناک کیفیت کا ذکر کیا تھا۔

## ایک اور محبت نامہ

''میرے مالک! آپ کے فراق نے میرے اندر ایسی آگ بھڑکا دی ہے جو بجھائے نہیں بجھتی۔ مجھ ستم رسیدہ پر ترس کیجئے اور خط جلدی جلدی لکھا کیجئے تاکہ میں ان خطوں ہی سے کچھ سکون پا سکوں ...... جب میں نے آپ کا خط پڑھا تو آپ کا بیٹا محمد اور بیٹی محرمہ میرے ساتھ بیٹھے تھے اور اشک ان کی آنکھوں سے لگاتار بہہ رہے تھے۔ ان کے اشکوں نے تو مجھے دیوانہ بنا دیا...... آپ پوچھتے ہیں کہ میں ابراہیم پاشا پر غصہ کیوں ہوں۔ جب اللہ کی مہربانی سے ہم دوبارہ اکٹھے ہوں گے تو میں اس کی وضاحت کروں گی اور آپ کو وجہ کا علم ہو جائے گا۔''

اس زمانے میں ابراہیم اپنی قوت واختیار کے عروج پر پہنچ چکا تھا اور بلاشبہ یہی بات روکسیلانا کی ناخوشی کا سبب تھی۔ تاہم 5-1534ء کی مہم کے بعد ابراہیم پاشا کے لیے سلیمان کی پسندیدگی میں کمی ضرور آ گئی تھی۔ جب یوں لگتا تھا کہ سلیمان کو اس پر بے وفائی بلکہ غداری کا شبہ ہو گیا ہو۔ ابراہیم 15-14 / مارچ 1536ء کی رات اپنے انجام سے دوچار ہوا' جب سلیمان نے توپ کاپی سرائے کے شاہی حصے میں اسے عشائیے پر مدعو کیا۔ اس رات کیا ہوا یہ ایک راز ہی ہے' تاہم عمومی طور پر یہ یقین کیا جاتا ہے کہ سلیمان نے اپنے غلام بھیج کر سوتے میں اس کا گلا گھونٹ کر مروا دیا۔ ابراہیم کی ہلاکت کے بعد سلیمان نے حکم دیا کہ اس کی تمام املاک اور اثاثے بحقِ ریاست ضبط کر لیے جائیں' جس میں اس کا محل بھی شامل تھا۔ پھر اس نے ایاز پاشا کو اپنا نیا وزیرِاعظم مقرر کیا۔

1538ء میں روکسیلانا کی سالگرہ کے موقع پر سلیمان نے تحفے کے طور پر اس کے نام سے ساتویں پہاڑی پر ایک مسجد تعمیر کروائی۔ یہ تھی جامعۂ ہاسیکی خرم' جس کا نقشہ معمار سنان پاشا نے بنایا تھا۔ سنان نے محل کے سکول میں تربیت پائی تھی اور سلیمان کی چار فوجی مہمات میں فوجی انجینئر کے طور پر خدمات انجام دی تھیں' اس کے بعد اسے شاہی معمار مقرر کر دیا گیا تھا۔

1539ء میں سلیمان اور روکسیلانا نے اپنے دو بیٹوں بایزید اور جہانگیر کے ختنے کا جشن منایا۔ یہ جشن رتھوں کی دوڑ والے میدان میں برپا ہوا اور پندرہ دن تک جاری رہا۔ اسی سال انہوں نے اپنی بیٹی محرمہ کی شادی رستم پاشا سے کی' جو اس وقت جنوب مشرقی اناطولیہ میں

صوبہ دیارِ بکر کا گورنر تھا۔ محرمہ سے شادی کے بعد رستم کا عرف ''قسمت والی جوں'' پڑ گیا۔ رستم کے دشمنوں نے محرمہ کے ساتھ اس کی شادی رکوانے کے لیے افواہیں پھیلا دیں کہ اسے تو کوڑھ ہے۔ تاہم جب شاہی طبیبوں نے اس کا معائنہ کیا تو اسے جوؤں سے بھرا ہوا پایا۔ نتیجتاً انہوں نے کہا کہ وہ کوڑھی نہیں ہے کیونکہ یہ ایک مسلمہ طبی عقیدہ تھا کہ جوئیں کوڑھی کے جسم پر نہیں رہتیں۔ یوں رستم کو محرمہ سے شادی کے قابل قرار دے دیا گیا۔ سلیمان نے اسے نائب وزیرِاعظم مقرر کیا۔ پانچ سال بعد اسے وزیرِاعظم بنا دیا گیا۔ اس منصب پر فائز ہو کر وہ سلطان کی رعایا میں سب سے زیادہ بااختیار شخص بن گیا۔

شہزادہ محمد 1543ء میں پھیلنے والی چیچک کی وبا میں ہلاک ہو گیا۔ وہ سلیمان اور روکسیلانا کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔ موت کے وقت اس کی عمر اکیس برس تھی۔ سلیمان اپنے چہیتے بیٹے کی موت پر اس قدر دل گرفتہ و غمزدہ تھا کہ تین دن تک اس کی لاش کے پاس بیٹھا رہا۔ تب کہیں جا کر اس نے اُسے دفنانے کی اجازت دی۔ سلیمان نے محمد کی یادگار کے طور پر تیسری پہاڑی پر جامعۂ شہزادہ بنوائی۔ اسے سنان پاشا نے تعمیر کروایا۔ یہ مسجد 1548ء میں مکمل ہوئی۔

## مسجدِ سلیمانیہ کی تعمیر

دو سال بعد سلیمان نے سنان کو وہ مسجد تعمیر کرنے کا حکم دیا جسے مسجدِ سلیمانیہ کہا جاتا ہے۔ مسجدِ سلیمانیہ کا ایک بڑا اور چار چھوٹے گنبد ہیں، جن کے چاروں طرف چار مینار بنے ہوئے ہیں۔ یہ مسجد سنہری خلیج کے اُوپر تیسری پہاڑی پر پرانے شہر میں ہے۔ مسجد کے علاوہ یہاں چار مدرسے، ایک قرآن کی تدریس کے لیے درسگاہ، ایک ہسپتال، ایک پاگلوں کا شفاخانہ، ایک عوامی لنگر، ایک بازار، ایک عوامی حمام اور دو مقبرے تھے — ایک سلیمان کے لیے اور دوسرا روکسیلانا کے لیے۔ مسجدِ سلیمانیہ 1557ء میں مکمل ہوئی اور اولیا چلپی کے بقول اس کے افتتاح کے روز سنان نے سلیمان سے کہا: ''شہنشاہِ معظم میں نے آپ کے لیے ایک ایسی مسجد تعمیر کی ہے، جو قیامت تک سینۂ ارض پر موجود رہے گی۔''

اس زمانے میں سلیمان کے چاروں بیٹے صوبائی گورنر تھے — سلیم منیسا میں، بایزید قونیہ میں، مصطفیٰ اماسیہ میں اور جہانگیر حلب میں۔ چارلس پنجم کا سفیر اوگیئر گزیلین ڈی بسبیک بتاتا ہے کہ روکسیلانا نے اپنے داماد رستم پاشا کے ساتھ مل کر اپنے ہی بیٹے نامزد ولی عہد مصطفیٰ کو قتل کروانے کی سازش کی تھی تاکہ اس کا سلیم یا بایزید سلیمان کا جانشین بنے۔ جہانگیر معذوری کی

وجہ سے سلطانی کے لیے نااہل تصور ہوتا تھا۔ فرانس کے رہنے والے گیلام پوسٹل نے لکھا کہ مصطفیٰ ''اعلیٰ تعلیم یافتہ اور ذہین'' تھا۔ ینی چری اسے بہت زیادہ پسند کرتے تھے اور ہر شخص کو توقع تھی کہ وہی اپنے باپ کے بعد تخت نشیں ہوگا۔ نیوٹیگیرو نے 1553ء میں لکھا کہ ''یہ بیان کرنا ناممکن ہے کہ ہر کسی کو اس سے کتنی محبت ہے اور باپ کے بعد اس کی تخت نشینی کی کتنی خواہش ہے''۔ اس وقت مصطفیٰ اپنی زندگی کے سنہرے دور میں تھا اور ایک فوجی کی حیثیت سے اعلیٰ ترین شہرت کا حامل تھا۔''

سلیمان نے 1553ء کے موسم بہار میں ایران کے صفویوں کے خلاف ایک مہم شروع کی۔ ابھی جبکہ عثمانی فوج وسطی اناطولیہ میں ہی تھی کہ وزیراعظم رستم پاشا نے سلیمان کو قائل کر لیا کہ مصطفیٰ صفویوں کے ساتھ مل کر تخت پر قبضے کی سازش کر رہا ہے اور اسے ینی چریوں کی مدد حاصل ہے، جن کا وہ صوبائی گورنر کی حیثیت میں کماندار ہے۔ اسی برس اکتوبر کے اواخر میں سلیمان نے مصطفیٰ کو کرمان میں ارغلی میں بلوا لیا۔ شہزادہ 6 نومبر کو وہاں پہنچا۔ بسبیک کے بقول جب مصطفیٰ اپنے باپ کے خیمے میں پہنچا تو سلیمان کے غلاموں نے گلا گھونٹ کر مصطفیٰ کو ہلاک کر دیا۔ سلیمان ایک پردے کے پیچھے چھپا یہ منظر دیکھتا اور قاتلوں کو اپنا کام پورا کرنے کے احکامات دیتا رہا۔

مصطفیٰ کے قتل پر ینی چری اتنے مشتعل ہوئے کہ بغاوت کا خطرہ کھڑا ہو گیا۔ تاہم سلیمان نے ان کی تنخواہوں میں بہت زیادہ اضافہ کر کے اور رستم پاشا کو وزارتِ عظمیٰ سے ہٹا کر ان کو ٹھنڈا کیا۔ رستم پاشا کی جگہ احمد پاشا کو وزیراعظم بنایا گیا۔ جب مصطفیٰ کے قتل کی خبر حلب میں شہزادہ جہانگیر کو ملی تو اس کو اتنا صدمہ ہوا کہ وہ بیمار پڑ گیا اور آخرِ کار اسی سال 27ر دسمبر کو مر گیا۔ اس کی لاش کو تدفین کے لیے واپس استنبول لایا گیا۔ سلیمان نے سنان کو حکم دیا کہ جہانگیر کی یادگار کے طور پر ایک مسجد تعمیر کروائے۔ اس مسجد کو زیریں بحیرۂ باسفورس کے یورپی ساحل پر تعمیر کیا گیا۔ وہ علاقہ آج بھی اس کے نام سے موسوم ہے۔

مصطفیٰ کو قتل کروانے کے بعد سلیمان ایران پر حملے کے لیے دوبارہ روانہ ہوا۔ نومبر 1555ء میں وہ اپنی فوج کی قیادت کرتا ہوا حلب میں داخل ہوا۔ انگریز سیاح انتھونی جینکنسن نے ایک رنگا رنگ نظارہ دیکھا۔ سلطان سے پہلے گزرنے والے ''بارہ ہزار فوجیوں ...... سولہ ہزار ینی چریوں ...... اور ایک ہزار غلاموں'' کی فہرست گنوانے کے بعد جینکنسن سلیمان اور اس کے ساتھیوں کی آمد کا احوال یوں بیان کرتا ہے:

''ان کے فوری بعد عظیم ترک خود انتہائی کروفر کے ساتھ آیا۔ اس کی ہر جنبش سے حشمت وجلال جھلکتا تھا۔ اس کے دونوں طرف سونے کے لباس میں ملبوس غلام تھے۔ وہ سفید گھوڑے پر سوار تھا' جس کی لگام سونے کی تھی' جس پر انتہائی قیمتی پتھر جڑے ہوئے تھے۔ اس نے سر پر سفید پگڑی باندھی ہوئی تھی' جس کی لمبائی اندازاً پندرہ گز تھی۔ پگڑی ریشم اور لینن کی تھی۔ اس کے تاج پر شترمرغ کا ایک چھوٹا پر لگا ہوا تھا۔ اس کے پیچھے چھ دوشیزائیں تھیں' جو سفید گھوڑوں پر سوار تھیں۔ انہوں نے مردانہ لباس پہنا ہوا تھا' جس پر موتی ٹنکے ہوئے تھے۔ انہوں نے جو ٹوپیاں سروں پر رکھی ہوئی تھیں' ان پر سونے کا کام کیا گیا تھا۔ ان کے دونوں کانوں پر ان ٹوپیوں کے کونے لہرا رہے تھے۔ ہر دوشیزہ کے دونوں طرف ایک ایک خواجہ سرا تھا اور ان کے ہاتھوں میں چھوٹی کمانیں تھیں۔''

## محبوبہ کا مرثیہ

روکسیلانا 15/ مارچ 1558ء کو مرگئی۔ اسے مسجدِ سلیمانیہ میں اس کے لیے بنوائے گئے مقبرے میں دفنایا گیا۔ اس کی موت پر وقائع نویس حیرت ناک انداز میں لب بستہ ہیں۔ کسی نے بھی سلیمان کے اپنی محبوب بیوی کی وفات پر ردِعمل کو درج نہیں کیا۔ تاہم روکسیلانا کی موت کے بعد اس نے ایک نظم کہی' جس میں اپنی محبوبہ کے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھوڑ جانے پر اس نے اپنے جذبات کا اظہار یوں کیا تھا:

میں غموں کے پہاڑ پر مضمحل پڑا ہوں
اور دن رات آہیں بھرتا رہتا ہوں'
میں سوچتا ہوں کہ اپنی محبوبہ کے چلے کے بعد
میں کیوں زندہ ہوں؟''

روکسیلانا کی موت کے بعد اس کے بیٹے سلیم اور بایزید میں جنگ شروع ہوگئی۔ وہ دونوں اس لیے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوگئے تھے تاکہ ایک کے مرنے کے بعد دوسرا سلیمان کا ولی عہد بن جائے۔ سلیمان بایزید کے باغیانہ رویے پر اس سے متنفر ہوگیا۔ اس نے سوکولو محمد پاشا کی قیادت میں ینی چریوں اور شاہ سواروں کی ایک فوج سلیم کی مدد کے لیے بھیج دی۔ سلیم نے مئی 1559ء میں قونیہ کے نزدیک جنگ میں اپنے بھائی کو شکست دے دی۔ بایزید فرار ہوکر ایران کے شاہ طہماسپ کے دربار میں چلا گیا۔ طویل مذاکرات کے بعد سلیمان نے طہماسپ کو قائل کرلیا کہ وہ بایزید اور اس کے ساتھ اس کے چار بیٹوں کو قتل کروا دے۔ بایزید کا

ایک پانچواں بیٹا بھی تھا۔ اس کی عمر تین سال تھی اور وہ اپنی ماں کے ساتھ برصہ میں رہ گیا تھا۔ سلیمان نے اسے بھی قتل کرنے کے احکامات جاری کیے۔ وینس کے سفیر کا سیکرٹری مارکنٹونیو سلیمان کے اپنے احکامات کی تعمیل ہو جانے کی خبر ملنے پر ردعمل کے بارے میں لکھتا ہے:

"کہا جاتا ہے کہ ان کی موت پر اس نے ہاتھ جوڑ کر آسمان کی طرف دیکھا اور بولا: "خدایا تیرا شکر ہے کہ میں مسلمانوں کو اس مصیبت سے نجات پاتا دیکھنے کے لیے زندہ ہوں جو میرے بیٹوں میں تاج وتخت کے لیے جنگ چھڑنے سے ان پر نازل ہوئی۔ اب میں اپنی زندگی سکون سے گزار سکتا ہوں۔"

بسبیک لکھتا ہے کہ اب سلیمان کس طرح زیادہ سے زیادہ مذہبی اور توہم پرست ہوتا جا رہا تھا۔ اس کی بظاہر وجہ یہ تھی کہ اب اُسے قبر سامنے نظر آ رہی تھی اور اس پر وہ شدید متفکر ومضطرب تھا:

"سلطان روز بروز زیادہ سے زیادہ مذہبی ہوتا جا رہا ہے' بالفاظ دیگر زیادہ توہم پرست ہوتا جا رہا ہے۔ اس کے پاس کم عمر لڑکوں کا ایک طائفہ ہوا کرتا تھا' جو گا نے گا کر اور ساز بجا کر اس کا دل بہلایا کرتا تھا مگر اب اس نے یہ سلسلہ ختم کر دیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ایسا اس نے ایک اللہ والی خاتون کی اس تنبیہ کے بعد کیا تھا کہ اگر اس نے اسے ترک نہیں کیا تو آئندہ زندگی میں سخت عذاب اس کا انتظار کر رہا ہے۔ اس نے اسی وقت ساز توڑ کر انہیں نذرِ آتش کروا دیا' حالانکہ ان پر سونے کا عمدہ کام کیا گیا تھا اور نہایت قیمتی ہیرے جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ پہلے وہ چاندی کے برتنوں میں کھانا کھایا کرتا تھا مگر کسی نے اسے غلط قرار دیا اور اب وہ مٹی کے برتنوں میں کھاتا پیتا ہے۔"

اس زمانے میں سلیمان کی وضع قطع اور صحت کے بارے میں ڈونینی لکھتا ہے:

"بادشاہ بہت کم کھاتا ہے۔ وہ کئی ماہ سے ایسا کر رہا ہے۔ اس وجہ سے اس کی ٹانگیں سوج گئی ہیں' بھوک ختم ہو گئی ہے اور چہرا بھی سوج گیا ہے اس کا رنگ بہت خراب ہو گیا ہے۔ گزشتہ مارچ میں اسے چار پانچ مرتبہ دورے پڑے۔ ایک مرتبہ تو اس کے خادم یہ سمجھے کہ شاید وہ مر گیا ہے۔ اس کی حالت بہت خراب اور زندہ بچنے کے توقع بہت کم تھی۔ عام خیال یہی ہے کہ وہ جلد ہی مر جائے گا' حالانکہ اس کے طبیب ہر ممکن دوا علاج سے اُسے بچانے کی سر توڑ کوششیں کر رہے ہیں۔"

سلطان خراب صحت کے باوجود فوج کی قیادت میں ہنوز مستحکم تھا۔ پورا عیسائی یورپ اس شخص سے خوفزدہ اور لرزہ براندام تھا' جس کو وہ سلیمان عالیشان کہتا تھا۔ (ترک سلیمان کو ''قانونی'' کہتے تھے کیونکہ وہ پہلا عثمانی حکمراں تھا جس نے دیوانی قوانین کا مجموعہ تیار کروایا تھا اور اسے مذہبی قوانین سے ہم آہنگ بنایا تھا)۔

بسبیک ترکی سے اپنے آخری خط کے آخر میں سلیمان کی پرجلال قوت واقتدار کے حوالے سے لکھتا ہے:

''سلیمان ہمارے سامنے اس رعب وجلال کے ساتھ کھڑا ہے' جو اس میں اس کی اور اس کے آباؤاجداد کی فتوحات سے پیدا ہوا ہے۔ اس نے ہنگری کے میدان کو دو لاکھ شاہسواروں کے ساتھ روند ڈالا۔ اس نے آسٹریا کو دہشت زدہ کر رکھا ہے۔ اس نے باقی ماندہ جرمنی کو لرزہ براندام کیا ہوا ہے۔ اس کی فوج میں ترکی سے لے کر ایرانی سرحد تک کی تمام قومیتوں کے لوگ شامل ہیں۔ وہ ایک ایسی فوج کا سربراہ جس کو کئی بادشاہتوں کی طرف سے وسائل مہیا کیے جاتے ہیں' ہر کوئی ہماری تباہی میں اپنا حصہ ڈالنے کا خواہاں ہے۔ اس کے راستے میں جو بھی آتا ہے وہ آسمانی بجلی کی طرح اسے جلا کر راکھ کر دیتا ہے۔ وہ ایک انتہائی اعلیٰ تربیت یافتہ اور بہادر فوج کا سالار ہے' ایسی فوج جسے اس کی قیادت پر بھروسہ ہے۔ اس نے دور دور تک اپنے نام کی دہشت پھیلا دی ہے۔ وہ ہماری سرحدوں پر کسی شیر کی طرح دھاڑتا ہے۔ وہ انہیں توڑنے کے لیے راستے ڈھونڈتا رہتا ہے' کبھی یہاں سے' کبھی وہاں سے......''

بسبیک نے یہ خط 1562ء کے موسم خزاں میں لکھا تھا۔ سلیمان نے 1565ء میں مالٹا میں نائٹس آف سینٹ جان کے قلعے پر ایک بہت بڑا حملہ کیا' تاہم یہ حملہ بری طرح ناکام ہوگیا۔ سلیمان نے اس شکست کی وجہ یہ قرار دی کہ وہ مالٹا کی مہم میں خود فوج کی قیادت نہیں کر رہا تھا۔ اس نے کہا: ''صرف میری قیادت میں میری فوج فتح پاتی ہے!''

## بستر مرگ پر فتح

علی پاشا' جو کہ جولائی 1561ء میں رستم پاشا کی موت کے بعد سے وزیراعظم چلا آرہا تھا' 1565ء کے اواخر میں فوت ہوگیا۔ اس کی جگہ سوکولو محمد پاشا کو وزیراعظم بنایا گیا' جس نے فوری طور پر ہنگری پر حملہ کرنے کی تیاریاں شروع کروا دیں۔ سلیمان نے دس برس سے زیادہ عرصے سے میدان جنگ میں اپنی فوج کی قیادت نہیں کی تھی اور وہ اپنی قیادت میں عثمانی

فوج کی ایک اور فتح کے ذریعے مالٹا میں ناکامی کی یادوں کو مٹانا چاہتا تھا۔ وہ گھوڑے پر سوار نہیں ہوسکتا تھا اور جب یکم مئی 1566ء کو فوج استنبول سے روانہ ہونے کے لیے تیار تھی تو اسے سہارا دے کر گھوڑا گاڑی میں بٹھایا گیا۔

اس مہم کا بنیادی مقصد جنوبی ہنگری میں زیگیڈ پر قبضہ کرنا تھا' جس کا حکمراں کاؤنٹ نکولس زرینی تھا۔ عثمانی فوج 15 راگست کو زیگیڈ پہنچی۔ انہوں نے شہر کا محاصرہ کر کے زرینی کو قلعہ بند ہونے پر مجبور کردیا۔ بالآخر 7 رتمبر 1566ء کو قلعے پر قبضہ کرلیا گیا اور زرینی مایوسی کے عالم میں باقی ماندہ فوج کے ساتھ ترکوں پر حملہ آور ہوا مگر گرفتار ہوا اور اسے توپ دم کردیا گیا۔

## سلیمان عالیشان کی وفات

سلیمان زیگیڈ کو فتح ہوتا نہیں دیکھ سکا' کیونکہ وہ 5 اور 6 رتمبر کی درمیانی رات دل کا دورہ پڑنے سے اپنے خیمے میں فوت ہوگیا تھا۔ اس وقت صرف سلیمان کا معالج اور وزیر اعظم سوکولو محمد پاشا موجود تھے' جنہوں نے سلیمان کی موت کے بارے میں کسی کو اطلاع نہیں دی۔ سلیمان لاش کو حنوط کروانے کے بعد سوکولو نے معالج کو قتل کردیا تاکہ وہ کسی کو بتانے کے لیے زندہ ہی نہ رہے۔ اس کے بعد اس نے قاصد بھیج کر سلیم کو اناطولیہ میں اطلاع کی' جو وہاں صوبائی گورنر تھا۔ اس نے سلیم کو مشورہ دیا کہ جب فوج واپس آرہی ہو تو وہ اس سے آملے تاکہ جتنی جلد ممکن ہو کنٹرول سنبھال سکے۔ اس دوران سوکولو نے یہ خبر صرف اپنے بااعتماد معتمد (Secretary) فریدون بے ہی کو بتائی۔ فریدون بے کے علاوہ اس نے سلطان کے شمشیر بردار جعفر آغا کو آگاہ کیا۔ باقی سب کو شاہی خیمے سے دور رکھا گیا۔ اس دوران جعفر آغا سلیمان کے جعلی دستخطوں سے احکامات جاری کرتا رہا۔ فوج کو حکم دیا گیا کہ وہ بلغراد کے راستے استنبول واپس روانہ ہو۔ سلیمان کی لاش کو ایک گھوڑا گاڑی میں رکھ دیا گیا۔ سوکولو گھوڑے پر سوار اس کے پیچھے موجود رہا۔ فریدون بے نے زیگیڈ کی مہم کا جو باتصویر احوال لکھا ہے' اُس میں بھی یہ منظر دکھایا گیا ہے۔ ہر پڑاؤ پر سلطان کے تخت نشیں ہونے کا ڈراما کیا جاتا اور وزیر اعظم خیمے کے باہر سے پکار کر باریابی کی اجازت طلب کرتا تاکہ حسب معمول تازہ ترین صورتحال سے سلطان کو آگاہ کر سکے اور اُس سے احکامات حاصل کرے۔

سلیم بلغراد کے قریب فوج سے آملا اور تب فوجیوں کو سلیمان کی موت کا علم ہوا۔ جب فوج استنبول پہنچی تو ینی چریوں نے بغاوت کر دی اور زیادہ تنخواہ اور مراعات کے مطالبے

کرنے لگے۔ سلیم نے ان کے مطالبے پورے کر دیئے۔ توپ کاپی سرائے پہنچنے کے اگلے روز سلیم نے اپنے باپ کو مسجدِ سلیمانیہ میں دفن کروادیا۔

سلیمان کو اس خوبصورت تربت میں دفن کیا گیا' جو سنان نے مسجد کے عقب میں تعمیر کروائی تھی۔ سلیمان کی قبر اس کی بیوی اور سلیم کی ماں روکسیلانا کی قبر کے ساتھ ہے۔ ان دونوں کے مقبرے سرو کے دلکش درختوں کے سائے تلے پہلو بہ پہلو دیکھ کر سلیمان کی روکسیلانا کی محبت میں لکھی گئیں نظموں میں سے ایک نظم کا شعر ذہن میں گونج جاتا ہے:

اچانک میری نظر اس پر پڑی
وہ کسی نازک سرو کی طرح کھڑی تھی

## پانچواں باب

# عورتوں کی سلطنت

## سلطان سلیم مدہوش

سلیم کی عمر اس وقت بیالیس برس تھی جب وہ اپنے باپ سلیمان کی وفات کے بعد تخت نشین ہوا۔ وہ گیارہواں عثمانی سلطان جبکہ استنبول کا پانچواں عثمانی حاکم تھا۔

جب سلیم نے 1543ء میں منیسا کی گورنری سنبھالی تھی تو اس وقت اس کی عمر انیس برس تھی۔ وہاں اس نے اپنا حرم بنایا جہاں وہ اپنی محبوبہ نوربانو کے ساتھ رہتا تھا' جو اس کی پہلی بیوی تھی۔ نوربانو وینس کے دو نواب گھرانوں کی اولاد تھی۔ ترکوں نے 1537ء میں اُسے ایجیئن جزیرے پیروس سے اغوا کیا تھا۔ اس وقت اس کی عمر بارہ سال تھی۔ تب اسے استنبول لایا گیا اور وہ توپ کاپی سرائے میں کنیز کے طور پر رکھی گئی۔ جب اسے سلیم کے حرم کے لیے منتخب کیا گیا تو نوربانو کا نام دیا گیا۔ نوربانو نے تین سال کے عرصے میں سلیم کے چار بچوں کو جنم دیا۔ پہلی تین لڑکیاں تھیں ...... خاجا گیویری' اسماہان اور شاہ سلطان۔ ان کے بعد سلیم کا پہلا بیٹا پیدا ہوا تھا' جو مستقبل میں مراد سوم کہلایا۔ وہ منیسا میں 4 رجولائی 1546ء کو پیدا ہوا تھا۔

سلیم کو ''سرہوش'' یعنی ہمیشہ نشے میں بدمست رہنے والا کہا جاتا تھا۔ وہ آج بھی اسی خطاب سے مشہور ہے۔ نولیس لکھتا ہے: ''اس کی کاٹھی پست تھی۔ وہ خشک مزاج تھا۔ اس کا چہرہ موٹا نہیں بلکہ سوجا سوجا سا تھا' جیسے شرابیوں کا چہرہ ہوتا ہے۔''

سلیم نے سوکولو محمد پاشا کو وزیراعظم رہنے دیا اور اسے حکومت کا مکمل انتظام سونپ دیا۔ سلیم چاہتا تھا کہ وہ کسی حکومتی معاملے سے پریشان ہوئے بغیر حرم میں عیش و عشرت کرے۔ جیسا کہ سفیر لورینزو برنارڈو نے لکھا ہے:

''سلطان سلیم کا خیال تھا کہ کسی بادشاہ کی حقیقی سعادت عسکری مشقتوں اور فوجی مہمات میں نہیں بلکہ آرام وسکون اور حسّی لذتوں میں' عورتوں اور مسخروں سے بھرے محلات کی مسرتوں میں اور ہیرے جواہرات' محلات میں اور شاندار عمارتیں تعمیر کروانے میں ہوتی ہے۔''

1573ء میں فرانسیسی سفارتخانے کے ایک رکن فلپ ڈوفریسنی کینی نے لکھا ہے کہ ان تین مہینوں میں کہ جب وہ استنبول میں تھا سلطان صرف دو مرتبہ جمعے کی نماز ادا کرنے کے لیے محل سے نکلا۔ ایڈرین محل میں کبھی کبھار تفریح کرنے کے علاوہ سلیم سارا سال توپ کاپی سرائے ہی میں رہا کرتا تھا اور بیشتر وقت حرم میں گزارتا تھا۔ سفیر کونسٹینٹینو گارزونی لکھتا ہے کہ ''سلیم ہر رات لذت اندوزی کے لیے سیرالیو (حرم سرا Seraglio) میں جاتا ہے۔ وہ اپنے باغات میں بنے ایک دروازے سے حرم سرا کو جاتا ہے۔'' گارزونی کے بقول حرم میں ڈیڑھ سو عورتیں رہتی تھیں' جن میں سلطان کی بیویاں' کنیزیں' خاتون خدمتگار اور دیگر خادمائیں شامل تھیں۔

## حرم سرا کا احوال

حرم کی عورتوں کو دو الگ الگ طبقوں میں بانٹا گیا تھا۔ زیریں طبقہ خادماؤں پر مشتمل تھا' جو زیادہ تر حرم کے روزمرہ کے گھریلو کام نمٹاتی تھیں۔ ان عورتوں کو ان کی ہنرمندی اور تجربے کی بنیاد پر مختلف منصب دیئے گئے تھے۔ نوآموزوں کو چیراک اور تجربہ کاروں کو کالفا یا اُستا کہا جاتا تھا۔ کنیزوں کو وقت کے ساتھ ساتھ ترقی دی جاتی تھی اور ریٹائرمنٹ کے وقت ان کی تنخواہیں بہت زیادہ ہوتی تھیں۔ سلطان ان عورتوں سے شاذ و نادر ہی جسمانی تعلق قائم کرتا تھا۔ تاہم اس امر کا ہمیشہ امکان ہوتا تھا کہ وہ اسے پسند آ جائیں اور اس کے بستر کی زینت بنیں۔

حرم کی عورتوں کا اعلیٰ ترین طبقہ گیڈیکیلر کہلاتا تھا۔ ان کا انتخاب ان کے حسن و جمال اور دیگر صلاحیتوں کی بنا پر کیا جاتا تھا۔ وہ عموماً موسیقار' مغنیہ اور رقاصہ ہوتی تھیں۔ پہلے ان لڑکیوں کو حرم کی بڑی عمر کی عورتوں سے تربیت دلوائی جاتی تھی۔ ان عورتوں کو کایا کادن کہا جاتا تھا۔ وہ سلطان سے ان لڑکیوں کو متعارف کروائے جانے کے لیے انہیں لباس پہناتیں اور ہدایات دیتیں۔ اگر سلطان ان میں سے کسی کو اپنی کنیز کے طور پر منتخب کرلیتا تو اسے ''گوزدے'' کا خطاب دے دیا جاتا' جس کا لفظی مطلب ہے: ''منتخب عورت''۔ اس کے بعد

اس عورت کو الگ رہائشی کمرہ مل جاتا اور حمام کی نگران' لباسوں کی نگران اور خزانے کی نگران اسے سلطان سے ملنے کے لیے تیار کرواتیں۔ اگر سلطان کے ساتھ پہلی رات گزارنے کے بعد وہ اُس کی منظورِنظر بن جاتی تو اسے ''اقبال'' کا خطاب مل جاتا۔ مغرب میں ایسی عورتوں کو اوڈے لسک (Odelisque) کہا جاتا ہے' جو ترک لفظ "ODE" یعنی ''کمرہ'' سے بنایا گیا ہے۔ اوڈے لسک میں کمرہ سے مراد سلطان کی خواب گاہ ہوتی ہے۔ اگر سلطان کی منظورِنظر ''ہاسیکی'' اس کے بچے کو جنم دیتی اور اگر وہ سلطان کا سب سے بڑا زندہ بیٹا ہوتا تو اس عورت کو ''بیرنجی کا دن'' کا خطاب مل جاتا۔ اگر اس کا بیٹا باپ کے بعد تخت نشین ہوتا تو اسے ''والدۂ سلطان'' کا خطاب ملتا۔

1605ء سے 1607ء تک استنبول میں وینس کے سفیر رہنے والے اوٹاویا نو بون نے توپ کاپی سرائے کے حرم کا تفصیلی احوال بیان کیا ہے۔ بون بتاتا ہے کہ کیسے نوجوان لڑکیوں کو سلطان کے حرم میں داخل کیا جاتا۔ اس کے بعد ''انہیں ترکی زبان بولنے' سمجھنے اور لکھنے پڑھنے کے لیے سکول بھیجا جاتا۔ اس کے علاوہ انہیں سینا پرونا اور مختلف ساز بجانے بھی سکھائے جاتے تھے۔'' وہ بتاتا ہے کہ ''انہیں کئی کئی گھنٹے تفریح کرنے کی اجازت ہوتی تھی۔ اس دوران وہ باغوں میں چہل قدمی کرتیں اور طرح طرح کے کھیل کھیلا کرتی تھیں۔''

سلیم کے حرم کی سربراہ نور بانو تھی' جو اس کے سب سے بڑے بیٹے اور ولی عہد مراد کی ماں ہونے کی وجہ سے ''پہلی بیوی'' کے خطاب کی حامل تھی۔ وہ سلیم کی ''ہاسیکی'' یعنی منظورِنظر تھی اور وہ اسے بہت پیار کرتا تھا جیسا کہ سفیر جیکو پو سورانزو نے 1566ء میں لکھا ہے: ''کہا جاتا ہے کہ سلطان اپنی ہاسیکی کو اس کی ذہانت اور حسن و جمال کی وجہ سے بہت زیادہ چاہتا ہے۔'' 1559ء میں فاطمہ کی پیدائش کے بعد نور بانو نے سلیم کے کسی بچے کو جنم نہیں دیا۔ سلطان بننے کے بعد سلیم نے اپنے حرم میں بہت سی کنیزوں کو شامل کر لیا تھا' جن کے بطن سے اس کے مزید آٹھ بچے پیدا ہوئے۔ ان میں چھ لڑکے تھے۔ اس کے باوجود نور بانو ہی اس کی منظورِنظر رہی جیسا کہ 1573ء میں سفیر اینڈریا بیڈ درا تے اس کے بارے میں لکھا: ''اسے ہاسیکی کہا جاتا ہے اور بادشاہ اُسے بہت محبت کرتا ہے۔''

تیسری پہاڑی پر واقع پرانے محل ''ایسکی سرائے'' کو ''آنسوؤں والا محل'' بھی کہا جاتا تھا کیونکہ یہاں مرحوم سلطانوں کے حرموں کی عورتیں اور ان کے بچے رہا کرتے تھے۔ جو عورتیں کسی سلطان کی بیویاں یا کنیزیں رہی ہوتی تھیں وہ عموماً اپنی زندگی کے باقی سارے ایام

پرانے محل میں گزارتی تھیں، تاہم جو عورتیں اوڈے لسک نہیں ہوتی تھیں، انہیں عثمانی حکام سے بیاہ دیا جاتا تھا۔ بون کے بقول پرانے محل میں سلطان کے لیے بھی مخصوص رہائشی کمرے تھے، جہاں وہ تب قیام کرتا جب اپنے خاندان کی عورتوں سے ملنے آتا، جن کو کہ پرانے محل میں دھکیل دیا گیا ہوتا تھا۔

سلطان کے حرم کی عورتوں کی کڑی نگرانی کی جاتی تھی۔ بون بتاتا ہے اگر وہ کوئی قانون شکنی کرتیں تو انہیں کتنی سخت سزا ملتی تھی:

''حرم سرا کی عورتوں کو غلطی کرنے پر بہت سخت سزا ملتی ہے۔ ان کی نگران انہیں بری طرح پیٹتی ہیں۔ اگر وہ نافرمان، کندۂ ناتراش اور غیر مہذب ثابت ہوتیں تو انہیں سلطان کے واضح احکامات کے تحت پرانے حرم میں بھیج دیا جاتا تھا۔ انہیں مسترد شدہ، ٹھکرائی ہوئیں اور پست تصور کیا جاتا تھا۔ ان کے پاس جو کچھ ہوتا چھین لیا جاتا۔ اگر ان پر ساحرہ ہونے کا شبہ ہوتا تو ان کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اور ایک بوری میں بند کر کے رات کے وقت سمندر میں غرق کر دیا جاتا تھا۔''

بون اپنی کتاب کے حرم کی عورتوں والے باب ''شہوت سے پرہیز'' میں لکھتا ہے:

> ''حرم میں کسی بھی ایسی چیز کا جانا قانوناً ممنوع ہے جس سے کسی حیوانی اور غیر فطری غلاظت کا امکان ہو لہٰذا اگر وہ مولی، کھیرا، ککڑی، وغیرہ کھانا چاہتی ہوں تو ان کی قاشیں بنا کر اندر بھیجی جاتی ہیں۔ اس کا مقصد انہیں کسی قسم کی بھی کجروی سے باز رکھنا ہوتا ہے، کیونکہ وہ سب کم عمر، شہوت سے معمور اور پُر شباب دوشیزائیں ہوتی ہیں اور مردوں کی صحبت کی شدید آرزومند......''

سلطان سلیم دوم کے حرم کی عورتوں پر اٹھارہ سیاہ فام خواجہ سرا پہرا دیا کرتے تھے۔ مراد سوم کے زمانے میں سیاہ فام خواجہ سراؤں کا سربراہ کزلر آغاسی اندرونی ملازموں میں سب سے زیادہ بااختیار بن گیا تھا۔ اس کے تمام ماتحت خواجہ سرا گھوڑا گاڑی والے دروازے کے اندر دروازے کے ساتھ ہی بنی ہوئیں تین منزلہ بیرکوں میں رہتے تھے۔ گھوڑا گاڑی والا دروازہ دوسرے صحن سے حرم میں داخل ہونے کا مرکزی راستہ تھا۔ سیاہ فام خواجہ سراؤں کے سربراہ کی نجی رہائش گاہ کشان کاپیسی یعنی چڑیا خانے والے دروازے کے اندر دروازے کے ساتھ ہی واقع تھی۔ چڑیا خانے والا دروازہ تیسرے صحن سے حرم میں داخلے کا راستہ تھا۔ سیاہ

فام خواجہ سراؤں کا سربراہ اپنی رہائش گاہ میں نوجوان شہزادوں کے بالغ ہونے پر محل کے سکول جانے سے پہلے انہیں پڑھایا کرتا تھا۔

## خواجہ سرا

خواجہ سراؤں کو نوجوانی میں غلاموں کی مارکیٹ سے لایا جاتا تھا اور انہیں آختہ (Castrate) کردیا جاتا تھا۔ سیاہ فام خواجہ سرا عموماً نوبیا سے اور سفید فام خواجہ سرا سرکیشیا سے لائے جاتے تھے۔ بون لکھتا ہے کہ سیاہ فام اور سفید فام خواجہ سراؤں کو محل کے سکول میں دیگر طلباء کے ساتھ تعلیم وتربیت دی جاتی تھی۔ وہ سیاہ فام خواجہ سراؤں کو دیئے جانے والے ناموں کا بھی تذکرہ کرتا ہے:

> ''انہیں پھولوں کے ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے مثلاً نرگس' گلاب' سنبل وغیرہ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ عورتوں کی خدمت پر مامور ہوتے تھے اور ہمیشہ ان کے نزدیک رہتے تھے۔ خیال تھا اگر ان کے نام مردانہ ہوں گے تو اس سے کنواری' پیاری اور پاک عورتوں کے جذبات انگیخت ہوسکتے ہیں۔''

بیان کیا جاتا ہے کہ سیاہ فام خواجہ سراؤں میں آختگی کے بعد بھی جنسی صلاحیت کبھی کبھار باقی رہ جایا کرتی تھی۔ اس حوالے سے اٹھارہویں صدی کے ترک وقائع نگار علی سیدی بے نے ایک قصہ بیان کیا ہے۔ اس کا دعویٰ تھا کہ اس نے یہ قصہ محل کے محافظوں میں شامل اپنے ایک دوست سے سنا تھا:

> ''یہ میری آنکھوں دیکھی حقیقت ہے' یہ سیاہ فام بدکار اتنے دغاباز ہوتے ہیں کہ وہ کسی کنیز پر عاشق ہوجاتے ہیں اور اپنی ساری کمائی ان پر خرچ کردیتے ہیں۔ تم ضرور پوچھ سکتے ہو کہ جو کنیزیں خواجہ سراؤں کے ساتھ تعلق قائم کرتی ہیں کیا وہ کوئی لذت بھی پاتی ہیں؟ استنبول میں مشہور ہے کہ کنیزیں ان سے لذت حاصل کرتی ہیں۔ ہماری یونٹ کے دو فوجیوں نے محل کی دو کنیزوں سے شادی کی تھی۔ انہوں نے شادی کے دو ہفتے بعد ہی انہیں طلاق دے دی کیونکہ کنیزوں نے اپنے شوہروں کو بتایا تھا: ہمیں تمہارے ساتھ تعلق میں ویسا لطف نہیں آتا جیسا کہ ہم سیاہ فام خواجہ سراؤں سے حاصل کیا کرتی تھیں۔''

سلطان نے مسخرے' بھانڈ' گونگے غلام اور گانے بجانے والے بھی ملازم رکھے تھے' جیسا کہ بون بیان کرتا ہے:

''محل میں مسخرے اور بھانڈ' مداری' گانے بجانے والے' پہلوان اور بوڑھے اور جوان گونگے غلام بھی ہیں۔ انہیں کاپی آغا کی اجازت سے شاہی دروازے سے آنے جانے کی آزادی ہے۔ سلطان اور گونگے غلام آپس میں سر اور ہاتھ کے اشاروں سے اس طرح گفتگو کرتے ہیں گویا زبان سے بول رہے ہوں۔ یہ امر ترکوں کے لیے بے حد مرغوب ہے کیونکہ وہ زیادہ بولنے کو پسند نہیں کرتے ہیں۔ سلطان اور اس کی عورتیں بھی آپس میں اشاروں کی زبان میں باتیں کرتے ہیں۔ حرم میں بہت سی گونگی بہری عورتیں اور لڑکیاں بھی موجود ہیں۔''

بون بتاتا ہے کہ سلطان بعض اوقات ان گونگے غلاموں اپنے کسی ناپسندیدہ وزیر کو قتل کروانے کے لیے بھی استعمال کیا کرتا تھا۔ ایسی صورت میں:

''وہ ایسے وزیر کی طرف صرف اشارہ کردیتا اور وہ فوراً اُسے پچھاڑ لیتے اور اس کا گلا دبا کر مار دیتے اور پھر پیروں سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے دروازے سے باہر لے جاتے۔''

سلیم دوم کے عہدِ حکومت کو عثمانی تاریخ میں ''کادینلر سلطنت'' یعنی عورتوں کی سلطنت کہا جاتا ہے۔ اس دوران حرم کی متعدد بااختیار اور پُرعزم عورتوں نے ریاستی معاملات میں قابلِ لحاظ کردار ادا کیا۔ نور بانو حرم پر حاوی ہو جانے والی ایسی مضبوط ارادے والی عورتوں میں سے پہلی تھی۔ وہ سلیم کے پورے دورِ حکومت میں اس کے پس پردہ حکومت کرتی رہی۔ اس کے علاوہ اس نے اپنے بیٹے مراد سوم کی حکمرانی کے اولین برسوں میں بھی پس پردہ حکومت کی۔ اس نے فرانس کے بادشاہ ہنری سوم کی ماں مادر ملکہ کیتھرین ڈی میڈیسی کے ساتھ خط کتابت کی اور فرانسیسی اور عثمانی درباروں میں اچھے تعلقات کو فروغ دیا۔

سوکولو محمد پاشا کا دربار میں سب سے بڑا دشمن جوزف ناسی تھا' جسے دراصل جو آؤ میکیز کے نام سے جانا جاتا تھا۔ وہ ایک دولت مند پرتگیزی یہودی تھا' جو پہلے پہل سلیمان کے دورِ حکومت کے آخری برسوں میں استنبول آیا تھا۔ ناسی جلد ہی سلیم کا گہرا دوست بن گیا' جو اس وقت صوبائی گورنر تھا۔ ناسی نے اُسے سونے کے زیورات اور ہیرے پیش کر کے اس کا دل جیت لیا تھا۔ جونہی سلیم تخت نشیں ہوا اُس نے ناسی کو ڈیوک آف نیکسوس بنا دیا۔ نیکسوس ایک ایجیئن جزیرہ تھا' جسے ترکوں نے وینس سے چھینا تھا۔ ناسی اپنا عہدہ سنبھالنے کبھی نیکسوس نہیں

گیا کیونکہ اسے تو استنبول میں اس سے بھی زیادہ اہم معاملات نمٹانا تھے۔ سلطان سلیم کے ساتھ قربت کی وجہ سے اُسے سلطنت میں شراب کی تجارت پر اجارہ داری حاصل ہوگئی۔ ناسی ہمیشہ سلیم کو اعلیٰ درجے کی شرابوں کے تحفے پیش کرتا رہتا تھا۔ جیسا کہ وینس کے ایک گمنام سفیر نے لکھا:

> ''بادشاہ شراب بہت زیادہ پیتا ہے...... ڈان جوزف اکثر و بیشتر اُسے شراب کی بوتلیں بھیجتا ہے۔ وہ ان کے ساتھ دیگر اشیائے لذت بھی بھیجتا ہے۔''

## قبرص کی فتح

سلیم کے سلطان بننے سے پہلے ہی سے ناسی اُسے قائل کرتا آ رہا تھا کہ عثمانیوں کو قبرص پر قبضہ کر لینا چاہیے' جو کہ اس وقت وینس کے قبضے میں تھا۔ وہ اسے قبرص کے خزانوں اور مشہور شرابوں کا لالچ دیا کرتا تھا۔ سلیم نے ناسی سے وعدہ کیا تھا اگر اس نے قبرص کو فتح کر لیا تو اُسے قبرص کا بادشاہ بنا دے گا۔

1571ء کے موسمِ بہار کے اوائل میں سلیم نے اپنی فوجوں کو قبرص پر حملہ کرنے کا حکم دیا حالانکہ سوکولو محمد پاشا نے اس اقدام کی مکمل مخالفت کی تھی۔ مہم کامیاب رہی جزیرے پر وینس کا آخری قلعہ یکم اگست 1571ء کو فتح کر لیا گیا۔ قبرص پر اس وقت سے شروع ہونے والا عثمانی تسلط تین صدیوں تک برقرار رہا۔ تاہم قبرص کا بادشاہ بننے کی ناسی کی امید کبھی پوری نہیں ہوئی کیونکہ سوکولو نے سلیم کو قائل کر لیا تھا کہ وہ اپنے یہودی منظورِ نظر سے پیچھا چھڑا لے۔ ناسی مایوسی کے عالم میں 1579ء میں مر گیا۔

سلیم نے اپنی زندگی کے آخری برس زیادہ تر اپنی دایہ شمس احمد پاشا کی ماں کے ساتھ گزارے۔ جیسا کہ سفیر گارزونی نے 1573ء میں لکھا: سلطان اپنا زیادہ تر وقت احمد پاشا کی ماں کے ساتھ شطرنج کھیلتے ہوئے گزارتا ہے۔ یہ ایک بوڑھی عورت ہے جو پہلے سلطان کی دایہ ہوتی تھی۔'' شاہی دایہ کو ''سوت ننا'' یعنی رضاعی ماں بھی کہا جاتا تھا۔ اسے حرم میں ایک محترم حیثیت حاصل ہوتی تھی۔ سلطان فاتح کی دایہ جسے صرف دایہ خاتون کے نام سے جانا جاتا تھا' فاتح کے تخت نشین ہونے کے بعد بہت امیر ہوگئی تھی۔ اس نے سلطان محمد فاتح کی پانچ برس کے لگ بھگ پرورش کی تھی۔ وہ 14 فروری 1486ء کو استنبول میں فوت ہوئی۔

سلیم محل کے باغات میں پھول لگا کر بہت خوشی محسوس کرتا تھا۔ جیسا کہ اس نے حلب میں ایک عثمانی حاکم کو 1574ء میں لکھا:

"مجھے اپنے شاہی باغات کے لیے گلِ لالہ کے پچاس ہزار پودوں کی ضرورت ہے۔ انہیں لانے کے لیے میں تمہارے پاس اپنا ایک خادم خاص بھیج رہا ہوں۔ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تاخیر کسی صورت نہیں ہونی چاہیے۔"

## سلطان سلیم دوم کا ایک شعر

سلیم شاعری بھی کرتا تھا۔ اس کی بہت سی غزلیں آج بھی باقی ہیں۔ ان میں سے بیشتر غزلوں میں محبت اور شراب کی لذتوں کو بیان کیا گیا ہے جیسا کہ اس کی بہترین غزل کا آخری شعر (مقطع) ہے:

اے حسینہ! سلیم کو اپنے شراب رنگ ہونٹوں کا بوسہ دے
وہ تیرے فراق میں آنسو بہاتا رہے گا'
میرے آنسو شراب کی طرح سرخ ہیں...... کہ یہ
خون کے آنسو ہیں۔

## سلطان سلیم دوم کی وفات

سلیم توپ کاپی سرائے میں اپنے حرم میں 15ردسمبر 1574ء کو فوت ہوگیا۔ وہ نشے کے عالم میں اپنے حمام میں گرنے کی وجہ سے فوت ہوا تھا۔ اس وقت اس کی عمر اکاون برس تھی۔ اس نے آٹھ سال اور تین ماہ حکومت کی۔ اولیا چلپی سلیم مخمور کی وفات کے بارے میں لکھتے ہوئے کہتا ہے: "وہ ایک نفیس الطبع بادشاہ تھا تاہم زیادہ تر توجہ لذتوں اور شراب کو دیا کرتا تھا۔"

## سلطان مراد سوم کی تخت نشینی

نوربانو نے سوکولو محمد پاشا کے تعاون سے سلیم کی لاش کو برف کے صندوق میں رکھوا دیا تاکہ اس کی موت کی خبر اس کے بیٹے مراد کے منیسا سے آنے تک پوشیدہ رہے جو وہاں صوبائی گورنر تھا۔ مراد سلیم کی موت کے بارہ دن بعد استنبول پہنچ گیا۔ وہ سیدھا تخت والے کمرے میں گیا اور سوکولو نے اس کے سلطان بننے کا اعلان کیا۔ اس نے سوکولو کو فوراً اپنا وزیراعظم مقرر کر دیا۔

اسی رات مراد نے بھائیوں کے قتل کے عثمانی ضابطے کو جواز بنا کر اپنے پانچ بھائیوں کے گلے دبوا کر انہیں قتل کروا دیا تاکہ سلطانی کا کوئی دوسرا دعویدار باقی نہ رہے۔ اگلے دن اس نے ایا صوفیا کے ساتھ واقع باغ میں اپنے باپ سلیم کو دفنایا۔ اس نے معمار سنان کو حکم دیا کہ قبر پر ایک عالیشان مقبرہ تعمیر کیا جائے۔ اب سلطان سلیم کی بہت بڑی قبر اس کے مقبرے کے گنبد تلے موجود ہے۔ اس کی قبر کے گرد اس کے پانچ مقتول بیٹوں شہزادہ عبداللہ جہانگیر، مصطفیٰ، عثمان اور سلیمان کی قبریں ہیں۔ جب سلیمان کو قتل کیا گیا تو وہ دودھ پیتا بچہ تھا۔ اسے اس کی ماں کی چھاتی سے نوچ کر قتل کیا گیا۔ جس نے اپنے بچے کا گلا گھونٹے جانے کے بعد خودکشی کر لی۔

مراد کی عمر اس وقت ساڑھے انتیس برس تھی کہ جب وہ تخت نشین ہوا، وہ تین برس صوبہ آک شہر کا اور تیرہ برس منیسا کا گورنر رہا تھا۔ مراد نے اپنے دورِ حکومت کے پہلے برسوں میں سنان کو توپ کاپی سرائے میں بہت سی عمارتیں تعمیر کرنے کا حکم دیا، جن میں محل کا باورچی خانہ بھی تھا، جسے 1574ء میں لگنے والی آگ نے بری طرح نقصان پہنچایا تھا۔ سنان کے تعمیر کردہ کمروں میں سے دو سب سے زیادہ خوبصورت تھے: ایک تو شاہی ہال، جو اندرونی محل میں تخت والا کمرہ تھا اور دوسرا مراد سوم کا کمرہ، جہاں وہ اپنی پسندیدہ کنیزوں اور کم عمر لڑکوں کے ساتھ آرام کرتا تھا۔

## شاہی حمام اور ہم جنس پرست عورتیں

مراد نے حرم میں نئے حمام تعمیر کروائے، کیونکہ اس کے دور میں حرم کے افراد میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا تھا۔ حمام حرم کی سماجی سرگرمیوں کا مرکز ہوتا تھا اور یہاں نہانے کی رسوم ویسی ہی تھیں جیسی کہ استنبول کے زنانہ عوامی حماموں میں ہوتی تھیں۔ ان حماموں کے بارے میں سولہویں صدی کے وسط میں توپ کاپی سرائے میں کم عمری میں ملازمت کرنے والے اطالوی لیوگی بسانوڈازارا نے یوں بیان کیا ہے:

> ''بیشتر عورتیں بیس بیس کی ٹولیوں میں نہانے کے لیے جاتی ہیں اور دوستانہ انداز سے ایک دوسرے کو نہلاتی دھلاتی ہیں — پڑوسن پڑوسن کو اور بہن بہن کو۔ تاہم یہ بات سب جانتے ہیں کہ عورتیں ایک دوسرے کو اس طرح نہلاتے دھلاتے اور مالش کرتے ہوئے ایک

دوسرے کی گہری محبت میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔ اکثر و بیشتر یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ کوئی عورت دوسری عورت سے اُسی طرح محبت کرتی ہے جس طرح کوئی مرد کسی عورت سے محبت کرتا ہے۔ میں ایسی یونانی اور ترک عورتوں کو جانتا ہوں جو ایک خوبصورت کم عمر لڑکی کو دیکھ رہی تھیں اور اس کے ساتھ نہانے کا موقع ڈھونڈ رہی تھیں تاکہ اُسے ننگی دیکھ سکیں اور اس کے جسم کو چھو سکیں۔''

مراد نے سلطنت کے تمام معاملات سوکولو محمد پاشا کے حوالے کر دیئے تھے' جو کہ اب تیسرے سلطان کے وزیر اعظم کے طور پر خدمات انجام دے رہا تھا۔ آخر 12 ردسمبر 1579ء کو سوکولو محمد پاشا شاہی کونسل کے اجلاس کے دوران اپنے انجام کو پہنچ گیا۔ اُسے ایک سپاہی نے موت کے گھاٹ اتار دیا' جسے اُس نے ملازمت سے نکال دیا تھا۔ اس کی ہلاکت کے بعد مراد نے سولہ برسوں میں دس وزیر اعظم تبدیل کیے۔ وزرائے اعظم کی مسلسل تبدیلیاں عثمانی حکومت کے اس عمومی عدم استحکام کا ایک حصہ تھیں' جو کہ سوکولو محمد پاشا کی وفات کے بعد پیدا ہوا تھا۔ یہ صورتحال سلطنت کے زوال کا ایک ثبوت تھی' جس پر اُس نے اپنی وزارتِ عظمیٰ کے دوران قابو رکھا تھا۔ جیسا کہ وینس کے سفیر میفیو وینیئر نے اپنی رپورٹ میں لکھا: ''سوکولو محمد کے ساتھ ہی ترک وقار بھی قبر میں پہنچ گیا ہے۔''

جب مراد تخت نشیں ہوا اُس وقت اس کی صرف ایک بیوی تھی۔ وہ البانوی تھی اور اس کا نام صفیہ تھا۔ اس سے مراد کی شادی 1563ء میں ہوئی تھی۔ وہ اس کے پہلے بیٹے' مستقبل کے سلطان محمد سوم کی ماں تھی' جو 26 رمئی 1566ء کو پیدا ہوا۔ وہ مراد کی پہلی بیٹی آسیہ کی بھی ماں تھی۔ صفیہ کو مراد کی ماں نور بانو اپنی رقیب تصور کرتی تھی' جو کہ اس وقت بھی حرم میں سب سے زیادہ اختیارات کی حامل تھی۔ نور بانو نے اپنی بیٹیوں کے تعاون سے مراد کو اپنے حرم میں دوسری عورتیں لانے کی حوصلہ افزائی کر کے اس پر سے صفیہ کے اثر و رسوخ کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ تاہم اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی' جیسا کہ سفیر گیانفرانسیسکو موروسینی نے بیان کیا ہے:

''اگرچہ وہ مختلف لوگوں کی طرف سے تحفے کے طور پر پیش کی گئیں خوبصورت عورتوں میں گھرا رہتا تھا تاہم جب اس کی ماں اور بہنوں نے اسے دوسری عورتوں سے تعلقات قائم کرنے کی تحریک دی تو اس نے انہیں نظر انداز کر دیا...... وہ صفیہ سے اتنی زیادہ

محبت کرتا تھا کہ اس کی ماں اور بہنیں اسے مراد کے دل سے نکالنے میں کامیاب نہیں ہوئیں۔"

1582ء کے موسم گرما کے دوران مراد نے اپنے سب سے بڑے بیٹے شہزادہ محمد کے ختنے کا جشن برپا کیا۔ رتھوں کی دوڑ والے میدان میں برپا ہونے والا جشن باون دن جاری رہا۔ ختنہ جشن کے 37 ویں دن حرم میں ہوا۔ جراح محمد پاشا نے مراد کی نگاہوں کے سامنے محمد کا ختنہ کیا اور جس چاقو سے ختنہ کیا تھا بعدازاں اُسے والدۂ سلطان نور بانو کو پیش کیا جبکہ شہزادے کی ماں ہاسیکی صفیہ کو کاٹی گئی کھال سونے کی تھالی میں رکھ کر پیش کی گئی۔

حرم پر نور بانو کی حکمرانی دسمبر 1583ء میں اس کی وفات تک جاری رہی۔ پاؤلو کونٹارینی نے اس کی وفات کے فوری بعد وینس کے حاکم کے لیے تحریر کردہ رپورٹ میں لکھا کہ مراد سب سے زیادہ اپنی ماں کی ہدایات کے مطابق عمل کرتا تھا۔ "وہ اپنی پالیسیاں اپنی ماں کے مشورے سے بناتا تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ اس کی ماں سے زیادہ محبت کرنے والی اور وفادار ہستی کوئی اور نہیں ہے۔" نور بانو نے اپنی موت سے کچھ پہلے اپنے بیٹے کو آخری نصیحت کی تھی کہ اُسے اپنی رعایا کے ساتھ فوری اور غیر جانبدارانہ انصاف کرنا چاہیے' سونے کے اپنے لالچ کو قابو کرنا چاہیے اور سب سے بڑھ کر اپنے بیٹے کی کڑی نگرانی کروانی چاہیے۔ جب نور بانو مری تو موروسینی نے ایک رپورٹ وینس بھیجی جس کا آخری جملہ تھا: "سب متفقہ طور پر تسلیم کرتے ہیں کہ وہ انتہائی اچھی' بہادر اور دانشمند عورت تھی۔"

مراد کو اپنی ماں کی وفات کا بے حد دکھ ہوا۔ اس نے بے مثال تزک و احتشام کے ساتھ اس کا جنازہ اٹھایا۔ تدفین کے بعد مراد نے سنان کو حکم دیا کہ وہ نور بانو کی یادگار کے طور پر ایک مسجد تعمیر کرے۔ یہ مسجد' جسے "جامعۂ عتیق والدہ" کے نام سے موسوم کیا گیا' اسکودر میں سب سے اونچی پہاڑی کی چوٹی پر تعمیر کی گئی اور یہ اپنے حسن و دلکشی کے اعتبار سے مسجد سلیمانیہ کے برابر تھی۔

موروسینی نے 1585ء میں ایک رپورٹ میں مراد کا حلیہ اور محل میں اس کی مصروفیات کا احوال بیان کیا ہے:

"سلطان کا قد بہت چھوٹا ہے اور وہ قدرے موٹا ہے۔ اس کی آنکھیں بڑی بڑی اور زرد ہیں۔ ناک طوطے کی چونچ جیسی ہے۔ اس کی جلد کی رنگت اچھی ہے جبکہ ڈاڑھی لمبی اور سنہری ہے۔ جب وہ پگڑی باندھے ہوئے گھوڑا پر سوار نکلتا ہے تو اچھا لگتا ہے' کیونکہ اس طرح اس کی پست قامتی زیادہ نمایاں نہیں رہتی۔ تاہم جب وہ کھڑا ہوتا ہے تو بونا سا لگتا ہے۔

اس کے چہرے مہرے سے اس کا کردار بھلا ظاہر ہوتا ہے۔ اس کی صحت البتہ زیادہ عمدہ نہیں ہے اور یقیناً وہ زیادہ لمبی عمر نہیں پائے گا...... وہ تقریباً ہمیشہ سب سے الگ تھلگ اپنے حرم میں خواجہ سراؤں، کم عمر ملازم لڑکوں، بونوں، گونگوں اور کنیزوں میں گھرا رہتا ہے...... وہ کسی کو اس قابل نہیں سمجھتا کہ اس سے بات چیت کرے کیونکہ چند عورتوں کے علاوہ حرم میں موجود مرد وزن کی عمریں تیس سال سے کم ہیں اور وہ مذکورہ بالا طبقات سے ہی تعلق رکھتے ہیں...... کونسل کے اجلاس والے دن وہ ینی چریوں کے آغا کو، کادی عسکروں کو اور سب سے آخر میں پاشاؤں کو شرفِ باریابی عطا کرتا ہے...... جب وزیر رخصت ہو جاتے ہیں تو وہ عورتوں میں لوٹ جاتا ہے بیشتر وقت انہیں کے ساتھ گزارتا ہے۔ وہ عورتوں کی باتیں سن کر بے حد مسرور ہوتا ہے۔ جب وہ حرم سے باہر ہوتا ہے تو باغات میں تیراندازی کی مشق کرتا ہے اور اپنے گونگے غلاموں اور مسخروں کے ساتھ کھیلتا ہے۔ وہ موسیقی سننے کا شوقین ہے اور آتشبازی دیکھ کر بہت زیادہ محظوظ ہوتا ہے...... وہ کثرت سے مزاحیہ ڈرامے بھی دیکھتا ہے...... رات ہوتے ہی وہ حرم لوٹ جاتا ہے اور عشائیہ کرتا ہے۔"

## سلطان مراد سوم کی تعیش پرستی

موروسینی بتاتا ہے کہ کس طرح مراد نے دو عشرے تک صرف ایک بیوی صفیہ پر قناعت کرنے کے بعد اپنے حرم کو کتنی وسعت دی۔ اس کی بہن ہما نے ایک کنیز اُسے تحفتاً پیش کی اور مراد اس کنیز کے حسن و جمال کا گھائل ہو گیا۔ اس کے بعد سے اس نے اپنے حرم میں دوسری عورتوں کو شامل کرنا شروع کر دیا۔ صفیہ نے اُسے اس عمل سے باز رکھنے کے لیے جادو ٹونے کے ذریعے اسے اپنی محبت کا اسیر رکھنے اور دوسری عورتوں کے قابل نہ بنانے کی کوشش کی۔" جب مراد کو اس بات کا علم ہوا تو اس کے دل سے صفیہ کی ساری محبت اور عزت نکل گئی اور وہ بہت زیادہ عیاش ہو گیا' جیسا کہ موروسینی لکھتا ہے:

> "اب وہ جس طرح کی عیاشانہ زندگی گزار رہا ہے اس کا سلسلہ ان خوبصورت عورتوں سے شروع ہوا' جو ہر شخص اس کے لیے لایا کرتا تھا' یوں اب وہ نوجوان حسین لڑکیوں میں گھرا رہنے لگا ہے۔ یہ اندازِ زیست اس کے سابقہ طرزِ زندگی سے بہت مختلف ہے۔ اب وہ ایک دو عورتوں سے مطمئن نہیں ہوتا بلکہ اس نے بیس عورتیں رکھی ہوئی ہیں۔

وہ ہر رات دو اور اکثر و بیشتر تین عورتوں کے ساتھ سوتا ہے۔ وہ ایک عورت کے بعد دوسری عورت کے ساتھ ہمبستری کرنے سے پہلے ضرور نہایا کرتا ہے' اس طرح وہ ہر رات دو تین مرتبہ نہاتا ہے۔ یہ معمول اس کی زندگی کے لیے ایک حقیقی خطرہ ہے کیونکہ اس کی صحت کمزور ہے اور اسے مرگی کا مرض بھی لاحق ہے۔ وہ کسی بھی وقت اچانک مر سکتا ہے۔''

حرم کے ان مشاغل نے اُسے چوبیس بیٹوں اور بتیس بیٹیوں کا تحفہ دیا' جو کہ عثمانی خاندان میں ایک ریکارڈ ہے۔ ریکارڈ یہ بھی تھا کہ اس کے چوبیس بیٹے صرف بارہ برسوں میں پیدا ہوئے۔ صفیہ کی بیرنجی کا دن والی حیثیت برقرار رہی۔ 1590ء میں سفیر گیووانی مورو نے لکھا: ''ولی عہد کی ماں ہونے کی وجہ سے وہ سلطنت کے معاملات میں بھی مداخلت کرتی ہے۔ سلطان اس کا بہت احترام کرتا ہے اور اس کے مشوروں پر عمل کرتا ہے۔'' صفیہ نے نور بانو والی وینس حامی پالیسی جاری رکھی' تاہم وہ اس توقع میں رہتی تھی کہ اسے اپنی کوششوں کا صلہ ملے۔ وینس کا سفیر لوریز و برنارڈو 1592ء کی اپنی ایک رپورٹ میں بتاتا ہے: ''میں اکثر و بیشتر اسے قیمتی تحفے تحائف پیش کر کے اس کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔''

نور بانو کی طرح صفیہ بھی انگلستان کی ملکہ الزبتھ کے ساتھ خط کتابت کیا کرتی تھی۔ اس خط کتابت کا سلسلہ لیونٹ کمپنی کے تاجروں کی سفارتکاری سے شروع ہوا تھا۔ مراد سوم نے اس کمپنی سے 1580ء میں سات سالہ معاہدۂ تجارت کیا اور اسے استنبول اور ازمیر میں اپنے تجارتی مراکز کھولنے کی اجازت دی۔

## سلطان مراد سوم کے آخری برس

اپنے دورِ حکومت کے آخری برسوں میں مراد توپ کاپی سرائے سے بہت کم نمودار ہوتا تھا۔ لوریز برنارڈو' جس نے سلطان سلیم دوم کا یہ قول نقل کیا ہے کہ بادشاہ کو اپنا وقت میدانِ جنگ کی بجائے محل میں گزارنا چاہیے' لکھتا ہے کہ اس حوالے سے مراد نے اپنے باپ کو بھی پیچھے چھوڑ دیا۔ ''سلطان مراد کا باپ سلطان سلیم تو کبھی کبھار شکار کی غرض سے ایڈرین جایا کرتا تھا مگر سلطان مراد کبھی بھی شکار کے لیے نہیں نکلتا۔'' اس کے بعد برنارڈو نے توپ کاپی سرائے کے باغوں میں مراد کے شکار کا احوال لکھا ہے:

''وہ محل کے باغات ہی میں شکار کھیلتا ہے۔ وہ ہرن اور بکریوں کے علاوہ جنگلی

ریچھوں اور شیروں کا شکار اس طرح کھیلتا ہے کہ خود ایک کھڑکی میں کھڑا ہو جاتا ہے اور اپنے غلاموں کو ان جانوروں کو ہلاک کرتے دیکھتا ہے۔ اس کے باغات میں پرندوں کی افراط ہے اور وہ گھوڑے پر سوار ہو کر ان کی پرواز کا نظارہ کرتا ہے۔ دوسرے بادشاہ شکار کی جو لذت دیہاتوں میں جا کر حاصل کرتے ہیں، سلطان مراد اسے اپنے حرم ہی میں حاصل کر لیتا ہے۔''

اپنے دورِ حکومت کے اواخر میں سلطان مراد دو سال تک جمعے کی نماز ادا کرنے کے لیے بھی توپ کاپی سرائے سے نہیں نکلا۔ وینس کے سفیر گیووانی مورو نے 1590ء کی اپنی ایک رپورٹ میں لکھا کہ مراد جمعے کی نماز پڑھنے صرف اس لیے جاتا تھا کہ اسے وزیرِاعظم نے اس کا مشورہ دیا تھا ''تا کہ جاہل عوام اُس کی آمد سے مطمئن ہو جائیں۔ اگرچہ وہ اس کو دیکھ کر خوش نہیں ہوتے تاہم جب وہ آتا ہے تو بہت سے لوگ اکٹھے ہو جاتے تھے۔''

مراد کے لیے سنان کے تعمیر کردہ عظیم الشان شاہی ہال میں موسیقی کی محفلیں اور دیگر تفریحی تقریبات برپا ہوا کرتی تھیں۔ تہواروں کے موقع پر حرم کی عورتیں بھی سلطان کو مبارکباد دینے کے لیے یہاں اکٹھی ہوا کرتی تھیں۔ ایسی ہی ایک تقریب کا احوال مراد سوم کے دربار میں حاضر رہنے والے ایک یہودی طبیب ڈومینیکو ہیروسولیمیٹینو نے لکھا ہے:

> ''پھر سلطان اٹھ جاتا ہے اور حرم کی عورتوں کو مبارکباد دینے جاتا ہے، جو کہ سب کی سب ایک بڑے کمرے میں جمع ہو کر اس کا انتظار کر رہی ہوتی ہیں۔ اس کے آتے ہی وہ سب کھڑی ہو جاتی ہیں اور اس کی تعظیم میں جھک جاتی ہیں۔ وہ اسے انتہائی خوشی کے ساتھ تہوار کی مبارک دیتی ہیں اور وہ کوئی جواب دیئے بغیر مسکرا کر انہیں دیکھتا ہے اور اس خواجہ سرا کی طرح مڑ جاتا ہے جس کے پاس ان عورتوں کی تعداد کے برابر ہیرے جواہرات ہوتے ہیں۔ وہ سب کو اپنے ہاتھ سے ایک ایک تحفہ دیتا ہے۔ اس کے ساتھ سونے کے سکوں کی ایک تھیلی ہوتی ہے تا کہ وہ انہیں اپنے غلاموں میں بانٹ دیں۔''

## طوائفوں کی جاں بخشی

مراد کے حرم کی عورتیں اندرونی محل میں الگ تھلگ رہا کرتی تھیں تاہم وہ ان وسیع و عریض باغات میں ہوا خوری کے لیے جا سکتی تھیں، جو سنہری خلیج، بحیرۂ باسفورس اور بحیرۂ مرمر کے ساحلوں تک پھیلے ہوئے تھے۔ انگریز سفیر جان سینڈرسن نے ایک ڈرامائی واقعے کا

احوال لکھا ہے' جو اس وقت پیش آیا تھا جب ایک روز نور بانو اور صفیہ حرم کی دوسری عورتوں کے ساتھ باغوں میں چہل قدمی کر رہی تھیں۔ انہوں نے بہت ساری کشتیاں دیکھیں جن میں نقاب پوش عورتیں موجود تھیں۔ نور بانو نے دریافت کیا کہ یہ کیا معاملہ ہے تو اُسے بتایا گیا کہ یہ سب عورتیں طوائفیں ہیں اور سیاہ فام خواجہ سرا انہیں سمندر میں غرق کرنے لے جا رہے ہیں۔ نور بانو نے فوراً سیاہ فام خواجہ سراؤں کے سربراہ کو اس حرکت سے باز رہنے کا حکم دیا اور اسے دھمکی دی کہ اگر اس نے حکم عدولی کی تو وہ سلطان سے اس کی شکایت کر دے گی اور اسے سزائے موت دلوا دے گی۔ یوں ان بے چاری طوائفوں کی جان بخشی ہوئی۔

وزیراعظم کو جانان پاشا نے مراد کے لیے ایک بارہ دری تعمیر کروائی جس کا نام ''موتیوں والا کوشک'' رکھا گیا۔ یہ کوشک بحیرۂ مرمر کے ساحل پر سمندری فصیل کے ساتھ تعمیر کیا گیا تھا۔ مراد نے اپنی زندگی کے آخری پانچ برسوں میں یہ معمول بنا لیا تھا کہ وہ ہفتے میں کئی مرتبہ ''موتیوں والے کوشک'' جاتا اور گزرنے والے جہازوں کا نظارہ کرتا رہتا' جو ہمیشہ اسے سلامی پیش کرتے گزرتے تھے۔

## سلطان مراد سوم کی وفات

سلطان مراد کو طویل عرصے سے گردے کی بیماری تکلیف دے رہی تھی۔ 1594ء کے موسمِ خزاں میں یہ تکلیف بہت بڑھ گئی۔ اس کے ساتھ اسے مرگی کے دورے بھی پڑنے لگے۔ 1595ء کے اوائل میں وہ اپنی موت نزدیک محسوس کرنے لگا۔ جب مراد کا آخری وقت آیا تو اس نے حکم دیا کہ اُسے ''موتیوں والے کوشک'' میں لے جایا جائے تا کہ وہ آخری مرتبہ جہازوں کو گزرتے ہوئے دیکھ سکے۔ اس نے محل کے موسیقاروں کو موسیقی سنوانے کا حکم دیا اور جب وہ ایک اداس فارسی نغمہ گا رہے تھے تو سلطان نے کہا: ''اے موت آج رات آ اور میرے ساتھ نظارہ دیکھ۔'' کوشک کے سامنے سے دو عثمانی بیڑے گزرے اور چونکہ انہیں علم تھا کہ سلطان کوشک میں موجود ہے اس لیے انہوں نے توپیں چلا کر اُسے سلامی دی۔ دھماکوں سے کوشک کی کھڑکیوں کے شیشے ٹوٹ کر کمرے میں بکھر گئے جس پر سلطان آب دیدہ ہو گیا۔ ''کبھی وقت تھا کہ میرے تمام بیڑوں کی توپوں کے گولوں سے بھی ان کھڑکیوں کے شیشے نہیں ٹوٹتے تھے اور اب ...... '' جملہ ادھورا چھوڑ کر وہ سسکیاں بھرنے لگا اور گہری آہ بھر کر بولا: ''میری زندگی کے کوشک کا بھی یہی حال ہے۔'' پھر اس کے غلام اسے اندرونی محل میں اس کے کمرے میں لے گئے جہاں وہ تین دن بعد 16 / جنوری 1595ء کو اپنی عمر کے انچاسویں

برس میں فوت ہو گیا۔

مراد کی بیوہ صفیہ نے اس کی موت کی خبر کو پوشیدہ رکھا۔ وہ چاہتی تھی کہ پہلے اس کا بیٹا محمد منیسا سے دارالسلطنت پہنچ جائے۔ صفیہ نے صرف وزیراعظم فرحت پاشا کو اعتماد میں لیا' جس نے مشورہ دیا کہ ایک وزیر کو بھیجا جائے کہ وہ محمد کو بلا لائے۔ وینس کے سفیر مارکو وینیئر کے بقول صفیہ اور دوسری بیواؤں نے اس سے اتفاق نہیں کیا کیونکہ "سلطانوں نے کہا ہوا ہے کہ اس قسم کی اچانک روانگی شکوک پیدا کرتی ہے۔ لہٰذا فیصلہ ہوا کہ محل کے باغات کے مالی کو اس کے ماتحتوں کے ساتھ روانہ کیا جائے جیسے کہ وہ سلطان کے لیے پانی لینے کے لیے عموماً جایا کرتے ہیں۔"

محمد کی آمد سے پہلے ہی سلطان مراد کی وفات کی خبر کا راز افشا ہو گیا اور لوگوں میں زبردست فکرمندی پھیل گئی۔ انہیں ڈر تھا کہ ینی چری اور دوسرے خودسر عناصر شہر میں افراتفری مچا دیں گے' جیسا کہ وہ ماضی میں کئی مرتبہ کر چکے تھے۔ سلطان مراد کی وفات کے گیارہ دن کے بعد جو صورتحال تھی۔ اُسے مارکو وینیئر نے بیان کیا ہے:

"سلطان مراد کی وفات کی افواہ بچوں تک بھی پہنچ چکی ہے اور بغاوت کا خطرہ ہے' جس میں معمول کے مطابق گھروں اور دکانوں کے لوٹے جانے کا ڈر ہے ...... سلطان کی وفات کے بعد کے گیارہ دنوں میں لوگوں کو قابو میں رکھنے کے لیے متعدد افراد کو سزائے موت دی جا چکی ہے۔ حرم سرا کے اندر زبردست بے چینی ہے اور ہر رات بندوقیں چلنے کی آوازیں آتی ہیں __ جو اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ کسی کو سمندر میں پھینکا جا چکا ہے۔"

## سلطان محمد سوم کی تخت نشینی

شہزادہ محمد 28 رجنوری کو استنبول پہنچا اور سیدھا توپ کاپی سرائے چلا گیا۔ انگریز سفیر کوربی سیلومون نے رپورٹ دی کہ محمد سیدھا اپنی ماں سے ملنے حرم سرا گیا۔ وہ گزشتہ بارہ برسوں میں ایک مرتبہ بھی اپنی ماں سے نہیں ملا تھا۔ وہ اسے اس کی باپ کی لاش کا دیدار کروانے لے گئی' جسے اُسی طرح برف کے صندوق میں محفوظ رکھا گیا تھا' جیسے اکیس برس پہلے اس کے باپ سلطان سلیم دوم کو رکھا گیا تھا۔ اس کے بعد وہ تخت والے کمرے میں گیا جہاں وزیراعظم اور تمام وزراء و امراء نے اس کی دست بوسی کر کے اسے اپنی اطاعت و فرمانبرداری کا یقین دلایا۔ اس کے بعد وہ سلطان کی حیثیت سے تخت نشین ہو گیا۔

اگلے دن سلطان مراد کو ایا صوفیا میں اس کے باپ کے مقبرے کے ساتھ دفنا دیا گیا جہاں محمد نے شاہی معمار داؤد آغا کو ایک عظیم الشان تربت بنانے کا حکم دیا۔ سیلومون لکھتا ہے کہ ''اس کے مقبرے کو دوسرے بادشاہوں کے مقبروں کی طرح انتہائی قیمتی پتھروں سے بنایا جائے گا۔'' اس کے بعد اس نے لکھا ہے کہ سلطان محمد نے مراد سوم کے دوسرے بیٹوں' اپنے سوتیلے بھائیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا:

## انیس بھائیوں کا قتل

''اس رات وہ اپنے انیس بھائیوں سے ملا' جو اس کے باپ کی متعدد بیویوں کی اولاد تھے۔ انہیں اس کی دست بوسی کے لیے لایا گیا تھا تاکہ وہ انہیں زندہ دیکھ سکے۔ ان میں سے سب سے بڑے لڑکے کی عمر گیارہ سال تھی۔ ان کے بادشاہ بھائی نے انہیں دلاسا دیا کہ خوف مت کھاؤ کیونکہ وہ انہیں کوئی ضرر نہیں پہنچانا چاہتا بلکہ روایت کے مطابق صرف ان کے ختنے کروانا چاہتا ہے۔ یہ ایک ایسی بات تھی جو اس کے پیشروؤں نے کبھی نہیں کی تھی اور جب انہوں نے اس کی دست بوسی کر لی تو انہیں ایک طرف لے جا کر رومالوں سے گلا گھونٹ کر ہلاک کر دیا گیا۔ ہوسکتا ہے یہ بات خوفناک اور سفاکانہ محسوس ہو تاہم یہ ایک روایت تھی اور لوگ اس سے مانوس تھے۔''

سیلومون نے ان انیس شہزادوں کے جنازوں کا احوال بھی بیان کیا ہے' جنہیں اپنے باپ کی قبر کے اردگرد ایا صوفیا کے باغ میں دفنایا گیا:

''اتوار کے دن ان معصوم شہزادوں کی لاشوں کو غسل دیا گیا اور روایت کے مطابق ان کی عمر کے اعتبار سے انہیں تدفین کے لیے تیار کیا گیا۔ انہیں کافوری کفن پہنائے گئے۔ اس کے بعد انہیں محل کے دیوان میں رکھ دیا گیا تاکہ سلطان انہیں مردہ دیکھ سکے' کیونکہ یہ روایت تھی کہ سلطان پہلے اپنے بھائیوں کو زندہ دیکھتا تھا اور بعد میں مُردہ تاکہ اپنے بھائیوں کے خون سے اپنی سلطانی کی بنیادوں کو مستحکم کر سکے۔ اس مقام سے ان کے جنازے ایک روز پہلے کی طرح اٹھائے گئے جبکہ لوگوں کی تعداد دگنی تھی ...... بے چارے شہزادوں کی لاشوں کو عمر کے مطابق اپنے باپ کی قبر کے اردگرد دفنا دیا گیا جبکہ تمام لوگ اشک بہا رہے تھے۔''

سیلومون لکھتا ہے کہ جب سلطان مراد فوت ہوا تو اس کی بہت سی بیویاں حاملہ تھیں۔ ''بعد میں اس کے دو بیٹے پیدا ہوئے جنہیں فوراً سمندر میں غرق کروا دیا گیا۔'' نولیز محمد

کے اپنے بھائیوں کو قتل کروا دینے کا اصول رقم کرنے کے بعد بتاتا ہے کہ کس طرح اس نے اپنے مرحوم باپ کی کنیزوں سے ان کے بچوں سمیت نجات پائی: ''اس خوف سے کہ وہ اس کے تخت و تاج کے لیے خطرہ ثابت نہ ہوں سلطان نے اسی رات حکم دیا کہ ان سب کنیزوں کو ان کے بچوں سمیت سمندر میں ڈبو دیا جائے۔''

سلطان محمد اپنے بھائیوں کے جنازے اٹھوانے کے بعد توپ کاپی سرائے میں سلطان کے رہائشی حصے میں چلا گیا جہاں اب صفیہ والدۂ سلطان کے منصب پر سرفراز ہو چکی تھی۔ سلطان مراد سوم کی باقی ماندہ زندہ بیویوں اور کنیزوں کو پرانے محل بھجوا دیا گیا۔ ان کے ساتھ ان کی ستائیس بیٹیاں' ان کی دائیاں اور دیگر ملازم اور خواجہ سراؤں کے علاوہ مرحوم سلطان کے گونگے' بہرے اور بونے غلام بھی شامل تھے۔ سیلومون نے ایک دردناک منظر بیان کیا ہے:

''بے چارے شہزادوں کے دفنائے جانے کے فوری بعد' جن کے بارے میں لوگ کہتے ہیں کہ وہ بہت خوبصورت تھے' لوگ محل کے پھاٹک کے سامنے حرم سرا سے ان کی ماؤں اور سلطان مراد سوم کی دیگر بیویوں کی ان کے بچوں اور ساز و سامان سمیت روانگی کا منظر دیکھنے کے لیے جمع ہو گئے۔ اس مقصد کے لیے محل کی تمام گھوڑا گاڑیاں' خچر اور گھوڑے استعمال کیے گئے۔ سلطان کی بیویوں اور ستائیس بیٹیوں کے علاوہ دو سو دیگر افراد بھی تھے' جن میں دائیاں اور غلام شامل تھے۔ انہیں ''پرانے حرم'' میں لے جایا گیا' جہاں مرحوم سلطان کی بیویوں اور بیٹیوں نے اپنے آغاؤں کے ساتھ رہنا تھا۔ خواجہ سرا ان کی حفاظت اور خدمت کے لیے ساتھ کیے گئے تھے۔ یہاں وہ اپنے مقتول بیٹوں کے لیے جتنا چاہیں رو سکتی تھیں کیونکہ ''بڑے حرم'' میں رونا منع تھا اور اگر کوئی ماں روتی تو اُسے موت کی سزا دی جاتی ...... سلطان نے اپنے بھائیوں کی تمام دائیوں اور اساتذہ کو بھی یہاں بھجوا دیا تھا۔ اس کے علاوہ بہت بڑی تعداد میں ان خواجہ سراؤں اور گونگوں اور بونوں کو یہاں بھیجا گیا جو مرحوم سلطان کا دل بہلایا کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ انہیں حرم سے اس لیے نکال دیا گیا تھا کیونکہ نیا سلطان اس طرح کے مشاغل کو پسند نہیں کرتا تھا۔''

فینیس موریس نے' جو کہ سلطان محمد سوم کی تخت نشینی کے دو سال بعد استنبول پہنچا تھا۔ لکھا کہ مرحوم سلطان مراد سوم کی بیویاں اور کنیزیں اب بھی پرانے محل میں رہتی ہیں' جسے ''آنسوؤں والا محل'' کہا جاتا ہے۔ اس نے کہا کہ اُسے بتایا گیا کہ انتہائی خوبصورت

عورتوں کو توپ کاپی سرائے کے حرم میں رکھا گیا ہے کیونکہ سلطان محمد سوم انہیں اپنے پاس رکھنا چاہتا تھا۔

## سلطان کے لیے ملکہ برطانیہ کا تحفہ

محمد سوم انتیس برس کی عمر میں تخت نشیں ہوا۔ اس سے قبل وہ صوبہ منیسا کا بارہ سال گورنر رہا تھا۔ یہی صوبہ اس کی جائے پیدائش تھا۔ گورنر رہنے والا وہ آخری سلطان تھا کیونکہ اس کے بعد سے شہزادے توپ کاپی سرائے ہی میں رہنے لگے تھے۔

جب محمد سوم کو 1583ء میں صوبائی گورنر مقرر کیا گیا اور وہ استنبول سے منیسا روانہ ہوا تو اس کے ساتھ دو ہزار مصاحبین گئے تھے۔ اس نے منیسا کے شاہی محل میں اپنا حرم قائم کیا جہاں اس کی کنیزوں نے بارہ برسوں میں اس کے چار بیٹوں محمود، سلیم، احمد اور مصطفیٰ کو جنم دیا۔ سلطان بننے کے بعد وہ مزید دو بیٹوں سلیمان اور جہانگیر کا باپ بنا۔ وہ دونوں لڑکپن میں مر گئے۔ محمد کی سات بیٹیاں بھی تھیں۔

شہزادہ محمد کے سلطان بنتے ہی ینی چریوں نے بغاوت کر دی اور اپنی تنخواہوں اور مراعات میں اضافے کا مطالبہ کرنے لگے۔ سلطان محمد سوم نے ان کے مطالبے کو تسلیم کر لیا مگر اس کے بعد استنبول میں عوامی بغاوت پھیل گئی۔ آخرکار وزیراعظم فرحت پاشا نے توپخانے کو شہر کی گلیوں میں بھیجا جس نے باغیوں کو گولوں سے اڑا دیا۔ یوں یہ مسئلہ انجام کو پہنچا۔

اگلے سال سلطان محمد نے ہیبسبرگ کے خلاف مہم میں اپنی فوج کی قیادت خود کرنے کا فیصلہ کیا۔ سلطان اپنے اتالیق سعد الدین ہوجا کے مشورے پر میدان جنگ میں جانے پر تیار ہوا تھا، جس نے اسے قائل کیا تھا کہ سلطانوں کا وقار فتوحات سے بڑھتا ہے۔ اس نے کہا یہ اس لیے بھی خصوصاً ضروری ہے کہ عثمانی فوج نے عیسائیوں سے مسلسل شکستیں کھائی ہیں۔

والدۂ سلطان صفیہ اپنے بیٹے کے میدان جنگ میں جانے کی شدید مخالف تھی اور اس نے سلطان محمد کی پسندیدہ کنیز سے کہا کہ وہ اُس سے اپنا فیصلہ تبدیل کرنے کی التجا کرے۔ تاہم یہ التجا اس لڑکی کے لیے جان لیوا ثابت ہوئی، جیسا کہ مارکو وینیئر نے اپنی 6/جون 1596ء کی رپورٹ میں لکھا:

''سلطان کی والدہ اُسے خود سے الگ ہوتے پا کر خفا ہو گئی تھی۔ اس

نے ایک بہت خوبصورت لڑکی کو، جس سے سلطان بہت محبت کرتا تھا،
کہا چونکہ وہ اس کی منظورِ نظر ہے لہٰذا وہ اس سے جنگ پر نہ جانے کی
التجا کرے۔ ایک روز جب وہ سلطان کے ساتھ باغ میں موجود تھی، اس
نے سلطان سے میدانِ جنگ کو نہ جانے کی التجا کی۔ اس کی بات سنتے
ہی سلطان کی محبت دفعتاً غصے میں بدل گئی۔ اس نے تلوار نکالی اور اس
کی گردن اڑا دی۔ اس دن کے بعد کسی نے اس موضوع پر بات
کرنے کی جرأت نہیں کی۔''

سلطان محمد مہم پر روانہ ہوا تو اس کے ساتھ انگریز سفیر ایڈورڈ بارٹن بھی تھا۔ بارٹن نے صفیہ کے توسط سے سلطان کے ساتھ قریبی تعلقات استوار کر لیے تھے۔ سلطان نے اُسے ہیپسبرگز کے ساتھ مذاکرات کرنے کے لیے اپنے ساتھ رکھا تھا۔

عثمانی فوج نے 12 راکتوبر 1596ء کو شمالی ہنگری میں ایک اہم قلعے کو فتح کرلیا اور دو ہفتے بعد 26 راکتوبر کو میزوکریسٹیز کے میدان میں ہیپسبرگ کی بڑی فوج سے عثمانی فوج کا ٹکراؤ ہوا۔ عثمانیوں نے غیر متوقع طور پر فتح حاصل کرلی۔ اس جنگ میں فتح پانے کے بعد سلطان محمد کو غازی کا خطاب ملا اور وقائع نگار حسن کیفی نے اسے ''فاتحِ عالم شہنشاہ سلطان غازی محمد خان'' لکھ کر خراجِ تحسین پیش کیا۔

اس جنگ سے فاتحانہ واپسی کے بعد سلطان نے کبھی کسی جنگ میں فوج کی قیادت نہیں کی۔ گیرولیمو کیپیلو لکھتا ہے: ''ڈاکٹروں نے اعلان کیا کہ سلطان کی صحت کثرتِ شراب نوشی اور بسیار خوری کی وجہ سے اتنی خراب ہوچکی ہے کہ وہ کسی جنگ میں حصہ نہیں لے سکتا۔''

اگلے موسمِ بہار میں سلطان محمد نے اپنے دوسرے بیٹے شہزادہ سلیم کو سزائے موت دے دی۔ عثمانی ذرائع سے اس کی خطا کے بارے میں کچھ پتہ نہیں چلتا۔ شاید اسے بغاوت کے شبے میں مروایا گیا تھا۔ شہزادہ سلیم کی موت کا ذکر صرف کیپیلو کی رپورٹ میں ملتا ہے، جو اس نے 10 رمئی 1597ء کو لکھی تھی، تاہم اس نے غلطی سے اُسے سلطان کا سب سے بڑا بیٹا قرار دیا تھا۔

بارٹن نے اپنی کمپنی کو لکھا کہ سلطان محمد کو تخت نشینی کی خوشی میں کوئی تحفہ دیا جانا چاہیے۔ لیونٹ کمپنی نے فیصلہ کیا کہ سلطان کو ایک آلۂ موسیقی گھڑی کی صورت میں بنوا کر بطور تحفہ ملکۂ برطانیہ کی طرف سے پیش کیا جائے۔ لندن کی بلیک سمتھ کمپنی کے تھامس ڈیلم کو یہ

کلاک بنانے کی ذمہ داری سونپی گئی۔ ڈیلم نے ایک برس سے کچھ زیادہ عرصے میں اُسے بنایا اور 14 نومبر 1598ء کو وائٹ ہال محل میں ملکہ الزبتھ کو اس کا مظاہرہ کر کے دکھایا۔ ملکہ اس گھڑی کو دیکھ کر بہت متاثر ہوئی۔ اس کے کاغذات میں 31 جنوری 1599ء کا ایک خط ملا ہے جس میں یہ جملہ بھی موجود ہے: ''عظیم ترک کو ایک انتہائی انوکھا تحفہ بھیجا جا رہا ہے۔'' ڈیلم کو حکم دیا گیا کہ وہ استنبول جا کر اسے سلطان کے محل میں نصب کرے۔ وہ اپنے معاونین کے ساتھ بحری جہاز کے ذریعے سفر کرتے ہوئے استنبول پہنچا اور 11 ستمبر 1599ء کو توپ کاپی سرائے کے تیسرے صحن میں داخل ہوا' جہاں اُسے آنے کی خصوصی اجازت دی گئی تھی۔ ڈیلم نے لکھا ہے کہ اس کلاک کو شاہی کمرے سے ملحق باغ میں نصب کیا گیا تھا۔ ڈیلم نے یہ بھی لکھا ہے کہ انہی دنوں انگریز سفیر کے سیکرٹری پال پنڈر نے والدۂ سلطان صفیہ کو ملکہ الزبتھ کی جانب سے ایک انتہائی مرصع گھوڑا گاڑی پیش کی' جو کہ کلاک سے زیادہ قیمتی تھی۔

25 ستمبر کو صبح ساڑھے نو بجے سلطان محمد کو اس کلاک کا عملی مظاہرہ دکھایا گیا۔ ڈیلم لکھتا ہے: ''اس کلاک کے دوسرے حصے میں دو بونے بنائے گئے تھے جو ساز بجاتے تھے۔ سولہ فٹ اونچے کلاک کے اوپر ایک جھاڑی بنائی گئی تھی جس میں مصنوعی پرندے بٹھائے گئے تھے۔ ساز بجتے تو وہ پرندے اپنے پر ہلاتے اور چہچہاتے تھے۔ سلطان انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوا۔'' اس نے ڈیلم کو دوبارہ یہ نظارہ دکھانے کا حکم دیا۔ ڈیلم نے حکم کے مطابق عمل کیا۔ سب بہت خوش ہوئے اور ہنسنے لگے۔ سلطان نے ڈیلم کو سونے کے ڈھیر سارے سکے انعام میں دیئے۔ پانچ دن بعد اُسے کلاک کو درست کرنے کے لیے دوبارہ بلوایا گیا۔ دو دربانوں نے' جو ڈیلم کے دوست بن گئے تھے' اسے کہا کہ اگر وہ وہیں رہ جائے تو سلطان اسے رہائش اور دو عورتیں مہیا کرے گا۔ ڈیلم نے انکار کر دیا' جیسا کہ اس نے اپنی ڈائری میں لکھا ہے: ''میں نے کہا کہ انگلستان میں میری بیوی اور بچے ہیں' جو میری واپسی کے منتظر ہیں۔'' حقیقت یہ تھی کہ ڈیلم نے صرف بہانہ کیا تھا' نہ تو وہ شادی شدہ تھا اور نہ اس کے بچے تھے۔

کچھ دنوں بعد ڈیلم کو کہا گیا کہ سلطان اس کلاک کو ''موتیوں والے کوشک'' میں منتقل کروانا چاہتا ہے۔ ڈیلم اپنے ترجمان سمیت وہاں گیا اور اپنا کام سرانجام دینے لگا۔ ان کے ساتھ دو دربان بھی موجود تھے۔ اچانک وہ دونوں دربان وہاں سے بھاگ پڑے۔ ڈیلم بہت حیران ہوا۔ اس نے ترجمان سے ان کے بھاگنے کی وجہ پوچھی تو اس نے بتایا:

''ان کے بھاگنے کی وجہ یہ ہے کہ سلطان اور اس کی کنیزیں آ رہی ہیں۔ اگر ہم

یہاں موجود رہے تو ہم اپنی زندگیوں سے ہاتھ کھو بیٹھیں گے۔ اس کی بات سن کر تو میں کانپ کر رہ گیا۔ دربانوں کی طرف دیکھا تو وہ دروازے تک پہنچ چکے تھے۔ میں بھی پوری قوت سے بھاگ کھڑا ہوا۔ میں نے چار حبشیوں کو تلواریں تانے اپنی طرف دوڑتے ہوئے دیکھا۔ میں نے سوچا کہ اگر وہ مجھ تک پہنچ گئے تو میرے ٹکڑے کر دیں گے۔ پس میں اپنی زندگی بچانے کے لیے ممکنہ حد تک تیز رفتاری سے دوڑتا رہا...... بہرکیف میں نے اس دوران سلطان کو گھوڑے پر سوار آتے دیکھا۔ اس کے ساتھ بہت سی کنیزیں تھیں' کچھ گھوڑوں پر سوار تھیں اور کچھ پیدل۔ ان کے علاوہ بہت سے خواجہ سرا بھی تھے۔ ان میں سے بعض تو انتہائی سیاہ رنگ کے تھے۔ انہوں نے پہلوؤں میں تلواریں لٹکائی ہوئی تھیں۔''

ڈیلم اپنا کام مکمل کر کے 28 رنومبر 1599ء کو کبھی واپس نہ آنے کے لیے استنبول سے روانہ ہو گیا۔ سلطان محمد سوم کے دورِ حکومت کے آخری برسوں میں ڈیلم کے آلۂ موسیقی کے بارے میں کچھ مزید نہیں سنا گیا' تاہم ملکہ الزبتھ نے والدۂ سلطان صفیہ کو جو گھوڑا گاڑی تحفتاً دی تھی' اس کا ذکر اکثر و بیشتر ملتا ہے' کیونکہ وہ اس میں بیٹھ کر توپ کاپی سرائے سے باہر سیر وتفریح کے لیے جایا کرتی تھی۔ صفیہ استنبول کے عام لوگوں میں بہت مقبول تھی' تاہم فوج اور علماء اس سے متنفر ہوتے جا رہے تھے۔ وہ سلطان پر اس کے اثر ورسوخ کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ ہنری لیلو نے اس زمانے میں اپنی رپورٹ میں لکھا: ''صفیہ کو اپنے بیٹے پر مکمل قابو ہے...... عام لوگ اسے پسند کرتے ہیں جبکہ مفتی اور فوجی اس سے شاکی ہیں کہ وہ سلطان کو گمراہ کر رہی ہے۔''

ہر سلطان کی والدہ کے مالی معاملات کو جو عورتیں نمٹایا کرتی تھیں' وہ یہودی ہوتی تھیں اور انہیں ''کیرا'' کہا جاتا تھا۔ وہ حرم سرا کی گوشہ نشیں عورتوں کی مالیاتی ایجنٹوں کے طور پر کام کرتی تھیں۔ صفیہ کی ''کیرا'' کا نام ایسپیرینزا میلکی تھا۔ اس نے صفیہ کی مالیاتی ایجنٹ کے طور پر کام کر کے بہت دولت اکٹھی کی تھی۔ 1660ء کی دہائی کے دوران برطانوی سفارت خانے میں سیکرٹری کے طور پر خدمات انجام دینے والے پال ریکاٹ نے میلکی کے زبردست اختیارات کے بارے میں لکھا ہے۔ اس نے والدۂ سلطان صفیہ اور کیرا میلکی کی باہمی محبت کے بارے میں بھی بیان کیا ہے۔

> ''سلطان محمد سوم کے زمانے میں سلطنت کا سارا نظام ایک نوجوان خوبصورت عورت میلکی کے ہاتھوں میں تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اسے ملکہ کی غیر معمولی حمایت اور محبت حاصل تھی (ملکہ اور اس کے درمیان

غیر فطری تعلق تھا)۔ اس کے مشورے پر افسروں کو مقرر کیا جاتا یا
ملازمت سے ہٹایا جاتا تھا"

سلطان محمد سوم کی صحت بہت زیادہ خراب ہو رہی تھی۔ اس پر کئی ایسے دورے پڑے جن میں وہ بے ہوش ہو گیا۔ 29 / جولائی 1600ء کو سفیر کیپیلو نے لکھا کہ "گرینڈ سینور سکوتری چلا گیا ہے اور عوام میں افواہ پھیلی ہوئی ہے کہ وہاں اس پر تین دن تک مسلسل معمولی معمولی وقفے کے بعد دورے پڑتے رہے۔

1600ء میں شاہی گھڑ سوار فوج نے بغاوت کر دی کیونکہ سکے کی قدر میں کمی ہو جانے کی وجہ سے ان کی تنخواہیں ناکافی ہو گئی تھیں۔ ان کے غصے کا رخ اسپیریزا میلکی کی طرف تھا' جسے وہ زر کی قدر میں کمی کا ذمہ دار تصور کرتے تھے۔ انہوں نے میلکی اور اس کے بڑے بیٹے کو نہایت بے رحمی سے ہلاک کر دیا۔ میلکی کا بڑا بیٹا کسٹم آفس کا انچارج تھا۔

1603ء کے اوائل میں ینی چریوں نے بغاوت کر دی۔ جب انہوں نے توپ کاپی سرائے پر حملہ کیا تو شاہی گھڑ سواروں سے ان کی خونریز جنگ ہوئی' جس میں دونوں فریقوں کا بہت جانی نقصان ہوا۔ نولیز لکھتا ہے کہ اس کے بعد سلطان نے استنبول میں شراب پر پابندی لگا دی کیونکہ اس کے خیال میں ینی چریوں کی بغاوت کا سبب ان کی حد سے زیادہ شراب نوشی تھی۔

"مفتی نے اعلان کیا کہ استنبول اور پیرا کے جن گھروں میں شراب موجود ہے' وہ اُسے ضائع کر دیں ورنہ انہیں موت کی سزا دی جائے گی۔ انگلستان کی ملکہ' فرانس کے بادشاہ اور وینس کے سفیروں کو اس پابندی سے مستثنیٰ قرار دیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ جب لوگوں نے اس حکم پر عمل کرتے ہوئے شراب ضائع کی تو استنبول کی گلیوں میں شراب یوں بہنے لگی گویا موسلا دھار بارش کے بعد پانی بہہ رہا ہو۔"

ینی چریوں نے بعد ازاں اسی سال دوبارہ بغاوت کر دی۔ ان کا کہنا تھا کہ سلطنت میں پھیلی ہوئی ساری بدنظمی کا سبب یہ ہے کہ سلطان مکمل طور پر اپنی والدہ اور سفید فام خواجہ سراؤں کے سربراہ کے زیر اثر ہے۔ انہوں نے سفید فام خواجہ سراؤں کے سربراہ کے سر کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے دھمکی دی کہ اگر ایسا نہیں کیا گیا تو وہ سلطان محمد کو تخت سے ہٹا کر اس کے سب سے بڑے بیٹے محمود کو سلطان بنا دیں گے۔ سلطان نے ان کے مطالبے مان لیے اور ینی چریوں کو سفید فام خواجہ سراؤں کے سربراہ اور محل کے بعض دیگر ملازموں کے سر قلم کرنے کی

اجازت دے دی۔ اس کے علاوہ اس نے اپنی ماں صفیہ کو بھی پرانے محل میں منتقل کر دیا۔ تاہم وہ جلد ہی توپ کاپی سرائے کی خرم سرا میں واپس آ گئی۔

سلطان ینی چریوں کی اس دھمکی سے چوکنا ہو گیا تھا کہ وہ اسے تخت سے اتار کر اس کے بیٹے محمود کو بٹھا دیں گے۔ محمود، جس کی عمر اس وقت اکیس برس تھی، ینی چریوں میں بہت مقبول تھا۔ وہ اس وقت زیادہ چوکنا ہو گیا جب صفیہ نے ایک پیش گو کا محمود کی ماں کے نام لکھا ہوا خط پکڑ لیا۔ اس نے پیش گوئی کی تھی کہ سلطان چھ ماہ کے اندر اندر مر جائے گا اور اس کا بیٹا اس کے بعد تخت نشیں ہوگا۔ یہ خط محمود اور اس کی ماں کی موت کا پروانہ ثابت ہوا اور 7 رجون 1603ء کو انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ ہنری لیلو نے اپنی رپورٹ میں لکھا کہ ''شہزادہ محمود کو گلا گھونٹ کر ہلاک کر دیا گیا اور انتہائی گھٹیا انداز میں دفنا دیا گیا۔''

## سلطان محمد سوم کی وفات

12 ردسمبر 1603ء کو سلطان محمد فوت ہو گیا۔ اس کی موت کی ظاہری وجہ دل کا دورہ تھی۔ اس وقت اس کی عمر اڑتیس برس تھی۔ اس نے تقریباً نو برس حکومت کی۔ نولیز اس کی موت کے حوالے سے لکھتا ہے:

''عظیم سلطان محمد لذتوں اور مسرتوں کے درمیان استنبول میں اپنے محل میں فوت ہو گیا...... وہ ایک متکبر بادشاہ تھا۔ اس کی رعایا اس سے محبت نہیں کرتی تھی بلکہ اس سے خوف زدہ رہتی تھی۔ رعایا بالخصوص ینی چریوں اور سلطان کے سپاہیوں سے خوفزدہ رہتی تھی۔ سلطان نے سلطنت کے معاملات عورتوں پر چھوڑ دیئے تھے۔ سلطان ہمہ وقت جنسی تلذذ کے حصول میں مگن رہتا تھا۔ وہ کسی اعتبار سے بھی سلطانی کے لیے موزوں نہیں تھا۔ چونکہ اس نے اپنی رعایا پر کبھی توجہ نہیں دی تھی اس لیے اس کی موت پر کسی کو افسوس نہیں ہوا۔''

## سلطان احمد اوّل کی تخت نشینی

محمد سوم کے بعد اس کا بیٹا احمد اول تخت نشیں ہوا۔ اس وقت اس کی عمر تیرہ سال آٹھ ماہ تھی۔ اس میں بہت زیادہ خود اعتمادی تھی اور جب اس کے جدِ اعظم عثمان غازی کی تلوار اس کی کمر سے باندھی جانے لگی تو اس نے شیخ الاسلام کی بجائے یہ کام اپنے ہاتھوں سے کیا۔ اس کے بعد وہ خود جا کر تخت پر بیٹھ گیا۔ احمد نے تخت نشینی کے فوری بعد وزیروں سے مشورہ کیا اور ینی چریوں اور استنبول میں موجود دوسرے فوجیوں کو بہت ساری رقم عطا کی۔ اس کے بعد

وہ گھوڑے پر سوار ہو کر اپنی رعایا کی قبولیت حاصل کرنے کے لیے استنبول کی گلیوں سے گزرا۔

اس وقت محمد سوم کا واحد زندہ بیٹا مصطفیٰ تھا جس کی عمر نو برس تھی۔ وہ ذہنی طور پر مجہول تھا۔ شاید اسی وجہ سے اس کے بھائی احمد نے اس کی جاں بخشی بھی کر دی تھی۔ یوں عثمانی خاندان میں تین نسلوں کے بعد ایسا ہوا کہ نئے سلطان نے شہزادے کو قتل نہیں کروایا۔ شاید مصطفیٰ کی جاں بخشی کا سبب یہ بھی تھا کہ احمد کے علاوہ صرف وہی عثمانی خاندان کا واحد مرد بچا تھا' جبکہ احمد اس وقت اتنا کم عمر تھا کہ وہ ایک بیٹے اور اپنے جانشین کا باپ بننے کے قابل نہیں تھا۔

سلطان بننے کے بعد احمد نے ایاصوفیا کے ساتھ واقع باغ میں اپنے باپ کی تدفین کی۔ اپنے دورِ حکومت کے دوسرے برس کے دوران احمد نے "موتیوں والے کوشک" میں نصب مشینی آلۂ موسیقی سے چھٹکارا حاصل کیا۔ وہ کوشک کی مسجد میں اکثر نماز ادا کرنے جایا کرتا تھا۔ سلطان کے امام مصطفیٰ صفی نے لکھا ہے کہ "احمد اول اپنے باپ سے زیادہ نیک پرہیزگار تھا اور سمجھتا تھا کہ شبیہوں والے اس آلے کو کسی مندر میں ہونا چاہیے نہ کہ مسجد میں۔" یوں 1605ء میں احمد نے حکم دیا کہ اس آلے کو محل سے ہٹا دیا جائے۔

## چھٹا باب

# شہزادوں کا قتل

احمد اول نے تخت نشیں ہونے کے بعد اپنی دادی صفیہ کو تیسری پہاڑی پر واقع پُرانے محل میں بھجوا دیا۔ اس نے اپنی موت تک کا پندرہ برس کا عرصہ وہیں گزارا۔ احمد کی ماں ہنداں نے، جو کہ اب والدۂ سلطان کہلاتی تھی، کبھی اپنی پیشرو جیسا اختیار اور غلبہ حاصل نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اپنے ذہین اور پُرعزم بیٹے پر اس کا کوئی اثر نہیں تھا۔ 26 رنومبر 1605ء کی شام کو، جب سلطان احمد بغاوت فرو کرنے کے لیے اناطولیہ روانہ ہونے والا تھا، ہنداں فوت ہوگئی۔ اُسے اگلے روز ایا صوفیا کے قریب سلطان محمد سوم کی تربت کے ساتھ دفن کر دیا گیا۔ احمد نے روایتی سات دن کا سوگ منانے کے لیے استنبول میں ہی رہنے کا مشورہ قبول نہیں کیا اور ماں کی تدفین کے فوری بعد اپنی فوج کو لے کر روانہ ہوگیا۔ اس کے اس اقدام سے بہت سی افواہیں پھیل گئیں۔ ایک انگریز سیاح سر تھامس شرلے 1602ء سے 1605ء تک استنبول میں قید رہا۔ اُس نے لکھا ہے کہ ”احمد نے اگست 1605ء میں زہر دلوا کر اپنی ماں کو ہلاک کروایا“۔ احمد نے اپنے چھوٹے بھائی مصطفیٰ سے چھٹکارا پانے کے لیے اُسے اس کی ماں (جس کا نام معلوم نہیں) سمیت پرانے محل بھجوا دیا۔

تخت نشیں ہونے کے فوری بعد احمد کو چیچک ہوگئی تھی، جس کی وجہ سے وہ مرتے مرتے بچا تھا۔ وزیروں نے مشورہ دیا کہ وہ مصطفیٰ کو پرانے محل سے لا کر اپنا جانشین مقرر کر دے۔ احمد کو یہ مشورہ ناپسند آیا۔ اس نے صحت یاب ہونے کے بعد مصطفیٰ کی جانشینی کا مشورہ دینے والے سب وزیروں کو فارغ کر دیا۔

احمد پہلا عثمانی سلطان تھا جو تخت نشینی کے وقت کسی بیٹے کا باپ نہیں تھا۔ تاہم تھوڑے عرصے بعد 3 رنومبر 1604ء کو وہ مستقبل کے سلطان عثمان دوم کا باپ بن گیا۔ اس

وقت احمد کو تخت نشین ہوئے ساڑھے دس ماہ ہوئے تھے۔ عثمان دوم کی ماں کا نام ماہ فیروز تھا۔ اُسے خدیجہ بھی کہا جاتا تھا۔ امکان ہے کہ وہ یونانی الاصل کنیز تھی۔ اگلے برس اس کی دو کنیزوں نے' جن کے نام معلوم نہیں ہیں' اس کے دوسرے بیٹے محمد اور پہلی بیٹی کو جنم دیا۔ اگلے برسوں میں احمد پندرہ بچوں کا باپ بنا' جن میں دس لڑکے اور پانچ لڑکیاں شامل تھیں۔

## سلطان احمد کی چہیتی کنیز

سلطان احمد کے دورِ حکومت کے دوسرے سال کے دوران اس کے حرم میں ایک نئی کنیز داخل ہوئی۔ وہ ایک نوجوان یونانی لڑکی تھی' جس کا نام انیستیسیا تھا۔ وہ جزیرہ ٹینوس کے ایک آرتھوڈوکس پادری کی بیٹی تھی۔ ترک اُسے پکڑ کر لائے تھے اور استنبول کی غلاموں کی منڈی میں فروخت کر دیا تھا۔ وہ اس زمانے میں حرم میں لائی جانے والی تیئں کنیزوں کے ایک گروہ میں شامل تھی۔ لہٰذا احمد اُسے کوسیم کہا کرتا تھا یعنی گروہ کی سردارنی۔ بعدازاں اُسے ماہ پیکر بھی کہا جانے لگا۔ کوسیم جلد ہی سلطان احمد کی چہیتی کنیز بن گئی اور 1605ء میں اُس نے سلطان کی دوسری بیٹی کو جنم دیا۔ اس کا نام عائشہ رکھا گیا۔ اگلے دس برسوں کے دوران کوسیم نے سلطان احمد کی دو مزید بیٹیوں اور چار بیٹوں کو جنم دیا' جن میں مستقبل کا سلطان مراد چہارم بھی شامل تھا' جو 29/اگست 1609ء کو پیدا ہوا۔

ماہ فیروز کی جگہ کوسیم سلطان احمد کی ''ہاسکی'' بن گئی۔ ماہ فیروز کو پرانے محل میں بھیج دیا گیا' تاہم اس کا بیٹا عثمان توپ کاپی سرائے ہی میں رہا۔ کوسیم نے عثمان کی دیکھ بھال اور پرورش کی۔ جب وہ سیر و تفریح کے لیے استنبول جاتی تو اُسے اپنی گھوڑا گاڑی میں بٹھا کر ساتھ لے جاتی۔ وینس کے سفیروں کی رپورٹوں میں بتایا گیا ہے کہ ان تفریحی دوروں کے دوران شہزادہ عثمان ان لوگوں میں مٹھیاں بھر بھر سکے لٹاتا تھا جو اُسے دیکھنے کے لیے جمع ہو جایا کرتے تھے۔ اس دوران اس کی سوتیلی ماں پردے میں رہا کرتی۔ وینس کے سفیروں نے یہ بھی بتایا ہے کہ احمد کوسیم کے لیے وقف ہو کر رہ گیا تھا اور اصل اقتدار کوسیم کو حاصل ہو چکا تھا۔ کرسٹوفر ویلیئر لکھتا ہے: ''اس نے سلطان کے دل پر مکمل قبضہ کر لیا ہے اور وہ جو چاہتی ہے سلطان وہی کچھ کرتا ہے۔ وہ اس کی کسی بات کو رد نہیں کرتا۔'' سائمن کونٹاریٹی اس کے بارے میں بیان کرتا ہے:

''وہ حسن و جمال اور ذہانت و فطانت کا پیکر ہے ...... وہ بہت سی صلاحیتوں کی مالک ہے۔ وہ نہایت عمدگی سے گانا گاتی ہے۔ سلطان اُسے بہت محبت کرتا ہے...... ایسا نہیں

ہے کہ سب اُسے تعظیم و تکریم دیتے ہیں بلکہ بعض معاملات میں اُس کی سنی جاتی ہے اور وہ سلطان کی منظورِ نظر ہے' جو اُسے ہر وقت اپنے پہلو میں دیکھنا چاہتا ہے...... وہ اس قدر محتاط ہے کہ سلطنت کے سنجیدہ معاملات و مسائل پر زیادہ بات نہیں کرتی۔''

اب سلطان کی قوتِ مردمی کے حوالے سے تمام شبہات رفع ہو چکے تھے۔ یوں لگتا تھا کہ اب اُسے اپنے بھائی مصطفیٰ کی جاں بخشی کے فیصلے پر افسوس ہو رہا تھا' جس کو اس کی ماں کے ساتھ پرانے محل تک محدود کر دیا گیا تھا۔ سائمن کونٹارینی نے 1612ء میں لکھا کہ سلطان نے دو مرتبہ اپنے بھائی کو گلا گھونٹ کر مار دینے کا حکم جاری کیا مگر دونوں مرتبہ اُس نے اپنا فیصلہ تبدیل کر لیا۔ پہلی مرتبہ تو اُس نے اپنا حکم اس لیے منسوخ کر دیا تھا کہ اچانک اس کے معدے میں شدید درد شروع ہو گیا تھا اور دوسری مرتبہ وہ ایک خوفناک طوفان کے آنے سے ڈر گیا تھا۔ کونٹارینی کو یقین تھا کہ مصطفیٰ کو بچانے والی حقیقتاً کوسیم تھی' جس کا خیال تھا کہ اگر وہ آج رحم کرتی ہے تو آئندہ اس کے بیٹے مراد کے ساتھ رحم کیا جائے گا۔

1606ء کے موسمِ خزاں میں استنبول کے یہودی علاقے میں لگنے والی آگ نے اُسے تباہ و برباد کر دیا۔ نولیس لکھتا ہے کہ سلطان نے آگ بجھانے والوں کی قیادت کی۔ وہ لکھتا ہے کہ سلطان اس دوران زخمی بھی ہو گیا۔ ''افراتفری' شور شرابے اور بھاگ دوڑ کے دوران سلطان اپنے گھوڑے سے گر کر زخمی ہو گیا۔''

سلطان احمد کا زخم جلد ہی ٹھیک ہو گیا تھا۔ اسی برس اس نے پہلی پہاڑی پر ایک شاہی مسجد تعمیر کروانے کا فیصلہ کیا۔ اس نے معمار محمد آغا کو حکم دیا کہ وہ رتھوں کی دوڑ کے قدیم میدان کے ساتھ ہی مسجد تعمیر کروائے۔ روایت کہتی ہے کہ سلطان احمد اپنی مسجد کے لیے اتنا پرجوش تھا کہ اکثر و بیشتر خود بھی مزدوروں کے ساتھ کام میں شامل ہو جاتا۔ وہ مزدوروں اور مستریوں کو اپنے ہاتھ سے ان کی دیہاڑیاں ادا کیا کرتا تھا۔ اس کے علاوہ اضافی کام کرنے والوں کو انعامات بھی دیا کرتا تھا۔

سلطان احمد نے توپ کاپی سرائے میں بھی بہت سی نئی عمارات تعمیر کروائیں' جن میں دو نئے حمام بھی شامل تھے۔ ایک حمام سلام لیک میں اور دوسرا حرم میں بنوایا گیا تھا۔ اس نے شاہی رہائشی حصے میں سلطان مراد سوم کے کمرے کے ساتھ ایک چھوٹی سی خوبصورت لائبریری بھی بنوائی۔ 1605ء میں فرانسیسی سفارتکار ہنری ڈی بیوا نے محل کا دورہ کیا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ ''اب سلطان مردوں والا حمام استعمال کرنے کی بجائے عورتوں کے لیے مخصوص

حمام میں غسل کرتا ہے۔" اُس نے توپ کاپی سرائے کے آج "چوتھا صحن" کہے جانے والے حصے میں ایک کوشک بھی تعمیر کروایا۔ فرانسیسی سفارتکار جولیئن بورڈیئر لکھتا ہے کہ سلطان اس کوشک میں؛ جو کہ اب مٹ چکا ہے، اپنے حرم کی عورتوں کا سازونغمہ سے جی بہلایا کرتا تھا۔ گانے بجانے کا کام یہودی مرد اور عورتیں کرتے تھے، جو اس زمانے میں درباری فنکار تھے۔

فرانسیسی سفارتکار گلز فرمینل نے لکھا ہے کہ سلطان احمد نے پہلے دربار میں ایک "بہت خوبصورت چھوٹی سی عمارت" تعمیر کروائی۔ اس میں ایک خصوصی بیکری ہوتی تھی، جو کہ اب موجود نہیں ہے۔ اس پر لکھی ایک عبارت کے مطابق وہ "محل میں سب سے خالص روٹی کی تیاری کے لیے" استعمال ہوتی تھی۔ سلطان کے لیے تیار کی جانے والی روٹی کا آٹا تھیسلیا میں پیدا ہونے والی گندم سے بنایا جاتا تھا۔ یہ جگہ ایشیائے کوچک کے شمال مغرب میں واقع تھی۔ اس آٹے کو محل کی چراگاہوں میں پلنے والی بکریوں کے دودھ سے گوندھا جاتا تھا۔ یہ انتہائی عمدہ روٹی سلطان اور اس کے چند خاص الخاص منظور نظر افراد کے لیے پکائی جاتی تھی۔ ان لوگوں میں سے ایک محل کا طبیب ڈومینیکو ہائروسولیمیٹینو تھا۔ وہ اپنی آپ بیتی میں اس روٹی کے بارے میں لکھتا ہے:

"ہر روز عمدہ ترین آٹے سے چار چار پاؤنڈ وزنی ایک سو بیس روٹیاں پکائی جاتی تھیں، جنہیں صرف سلطان کے پسندیدہ افراد یا اس کے چھ ذاتی معالجوں کو کھلایا جاتا تھا، جن میں سے ایک ڈاکٹر ڈومینیکو ہائروسولیمیٹینو بھی تھا، جو کہ اب بفضل خدا روم میں ایک عیسائی ہے اور یسوع کے نام پر نہایت مفلسی کے دن گزار رہا ہے۔"

## حرم کی عورتوں کا انوکھا علاج

اوٹاویا نو بون، جس نے ہائروسولیمیٹینو کے زمانے میں محل کا دورہ کیا تھا، بیان کرتا ہے کہ سلطان احمد کے حرم کی عورتیں بیمار پڑ جاتیں تو سلطان کے طبیب ان کا معائنہ کس طرح کرتے تھے:

"اگر بیمار پڑنے والی عورت ملکہ یا ایسی عورت ہو جس کے ساتھ سلطان ہمبستری کرتا ہے تو جس بازو کی نبض معالج دیکھتا ہے اُسے ریشم کے نفیس کپڑے سے ڈھانپ دیا جاتا ہے کیونکہ اس کے بدن کو نہ تو عریاں دیکھا جا سکتا ہے اور نہ چھوا جا سکتا ہے۔ معالج اس کے کمرے میں بول بھی نہیں سکتا۔ اُسے کمرے سے باہر جا کر بتانا ہوتا ہے کہ اُس نے کونسی دوا تجویز کی ہے۔ تاہم اگر جراحت کی ضرورت ہوتی تو اسی صورت میں مذکورہ عورت کے بدن کو چھپانے

کا کوئی راستہ نہیں ہوتا اور جراح (سرجن) اس کے عریاں بدن کو دیکھ بھی سکتا ہے اور چھو بھی۔''

بون ان چند لوگوں میں سے ہے جنہیں توپ کاپی سرائے کے اندرونی حصے دیکھنے کا موقع ملا۔ ایک مرتبہ جب سلطان احمد شکار کھیلنے گیا ہوا تھا تو اس نے باغبانوں کے سربراہ کے نائب کے توسط سے محل کے اندرونی حصے کی سیر کی۔ بون نے سب سے پہلے شاہی باغ دیکھا۔ وہ بتاتا ہے کہ وہاں اس نے ایک جھیل دیکھی جس میں سلطان احمد اپنے مسخروں اور گونگے غلاموں کے ساتھ تفریح کیا کرتا تھا:

''اور جھیل میں ایک چھوٹی سی کشتی موجود تھی۔ مجھے بتایا گیا کہ سلطان اکثر اوقات اپنے گونگے غلاموں اور مسخروں کے ساتھ اس کشتی میں جھیل کی سیر کرتا ہے۔ اس کے غلام کشتی کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک کھیتے ہیں۔ وہ پانی میں غوطے لگا کر اور دوسرے کرتب دکھا کر سلطان کا جی بہلاتے ہیں۔ بعض اوقات سلطان ان کے ساتھ جھیل کے کنارے پر ٹہلتا رہتا ہے۔ وہ انہیں اٹھا کر جھیل میں پھینک دیتا ہے۔''

نولیس نے اپنی کتاب میں عثمانی سلطنت کی تاریخ 1610ء میں سلطان احمد کے دورِ حکومت کے ساتویں برس تک لکھی ہے۔ وہ سلطان کے بارے میں لکھتا ہے:

''عظیم سلطان احمد پندرہ برس کی عمر میں تخت نشیں ہوا تھا۔ اب اس کی عمر بائیس برس ہے۔ اس کا چہرا گول اور بھرا بھرا ہے۔ اس کے چہرے پر چیچک کے تھوڑے بہت داغ اب بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ اس کی ڈاڑھی چھوٹی اور بھورے رنگ کی ہے...... اس کی وضع قطع بہت اچھی ہے۔ رنگت عمدہ ہے۔ وہ مائل بہ فربہی ہے' جیسا کہ اس کا باپ سلطان محمد ہوتا تھا۔ وہ اپنے باپ کی طرح مضبوط اعضا کا مالک اور چست ہے...... وہ لہو ولعب میں بہت زیادہ وقت گزارتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ وہ کثرتِ جماع کے باعث مر جائے گا' جیسا کہ اس سے پہلے اس کے باپ سلطان محمد کے بارے میں تصور کیا جاتا تھا...... کنیزوں کے بطن سے اس کے چار بچے ہیں' دو بیٹے اور دو بیٹیاں۔ اس کا سب سے بڑا بیٹا لگ بھگ پانچ سال کا ہے۔ وہ شکار اور گھڑ سواری کا بھی رسیا ہے اور اکثر شکاری مہمات پر جاتا ہے۔''

نولیس ہڈی سے چھلے بنانے کے سلطان کے مشغلے کا بھی ذکر کرتا ہے۔ سلطان نے یہ ہنر اس عثمانی پالیسی کے تحت سیکھا تھا کہ ہر نوجوان شہزادے کو کوئی نہ کوئی ہنر ضرور سکھایا جائے:

''ہر ترک بادشاہ قانونی طور پر پابند ہوتا ہے کہ وہ روزانہ تھوڑا بہت

وقت کسی دستکاری میں صرف کرے۔ چنانچہ سلطان محمد سوم تیر بنایا کرتا تھا اور اس کا بیٹا سلطان احمد ہڈی کے چھلے بناتا ہے' جنہیں ترک تیر انداز اپنے انگوٹھوں میں پہنا کرتے ہیں۔ سلطان ہر صبح فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد کچھ وقت چھلے بنانے میں صرف کرتا ہے۔"

سلطان احمد نے اپنے دورِ حکومت کے نویں برس اپنی سب سے بڑی بیٹی کی شادی کا جشن نہایت تزک و احتشام کے ساتھ برپا کیا۔ لڑکی کی عمر اس وقت صرف آٹھ برس تھی جبکہ اس کے شوہر کیپٹن کرا محمد پاشا کی عمر پچپن برس تھی۔ پال ریکارٹ نے عثمانی سلطنت کی تاریخ کے حوالے سے لکھی گئی اپنی کتاب میں' جو 1680ء میں شائع ہوئی تھی' اس جشن کا احوال بیان کیا ہے:

"شادی کا دن آ گیا۔ دلہن کو اس کے شوہر کی رہائش گاہ کی طرف لے جایا گیا۔ حسب معمول سب سے آگے ینی چری مارچ کر رہے تھے۔ ان کے بعد شاہی عمال و امرا تھے۔ ان کے اسی (80) امیر تھے' پھر قاضی' وزراء اور وزیراعظم۔ اس کی بائیں طرف مفتی تھا ۔موسیقاروں میں تیس ڈھول بجانے والے تھے' ان کے پیچھے رقص کرنے والے لڑکے تھے' پھر طنبورے بجانے والے آٹھ مصری۔ ان کے بعد دو دو کی قطاروں میں چالیس سازندے تھے کچھ ستار بجا رہے تھے' کچھ نفیریاں اور کچھ بانسریاں۔ ان کے بعد روایت کے مطابق ایک مسخرہ مضحکہ خیز بہروپ میں گاتا اور رقص کرتا آ رہا تھا۔ ان کے پیچھے اسلحہ خانے کے چیف آفیسر مارچ کر رہے تھے۔ ان کے پیچھے لوہے کے ہتھوڑے اور دوسرے آلات اٹھائے تیس آدمی تھے۔ انہوں نے دو بہت بڑے بڑے درختوں کو لے جائے جانے میں رکاوٹ بننے والی اشیا کو توڑنا تھا۔ یہ درخت پھلوں اور مٹھائیوں سے لدے ہوئے تھے اور انہیں بہت سارے آدمیوں نے اٹھایا ہوا تھا۔ اس کے بعد شاہی خزانے کے بیس افسر آئے۔ اس کے بعد متعدد غلام دو بڑی بڑی مشعلیں اٹھائے آئے۔ ایک تیسری بہت بڑی مشعل کو بھی بے شمار غلاموں نے اٹھا رکھا تھا۔ یہ مشعلیں سونے سے بنی ہوئی تھیں اور ان میں ہیرے موتی جڑے ہوئے تھے' جو مشعلوں کی روشنیوں میں جگمگا رہے تھے۔ ان مشعلوں کے بعد سیاہ فام خواجہ سراؤں کا سربراہ شہزادی کے پچاس خدمتگار سیاہ فام خواجہ سراؤں کے ساتھ آ رہا تھا۔ ان کے بعد ایک بہت بڑا چھتر تھا جو کہ مخمل اور ریشم سے بنا ہوا تھا۔ اس کے بعد ایک اور بہت ہی بڑا چھتر تھا' جو سونے سے بنایا گیا تھا۔ اس کے پردے گرے ہوئے تھے اور زمین تک لٹک رہے تھے۔

اس چھتر کے نیچے شہزدی گھوڑے پر سوار تھی۔ اس کے ساتھ زرق برق ملبوسات پہنے کچھ سیاہ فام خواجہ سرا اور دوسرے لوگ تھے۔ شہزادی کے بعد اس کی بے شمار خادمائیں اور خادم زرق برق لباس پہنے آ رہے تھے۔ ان کے پیچھے پچیس حسین ترین کنیزیں سیاہ گھوڑوں پر سوار بال شانوں پر بکھیرے آ رہی تھیں.....''

شادی کے اگلے دن سلطان احمد نے دلہن کی ماں کو بری طرح زدوکوب کیا کیونکہ اس نے اس کی ایک منظورِ نظر کنیز کو گلا دبوا کر ہلاک کروا دیا تھا۔ پال ریکاٹ نے اس واقعے کو تفصیل سے بیان کیا ہے:

> ''شان و شوکت کے اس عظیم الشان مظاہرے کے اگلے روز سلطان نے اپنی سلطانہ کوسفا کی کے ساتھ مارا پیٹا۔ اس نے اپنا خنجر اس کے رخسار میں گھونپ دیا اور اسے بری طرح ٹھوکریں ماریں۔ اس مار پیٹ کی وجہ یہ تھی کہ سلطانہ نے سلطان کی ایک منظورِ نظر کنیز کو' جوکہ اس کی بہن کی کنیز تھی' گلا دبوا کر ہلاک کروا دیا تھا۔ سلطان اس کنیز سے محبت کرنے لگا تھا اور اکثر اسے بلوالیا کرتا تھا۔''

پانچ ماہ بعد سلطان نے شہزادی عائشہ سلطان کی شادی کی' جوکہ کوسیم کے بطن سے اس کی پہلی بیٹی تھی۔ اس کے لیے وزیر نصوح پاشا کو چنا گیا تھا۔ عائشہ صرف سات سال کی تھی' جبکہ اس کا شوہر ادھیڑ عمر تھا۔ شادی کے دو برس بعد سلطان احمد نے نصوح پاشا کو ہلاک کروا دیا' یوں اس کی بیٹی عائشہ نو برس کی عمر میں بیوہ ہوگئی۔ اس کے بعد عائشہ کی پانچ شادیاں ہوئیں۔ اس کے دو شوہر جنگ میں مارے گئے' ایک قتل ہوگیا اور دو قدرتی موت مر گئے۔ اس کا چھٹا شوہر حالب احمد پاشا تھا۔ جو 1644ء میں فوت ہو کر اُسے 39 برس کی عمر میں چھٹی مرتبہ بیوہ کر گیا۔

سلطان سلیمان کے بعد شہزادیوں کی اس طرح کی مسلسل شادیاں عثمانی خاندان کا معمول بن گئی تھیں۔ ان شادیوں کے ذریعے وہ طاقتور پاشاؤں کے ساتھ اتحاد قائم کرلیا کرتے تھے۔ بالخصوص کوسیم نے اپنی بیٹیوں کی شادیوں کے ذریعے تقریباً نصف صدی تک اپنا اقتدار برقرار رکھا۔ جیسا کہ اس نے 1626ء میں وزیراعظم حفیظ احمد پاشا کے ساتھ عائشہ کی تیسری شادی سے چند ماہ پہلے اسے لکھا تھا: ''تم جس وقت تیار ہو' ہمیں اطلاع کردو۔ ہم تمہارا خیال کریں گے۔ میں اس مرتبہ بھی اپنی بیٹی فاطمہ کی شادی کی طرح عمل کروں گی۔''

## سلطان احمد اوّل کی وفات

سلطان احمد نے اپنے دورِ حکومت کے تیرہویں برس شاہی مسجد کا افتتاح کیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس موقع پر اپنی عاجزی وانکساری کے اظہار کے لیے اس نے حضرت محمد ﷺ کے پاپوش مبارک کی طرح کی پگڑی باندھی تھی۔ احمد اس مسجد کی تکمیل کے تھوڑے عرصے بعد 22 نومبر 1617ء کو فوت ہوگیا۔ وفات کے وقت اس کی عمر ستائیس برس اور آٹھ ماہ تھی۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی موت کا سبب ٹائفس تھا۔ سلطان احمد کو اس مسجد کے ساتھ بنائی گئی تربت میں دفنایا گیا۔ یہ مسجد اسی کے نام سے موسوم ہے۔

## جانشینی کا بحران

سلطان احمد کی موت اس کی جانشینی کے حوالے سے ایک بحران کا پیش خیمہ بن گئی کیونکہ اس کا سب سے بڑا بیٹا عثمان اس وقت تیرہ برس کا ہوا تھا۔ عثمانی شہنشاہی کی پہلی تین صدیوں کے دوران باپ کے بعد تقریباً ہمیشہ اس کا بڑا بیٹا تخت نشیں ہوا تھا۔ یہ سلسلہ چودہ نسلوں سے برقرار چلا آرہا تھا۔ تاہم اب عثمان کی کم عمری کی وجہ سے شاہی کونسل نے فیصلہ کیا کہ احمد کے بھائی مصطفیٰ کو تخت نشیں ہونا چاہیے' جس کی عمر اس وقت چھبیس برس تھی۔ اسے اپنے بھائی کے چودہ سالہ دورِ حکومت کے دوران پرانے محل تک محدود رکھا گیا تھا۔ پیچیوی' جو اس واقعے کا عینی شاہد ہے' جانشینی میں تبدیلی کو اس طرح بیان کرتا ہے:

''چونکہ سلطان احمد کے بیٹے بہت کم عمر تھے اور اس کا بھائی مصطفیٰ جوان ہو چکا تھا اس لیے اسے تخت پر بٹھایا گیا..... اس فیصلے کی وجہ یہ تھی کہ ایک جوان شہزادے کی موجودگی میں کسی بچے کی تخت نشینی افواہیں پھیلنے کا باعث بنتی اور متعدد خطرات درپیش ہوجاتے۔ وقت کا تقاضا تھا کہ مصطفیٰ کو سلطان بنا دیا جاتا بصورتِ دیگر سلطنت مشکلات میں گھر جاتی۔''

پیچیوی لکھتا ہے کہ جانشینی کے قانون میں تبدیلی کرنے والا سیاہ فام خواجہ سرائوں کا سربراہ مصطفیٰ آغا تھا: ''جو احمد خان کے دورِ حکومت میں سلطنت کے تمام معاملات میں دخیل تھا۔'' وینس کے سفیر سائمن کونتاریٰنی کا کہنا ہے کہ ممکن ہے کوسیم نے شہزادہ مصطفیٰ کے انتخاب کے لیے اپنا اثرورسوخ استعمال کیا ہو اور شاید اسے امید رہی ہو کہ عثمان کے مقابلے میں وہ اس کے بیٹوں مراد اور ابراہیم کے حق میں زیادہ مہربان ثابت ہوگا۔ عثمان کے حوالے

سے اُسے خوف لاحق تھا کہ وہ قتل برادران کے خونیں ضابطے پر عمل کرتے ہوئے اپنے چھوٹے بھائیوں کو قتل کروا دے گا۔

مصطفیٰ کے تخت نشیں ہونے کے بعد سلطان احمد کی عورتوں اور بچوں کو پرانے محل بھجوا دیا گیا۔ کوسیم کو بھی اس کے چار بچوں سمیت پرانے محل منتقل کر دیا گیا۔ کوسیم کو پرانے محل میں قیام کے دوران ایک ہزار سکہ رائج الوقت روزانہ وظیفہ ملتا رہا اور اس کے خاوند کی وفات کے باوجود اس کا ''ہاسیکی'' والا منصب بھی برقرار رہا۔

## پاگل سلطان مصطفیٰ اوّل

سلطان بننے سے پہلے مصطفیٰ کی ذہنی حالت کا علم عمومی طور پر کسی کو نہیں تھا۔ تاہم اس کے بعد جو بھی اُس سے ملا اُسے علم ہو گیا کہ وہ پاگل ہے اور خود حکمرانی کے قابل نہیں ہے۔ کاتب چلیبی نے لکھا ہے کہ ''جب سلطان کی ذہنی و جسمانی بیماری نمایاں ہو گئی تو سلطنت کے معاملات اس کی ماں نے سنبھال لیے۔'' علماء نے والدۂ سلطان پر دباؤ ڈالا کہ وہ مصطفیٰ آغا کو برطرف کر دے کیونکہ وہ سلطان مصطفیٰ کو معزول کرنے کے لیے وزیروں کو اپنا حامی بنا رہا ہے۔ تاہم نائیما کے بقول والدۂ سلطان مصطفیٰ آغا کی ''اشک بھری آنکھوں اور میٹھی میٹھی باتوں سے دھوکا کھا گئی'' اور وہ بدستور سیاہ فام خواجہ سراؤں کا سربراہ رہا۔ تب مصطفیٰ آغا نے علماء کو قائل کیا کہ وہ فتویٰ صادر کریں کہ سلطان مصطفیٰ اپنی ذہنی کمزوری کی وجہ سے حکومت کرنے کے قابل نہیں ہے۔ ایسا ہی ہوا اور 26 رفروری 1618ء کو مصطفیٰ کو معزول کر دیا گیا۔ اس کا دورِ حکومت صرف چھیانوے روز پر مشتمل تھا۔ معزولی کے بعد اُسے توپ کاپی سرائے کے اندرونی حصوں میں واقع قفس میں بند کر دیا گیا۔

## سلطان عثمان دوم کی تخت نشینی

جس روز مصطفیٰ کو معزول کیا گیا' اُسی روز اس کے بھتیجے عثمان دوم کو سلطان بنا دیا گیا۔ اس وقت اس کی عمر تیرہ سال اور چار ماہ تھی۔ ایسا لگتا ہے کہ اس کی ماں ماہ فیروز کو والدۂ سلطان کا منصب نہیں ملا اور وہ پرانے محل ہی میں رہی' کیونکہ اس امر کا کوئی ریکارڈ دستیاب نہیں ہوا۔ وہ عثمان کے سلطان بننے کے دو سال بعد 1620ء میں فوت ہوئی اور اُسے سادگی کے ساتھ حضرت ایوبؓ کے مزار کے احاطے میں دفنا دیا گیا۔ مصطفیٰ کی ماں کو پرانے محل بھجوا دیا گیا۔ اُسے والدۂ سلطان کی حیثیت سے تین ہزار سکہ' رائج الوقت روزانہ وظیفہ ملا کرتا تھا'

اُسے بھی گھٹا کر دو ہزار روزانہ کر دیا گیا۔ سلطان محمد سوم کی ماں صفیہ بھی پرانے محل میں ہی رہتی تھی اور اسے تین ہزار روزانہ وظیفہ ملا کرتا تھا۔ صفیہ 1618ء میں فوت ہوئی۔ اسے ایا صوفیا کے باغ میں اپنے شوہر کی تربت کے ساتھ دفنایا گیا۔ کوسم جسے مرحوم احمد اول کی "ہاسکی" کی حیثیت سے ایک ہزار روزانہ کا وظیفہ ملتا تھا' اپنے بیٹوں مراد اور ابراہیم کے ساتھ پرانے محل میں مقیم رہی۔ اسی کی کوششوں سے وہ دونوں اور احمد اول کے دیگر سات بیٹے عثمان کے ہاتھوں قتل برادران کے ضابطے کے تحت ہلاک ہونے سے بچ گئے۔ احمد اول کے ان سات بیٹوں میں سے سب سے بڑا شہزادہ محمد تھا جس کی عمر تیرہ برس تھی۔

تخت نشینی کے تین ماہ بعد سلطان عثمان نے انگلستان کے بادشاہ جیمز اول کو خط لکھا جس میں اس نے عثمانی خاندان میں جانشینی کے قانون کی تبدیلی کی وجوہات سے آگاہ کیا کہ اس کے چچا مصطفیٰ کو کیوں سلطان بنایا گیا:

"یہ شہنشاہانہ اور پدریتی سلطنت آج کے مبارک دور تک وراثتی رہی ہے..... دادا سے باپ' باپ سے بیٹے اور اس سے آگے تک۔ تاہم میری کم عمری کی وجہ سے میرے عظیم اور عالی نسب چچا مصطفیٰ کو عثمانی تخت پر جلوہ آرا ہونے کا موقع دیا گیا۔"

اس وقت تک عثمان نے ان سب لوگوں کو برطرف کر دیا تھا' جن کی وجہ سے عثمانی خاندان میں جانشینی کا قانون تبدیل ہوا اور اس کی جگہ مصطفیٰ کو سلطان بنایا گیا اور فوج کو جاری کیے گئے ایک فرمان میں اس نے اپنے چچا کے مختصر دورِ حکومت کو "قدیم روایت" میں ایک غلط تعطل قرار دیا۔ عثمان کی حکمرانی کے تیسرے سال میں آسمان پر ہلال نما ایک دم دار ستارہ دکھائی دیا۔ دیمیتریئس کینتمیر کے بقول درباری ستارہ شناسوں نے اسے "سلطان کی فتوحات اور عثمانی سلطنت کی توسیع کا نشان قرار دیا"۔ اس واقعے کے ایک سال بعد ایسا ہوا کہ بحیرۂ باسفورس کا پانی سردی کی وجہ سے جم گیا تو انہیں ستارہ شناسوں نے اسے ایک نحس علامت قرار دیا۔

20 اکتوبر 1621ء کو ایک کنیز کے بطن سے سلطان کا بیٹا امیر پیدا ہوا مگر وہ اگلے برس جنوری میں فوت ہو گیا۔ جلد ہی ایک دوسری کنیز کے بطن سے اس کا دوسرا بیٹا مصطفیٰ اور بیٹی زینت پیدا ہوئے' مگر وہ دونوں بھی شیر خواری کی عمر ہی میں فوت ہو گئے۔ ولی عہد کے نہ ہونے سے عثمان کو خوف لاحق ہو گیا کہ اُسے اپنے بھائی محمد کے حق میں دستبردار نہ ہونا پڑے۔ اس نے پولینڈ پر لشکر کشی کے لیے روانہ ہونے سے قبل 12 جنوری 1621ء کو اپنے بھائی محمد کو ہلاک کروا دیا۔ اگلے برس سلطان عثمان نے غیر ترک کنیزیں رکھنے کی طویل عرصے سے چلی

آ رہی روایت کو توڑتے ہوئے ایک ممتاز ترک خاندان کی خوبصورت لڑکی سے شادی کر لی۔ اس لڑکی کا نام عقیلہ تھا۔ وہ مفتی اسد آفندی کی بیٹی اور سلطان سلیمان عالیشان کی پڑنواسی تھی۔ شادی 7/ فروری 1622ء کو ہوئی۔ رعایا اور فوج دونوں نے اسے ناپسند کیا۔ ترک دربار میں انگریز سفیر سر تھامس رو نے ایک خط میں لکھا تھا:

> ''سلطان نے آج سے کوئی بارہ دن پہلے' اپنے تمام وزیروں کے مشوروں کے برخلاف' ایک سلطان کی نواسی سے شادی کر لی۔ اس شادی کی وجہ صرف لڑکی کا حسن و جمال ہے۔ شادی بغیر کسی دھوم دھڑکے کے ہوئی ہے اور یہاں اس کو اچھا نہیں سمجھا جا رہا۔ اس کے پیشرؤوں نے کبھی کسی ترک نسل کی لڑکی سے شادی نہیں کی تھی۔ اس اقدام کی وجہ سے وہ فوجیوں میں کافی نامقبول ہو گیا ہے۔ وہ روزانہ بھیس بدل کر ایک یا دو غلاموں کے ساتھ شہر کی گلیوں میں گھومتا ہے اور لوگوں کے گھروں میں تا کا جھانکی کرتا ہے۔ رعایا میں اس کے اس معمول کی وجہ سے اس کی عزت کم ہو رہی ہے۔''

## سلطان عثمان دوم کے خلاف بغاوت' معزولی اور قتل

سلطان عثمان کی نامقبولیت 18/ مئی 1622 کو بغاوت کا پیش خیمہ بنی۔ استنبول کے بیشتر شہریوں نے فوجیوں کا ساتھ دیا۔ شیخ الاسلام نے فتویٰ دیا تھا کہ وزیراعظم دلاور پاشا نے سلطان کو غلط کاموں کے مشورے دیئے تھے۔ ایک ہجوم توپ کاپی سرائے کے پہلے صحن میں داخل ہو گیا اور وزیراعظم کو ہلاک اور اس کی لاش کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا۔ سلطان عثمان کے مشیروں نے کہا کہ باغی' جن کی قیادت معزول سلطان مصطفیٰ کا سالا داؤد پاشا کر رہا تھا' سلطان کی ذاتی درخواست پر ہتھیار ڈال سکتے ہیں۔ عثمان اپنے مشیروں کے ساتھ ینی چریوں کی مسجد گیا اور ان سے رحم کی درخواست کی مگر انہوں نے ایک نہ مانی اور اس کے ساتھ آنے والے تمام مشیروں کو قتل کر دیا۔ پھر باغیوں نے سلطان عثمان کو قیدی بنا کر یدی کول' سات میناروں والے قلعے میں بند کر دیا۔ اب داؤد پاشا کو خوف لاحق ہو گیا کہ اس کے خلاف ردِانقلاب ہو گا اور معزول سلطان کو بحال کر دیا جائے گا۔ چنانچہ اس نے احکامات جاری کیے کہ سلطان عثمان کو فی الفور ہلاک کر دیا جائے۔ اولیا چلپی نے سلطان کے آخری لمحوں کی

روداد بیان کی ہے:

''وہ اسے مسجد سے ایک گھوڑا گاڑی میں بٹھا کر سات میناروں والے قلعے لائے جہاں اُس کے ساتھ انتہائی وحشیانہ سلوک کیا گیا اور آخرِ کار ''پہلوان'' نے اُسے نہایت بے رحمی کے ساتھ موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ ایک فوجی نے اس کا دایاں کان کاٹ دیا۔ ایک ینی چری نے اس کی ایک انگلی کاٹ کر اس کی انگوٹھی لوٹ لی۔ پھر وہ کان اور انگلی کو لے کر داؤد پاشا کے پاس گیا۔ داؤد پاشا نے اسے انعام میں نقد رقم دی۔''

اگلے دن سلطان عثمان کو مسجدِ سلطان احمد میں اپنے باپ کی تربت کے ساتھ خاموشی سے دفنا دیا گیا۔ ترک اُسے ''نوجوان عثمان'' کہتے ہیں، کیونکہ موت کے وقت اس کی عمر صرف سترہ برس اور چھ ماہ تھی۔ سلطان عثمان ایسا پہلا عثمانی سلطان تھا جسے خود اس کے اپنے آدمیوں نے قتل کیا تھا۔ بعض غیر ملکی مبصروں نے اس واقعے کو عثمانی سلطنت کے زوال کی ایک علامت سمجھا۔ جیسا کہ سر تھامس رو نے سلطان عثمان کی ہلاکت کی خبر سن کر انگلستان بھیجے گئے اپنے ایک خط میں لکھا تھا:

> ''میں نے سنا ہے کہ نئے وزیرِ اعظم داؤد پاشا نے سلطان عثمان کو ہلاک کروا دیا ہے۔ خود اپنوں کے ہاتھوں ہلاک ہونے والا وہ پہلا سلطان ہے۔ میرے خیال میں یہ واقعہ عثمانیوں کے زوال کی ایک منحوس علامت ہے۔''

## ساتواں باب

# سلطان مراد چہارم کا دور

## سلطان مصطفیٰ اوّل کی دوسری مرتبہ تخت نشینی

سلطان عثمان کے خلاف بغاوت کے دوران باغی اس کے چچا مصطفیٰ کو حفاظت کے خیال سے پہلے توپ کاپی سرائے سے پرانے محل اور بعدازاں ینی چریوں کے علاقے میں لے گئے۔ پھر مصطفیٰ کو 19 مئی 1622ء کو دوسری مرتبہ سلطان بنا دیا گیا۔

اگلے روز داؤد پاشا کی طرف سے مصطفیٰ کی ماں کو عثمان کا کٹا ہوا کان پیش کیا گیا' جو اس بات کا ثبوت تھا کہ معزول سلطان مر چکا ہے اور اب مصطفیٰ کا اقتدار محفوظ ہے۔ والدہ سلطان نے داؤد پاشا کے اس کارنامے کے صلے میں اُسے وزیرِ اعظم بنا دیا۔

داؤد پاشا مصطفیٰ کا بہنوئی تھا۔ سر تھامس رو کے بقول والدہ سلطان اور اس کے داماد نے احمد اول کے تمام زندہ بیٹوں کو ہلاک کرنے کی سازش تیار کی تا کہ سلطان مصطفیٰ کے بعد عثمانی خاندان میں صرف سلیمان ہی باقی رہ جائے۔ مصطفیٰ کی کوئی اولاد نہیں تھی اور وہ حرم میں کنیزیں رکھنے پر بھی آمادہ نہیں تھا۔ اس وجہ سے والدہ سلطان اور اس کا داماد سلیمان کو آئندہ سلطان بنانے کے خواہاں تھے۔

والدہ سلطان کے بھیجے ہوئے قاتل' سفید فام خواجہ سراؤں کے سربراہ کی قیادت میں' نوجوان شہزادوں کو قتل کرنے کے لیے پرانے محل پہنچے تو محل کے غلاموں نے انہیں روک لیا اور وہاں ینی چریوں اور دیگر فوجیوں کو خبردار کر دیا۔ انہوں نے قاتلوں کو گرفتار کر لیا اور رتھوں کی دوڑ والے میدان میں بے شمار لوگوں کی موجودگی میں انہیں پھانسی پر چڑھا دیا۔ اس واقعے کے بعد داؤد پاشا کو وزیرِ اعظم کے منصب سے ہٹا دیا گیا۔ والدہ سلطان اپنے اس منصب اور

سلطان مصطفیٰ کی وجہ سے بچ گئی، جس کے پاگل پن کی وجہ سے رعایا اُسے ولی سمجھنے لگی تھی۔ ینی چری داؤد پاشا کو سات میناروں والے قلعے کے اُسی کمرے میں لے گئے جہاں انہوں نے اس کے حکم پر عثمان کو قتل کیا تھا۔ اب انہوں نے داؤد پاشا کو گلا گھونٹ کر ہلاک کر دیا۔

## سلطان مراد چہارم کی تخت نشینی

اب سلطنت میں انتشار پھیل چکا تھا۔ اناطولیہ میں بغاوت پھوٹ پڑی۔ استنبول میں بھی فوجی بغاوت پر تلے ہوئے تھے کیونکہ ان کی تنخواہیں واجب الادا تھیں۔ شاہی خزانہ خالی ہونے والا تھا۔ مصطفیٰ کی والدہ نے اپنے بیٹے کی نمائندگی کرتے ہوئے ایک سال میں چھ وزرائے اعظم تبدیل کیے۔ کوئی وزیر اعظم بھی سلطنت کے حالات کو معمول پر نہیں لا سکا اور آخر کار سب اس امر پر متفق ہو گئے کہ مصطفیٰ کو معزول کر کے اس کی جگہ کوسیم کے بیٹے مراد کو سلطان بنا دیا جائے۔ مراد کو چودہ سال اور بارہ دن کی عمر میں سلطان بنا دیا گیا اور وہ سلطان مراد چہارم کہلایا۔ وہ چھ سال قبل اپنے والد سلطان احمد اوّل کی وفات کے بعد سے پرانے محل میں ہی محدود رہا تھا۔ تخت نشیں ہونے کے بعد مراد نے اپنے چچا مصطفیٰ کو پرانے محل بھجوا دیا' جہاں وہ اپنی باقی ساری زندگی مقیم رہا۔ شاید اس کی ماں کو بھی پرانے محل بھجوا دیا گیا تھا' تاہم اس کے انجام کے بارے میں کسی کو علم نہیں ہے۔ اب کوسیم والدۂ سلطان بن کر توپ کاپی سرائے کی حرم سرا میں واپس آ گئی' جہاں وہ اپنے بیٹے مراد کے دورِ حکومت کے اوائل میں اس کی جگہ سلطنت کا انتظام سنبھالے رہی۔ اس کے دیگر بیٹے' سلیمان' قاسم اور ابراہیم' جن کی عمریں مراد کی تخت نشینی کے وقت بارہ سے آٹھ سال تک تھیں' بلوغت تک توپ کاپی سرائے کی حرم سرا میں ہی رہے۔ پھر انہیں باری باری سلام لیک بھیج دیا گیا۔ وہاں احمد اوّل کا ایک اور واحد زندہ بیٹا بایزید مقیم تھا۔ ان سب نے شاہی غلام لڑکوں کے ہمراہ تعلیم و تربیت حاصل کی۔ بعدازاں جب وہ اتنے بڑے ہو گئے کہ تخت کے لیے خطرہ بن سکیں تو مراد نے انہیں قفس میں بند کروا دیا اور آخر کار ایک کے سوا باقیوں کو قتل کروا دیا۔

## سلطان مراد چہارم کا حرم

سلطان مراد نے تخت نشیں ہونے کے بعد توپ کاپی سرائے کی حرم سرا میں عورتیں رکھنا شروع کیں۔ اس کی پہلی ہاسیکی عائشہ نے 1627ء میں اس کے ایک بیٹے کو جنم دیا اور اگلے آٹھ برسوں میں اس کی دیگر کنیزوں نے اس کے چار بیٹوں کو جنم دیا۔ مراد کے پانچوں

بیٹے طفلی ہی میں مر گئے' ان میں سے چار 1640ء میں طاعون کی وباء میں ہلاک ہو گئے تھے۔ مراد کی بارہ بیٹیاں بھی تھیں' جن میں سے چھ تو شیر خواری کی عمر میں فوت ہو گئیں اور باقی چھ کی شادیاں کم عمری ہی میں پاشاؤں کے ساتھ کر دی گئیں۔ ان شادیوں کا اہتمام کوسیم نے کیا تھا۔ کوسیم مراد کے دورِ حکومت کے اوائل میں وزرائے اعظم سے خط کتابت کرتی تھی۔ ایک خط میں اُس نے یمن کے حالات اور اپنے بیٹے کی صحت کے حوالے سے تفکر کا اظہار کیا:

''مصر سے ایسے خط ملے ہیں جن سے وہاں کے حالات کا پتہ چلتا ہے۔۔۔ یقیناً ایسے ہی خط تمہیں بھی موصول ہوئے ہوں گے۔ یمن کے سلسلے میں لازماً کچھ نہ کچھ کرنا ہوگا۔ تم جو کچھ کر سکتے ہو کرو۔ تم حضرت محمد ﷺ کی اُمت کی خدمت کرو' اللہ تم پر رحمت کرے گا۔ میرا بیٹا صبح جاتا ہے اور شام کو آتا ہے۔ میں تو اُسے دیکھ ہی نہیں پاتی۔ وہ دوبارہ بیمار پڑ گیا ہے۔ مجھے اپنے بیٹے کی طرف سے بڑی پریشانی ہے۔ جب تمہیں موقع دستیاب ہو تو اس سے بات کرنا۔ اُسے کہنا کہ وہ اپنا خیال ضرور رکھا کرے۔ میں کیا کروں' وہ تو میری سنتا ہی نہیں! میں ہر وقت اس کی زندگی کی دعائیں مانگتی رہتی ہوں ...... یمن کے سلسلے میں کچھ کرنے کی کوشش کرو۔ خدا ہم پر رحم فرمائے۔''

سلطان مراد کو اس سارے عرصے میں ینی چریوں کی طرف سے بغاوت کا خطرہ رہا' جو اپنی تنخواہوں کے حوالے سے مضطرب تھے۔ جب وزیر اعظم جنگی مہم پر گیا تو سلطنت کا کام سلطان کے چار بہنوئیوں نے سنبھالا۔ ریکاٹ ''عثمانی سلطنت میں انتشار'' کے عنوان سے اس صورتحال پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

> ''حکومت کی باگ ڈور اس وقت چار بہنوئیوں کے ہاتھ میں ہے' جو گرینڈ سینور کی چار بیٹیوں سے بیاہے ہوئے ہیں اور اسی وجہ سے بہت بااختیار ہیں ...... ان کی وجہ سے سلطنت کا انتشار اور رعایا کی بے چینی و عدم اطمینان بڑھ رہا ہے۔''

ریکاٹ سلطان مراد کی حالت بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ اس نے اپنی ذمہ داریاں مکمل طور پر نظر انداز کر دی ہیں اور اپنا وقت درباریوں' مسخروں' گانے بجانے والوں اور خواجہ سراؤں میں گزارتا ہے۔ وہ نہ صرف اپنی صحت برباد کر رہا ہے بلکہ رعایا میں بھی اپنے آپ کو بے وقار کر رہا ہے۔ مقتدرہ کی عدم موجودگی میں سلطنت زوال کا شکار ہے۔ ستمبر 1631ء میں سلطان مراد پر بجلی گری۔ وہ بچ گیا اس نے جان بچ جانے پر خدا کے شکرانے کے

طور پر کچھ عرصہ کے لیے شراب پینا چھوڑ دی۔

18 نومبر 1631ء کو ینی چریوں نے بغاوت کر دی۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ کوسیم کے دماد وزیرِ اعظم حفیظ احمد پاشا کو ان کے حوالے کیا جائے وگرنہ وہ مراد کو معزول کر دیں گے۔ مراد نے مجبوراً حفیظ احمد پاشا اور اپنے پندرہ دیگر درباری' جن میں اس کا منظورِ نظر نوجوان غلام موسیٰ بھی شامل تھا' ینی چریوں کے حوالے کر دیئے' جنہوں نے ان سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ مراد اس وقت تو برداشت کر گیا مگر اگلے برس اس نے اپنا انتقام لیا اور بڑی تعداد میں باغیوں کو ہلاک کروا دیا۔ ریکاٹ لکھتا ہے: ''قتل و غارت اتنے بڑے پیمانے پر ہوئی کہ بحیرۂ باسفورس لاشوں سے بھر گیا۔''

اس سے اگلے سال سلطان مراد نے اس بنیاد پر استنبول کے قہوہ خانوں کو بند کروا دیا کہ وہ باغیوں کی آماجگاہ بن چکے ہیں (قہوہ خانوں کو ان گنت مرتبہ بند کیا گیا اور وہ بعدازاں دوبارہ کھل گئے)۔ سلطان مراد نے افیون کے علاوہ تمباکو نوشی پر بھی پابندی عائد کر دی۔ تاہم اسی زمانے میں اس نے مسلمانوں کے بھی شراب بیچنے اور پینے کو قانوناً غیر ممنوع قرار دینے کا فرمان جاری کیا۔ یہ قانون اسلامی تاریخ میں عدیم النظیر تھا۔ کینٹمیر کا موقف ہے کہ سلطان مراد خود شراب پیا کرتا تھا' اس لیے اس نے ایسا قانون جاری کیا:

> ''سلطان مراد اپنے تمام پیش رووں سے زیادہ شراب نوشی کرتا ہے۔ وہ صرف خلوت میں ہی شراب نوشی نہیں کرتا بلکہ مفتیوں اور قاضیوں کو بھی مجبور کرتا ہے کہ وہ اس کے ساتھ شراب پئیں اور جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے اس نے ہر مذہب اور طبقے کے افراد کو شراب بیچنے اور پینے کی اجازت کا فرمان جاری کیا ہے۔ وہ شراب کا زبردست رسیا ہوتے ہوئے افیم اور تمباکو کا سخت دشمن ہے۔ اس نے ان دونوں کے استعمال پر موت کی سزا کا اعلان کر رکھا ہے اور خود کئی لوگوں کو اس جرم میں ہلاک کر چکا ہے کہ وہ یا تو افیم کھا رہے تھے یا تمباکو بیچ یا پی رہے تھے۔''

کینٹمیر بتاتا ہے کہ کس طرح سلطان کے دوست باقری مصطفیٰ نے اُسے شراب نوشی پر راغب کیا تھا۔ کہانی یوں ہے کہ ایک روز سلطان مراد بھیس بدل کر بازار میں پھر رہا تھا کہ اس نے مصطفیٰ کو نشے میں دھت زمین پر پڑا دیکھا۔ وہ اُسے محل میں اٹھوا لایا۔ وہاں مصطفیٰ نے سلطان کے سامنے شراب کے کیف و سرور کے قصے سنائے۔ اس نے کہا کہ شراب کے خمار

کا علاج مزید شراب نوشی ہے۔ باقری مصطفیٰ جلد ہی شراب نوشی کی وجہ سے مر گیا۔ کیتھمیر لکھتا ہے:

''اس کی موت پر سلطان نے پورے دربار کو سوگ منانے کا حکم دیا۔ اُسے ایک شراب خانے میں انتہائی تزک و احتشام کے ساتھ دفنایا گیا۔ اس کی موت کے بعد سلطان نے اعلان کیا کہ وہ کبھی خوشی نہیں منائے گا۔ جب کبھی مصطفیٰ کا ذکر ہوتا' وہ دل کی گہرائیوں سے آہیں بھرتا اور رونے لگتا۔''

سلطان مراد کو شراب کے نشے کی عادت پڑ گئی تھی۔ آخر ایک دن اُسے ادراک ہوا کہ سلطان کے استحکام کے لیے یہ عادت کتنی خطرناک ہے۔ 1634ء میں اس نے شراب بیچنے اور پینے پر پابندی عائد کر دی اور استنبول سمیت پوری سلطنت میں شراب خانے بند کروا دیئے۔ ریکاٹ نے مراد کی شراب نوشی کے دوران اس کی سفاکی اور ظلم وستم کا احوال لکھا ہے:

''شراب کا بے پناہ عادی ہونے کی وجہ سے مراد منفی اثرات جلد قبول کر لیتا تھا۔ شراب کے نشے میں وہ زیادہ سفاک ہو جاتا تھا۔ لوگ اس سے نفرت کرنے لگے تھے بالخصوص فوجی تو اس سے سخت متنفر تھے۔ بعد میں ہونے والی بغاوتوں کا سبب اس کا یہی رویہ تھا۔ تاہم پھر اس نے شراب کے خلاف سخت ترین فرمان جاری کیا۔ اس نے شراب خانے مسمار کروا دیئے اور شراب کو ضائع کروا دیا۔ سلطان کا معمول تھا کہ وہ بھیس بدل کر گلیوں میں گشت کرتا تھا اور اگر اُسے کوئی شرابی نظر آ جاتا تو وہ اسے گرفتار کروا دیتا تھا۔''

## صفویوں کو شکست

1635ء نے مراد نے ایران کے صفویوں پر لشکر کشی کی۔ اس نے روان شہر کو فتح کر لیا۔ اس نے اپنی فتح کی خبر استنبول بھیجی اور ہدایت دی کہ فتح کے جشن کے دوران اس کے بھائیوں بایزید اور سلیمان کو ہلاک کر دیا جائے تا کہ کوئی ان کی موت پر توجہ نہیں دے۔

مراد اپنی فتح مند فوج کے ساتھ 29 دسمبر 1635ء کو استنبول واپس آیا۔ 1596ء میں محمد سوم کی میزوکرسٹیز میں فتح کے علاوہ سلطان سلیمان کے بعد وہ پہلا عثمانی سلطان تھا جس نے خود کسی فاتحانہ جنگی مہم میں فوج کی قیادت کی تھی۔ چنانچہ شہر کی ساری آبادی اس کے

استقبال کے لیے امڈ آئی۔ اولیا چلپی نے اس منظر کو یوں بیان کیا ہے:

''9/رجب 1045ھ (29/دسمبر 1635ء) کو سلطان ایسے تزک و احتشام اور جاہ و جلال کے ساتھ شہر میں داخل ہوا کہ نہ کوئی زبان اسے ادا کر سکتی ہے اور نہ کوئی قلم اسے بیان کر سکتا ہے..... ہر گھر کی کھڑکیوں میں اور چھتوں پر لوگوں کا ہجوم تھا جو خوشی سے کہہ رہے تھے: ''اے فاتح! تم پر خدا کی رحمت ہو' خوش آمدید! مراد!! تمہیں فتح مبارک ہو!''..... سلطان نے فولادی زرہ بکتر پہنی ہوئی تھی' وہ ایک اعلیٰ نسل کے جنگی گھوڑے پر سوار تھا۔ اس کے پیچھے روان شہر کا امیر یوسف خان اور دیگر ایرانی ''خان'' ننگے پاؤں چل رہے تھے جبکہ موسیقار جھنڈے اٹھائے' بانسریاں اور ڈھول تاشے بجاتے چل رہے تھے۔ سلطان کسی ایسے شیر کی طرح' جس نے اپنے شکار کو مار گرایا ہو' اپنے دائیں بائیں دیکھتا ہوا چل رہا تھا اور لوگوں کو سلام کر رہا تھا۔ اس کے عقب میں تین ہزار مسلح غلام چل رہے تھے۔ جب وہ قریب سے گزرتا تو لوگ بآواز بلند کہتے ''سبحان اللہ' سبحان اللہ''۔ شہر کے تاجروں نے راستے کے دونوں طرف ساٹن' سونے کے کپڑے' عمدہ لینن اور دیگر قیمتی کپڑوں کے پردے سجائے ہوئے تھے' جنہیں بعدازاں سلطان کے خادموں میں تقسیم کر دیا گیا..... جب سلطان محل کی طرف جا رہا تھا تو تمام بندگاہوں پر موجود جہازوں نے توپوں کے گولے چلا کر اُسے سلامی دی' ایسا لگتا تھا گویا سمندر میں آگ لگی ہوئی ہے۔ منادی کرنے والوں نے منادی کی کہ سات دن اور رات جشن منایا جائے گا۔''

## اولیا چلپی

اولیا چلپی، جس کی عمر اس وقت چوبیس برس تھی' روان شہر کی فتح کے موقعے پر موجود تھا۔ وہ اپنے باپ درویش محمد آغا کے ساتھ جنگی مہم پر گیا تھا۔ اس کا باپ سُناروں کی انجمن کا سربراہ تھا۔ اولیا کا چچا ملک احمد آغا (جو بعدازاں پاشا کہلایا) اس زمانے میں سلطان مراد کا شمشیر بردار اور انتہائی قریبی ساتھی تھا۔ روان کی مہم سے واپسی کے تھوڑے عرصے بعد ہی اس نے اپنے بھتیجے کی سلطان سے ملاقات کا اہتمام کیا۔ یہ ملاقات 1635ء کی شبِ قدر کو ہوئی۔ اس رات اولیا چلپی نے ایا صوفیا میں پورے قرآن کی تلاوت کی۔ سامعین میں سلطان بھی موجود تھا۔ سلطان مراد اس سے بہت متاثر ہوا اور اس نے ملک احمد اور اپنے ایک دوسرے نائب کو بھیج کر اولیا کو شاہی محل میں بلوایا۔ وہاں ایک اجتماع کے سامنے اولیا کے سر پر سونے کا

تاج رکھا گیا اور پھر اسے سلطان کے حضور لے جایا گیا۔ جیسا کہ اولیا لکھتا ہے:

''سلطان کو دیکھتے ہی میں سجدے میں گر گیا اور زمین کو بوسہ دیا۔ سلطان نے انتہائی مہربانی و شفقت سے میرا استقبال کیا۔ سلام و آداب کے بعد سلطان نے مجھ سے پوچھا کہ میں کتنے گھنٹوں میں پورا قرآن پڑھ سکتا ہوں۔ میں نے کہا کہ اگر تیز تیز پڑھوں تو اللہ کی رحمت کے ساتھ سات گھنٹوں میں اور اگر درمیانی رفتار سے پڑھوں تو آٹھ گھنٹوں میں پورا قرآن پڑھ سکتا ہوں۔ سلطان نے مجھے دو تین مٹھیاں بھر کر سونے کے ٹکڑے دیئے' جو بعد ازاں گننے پر 623 نکلے۔''

سلطان مراد نے اولیا کو اپنے ذاتی خادموں میں شامل کر لیا۔ اُسے خادم والا لباس پہنایا گیا اور تخت والے کمرے (دربار) میں لے جایا گیا' جہاں بعد ازاں سلطان بھی آ گیا:

> ''سلطان حرم کو کھلنے والے دروازے میں سے یوں نمودار ہوا جیسے سورج طلوع ہو گیا ہو۔ اس نے کمرے میں موجود چالیس خدام اور مصاحبین کو سلام کیا' جنہوں نے جواباً اس کو سلامتی و خوشحالی کی دعائیں دیں۔ سلطان انتہائی وقار کے ساتھ ایک تخت پر بیٹھ گیا۔ میں نے کپکپاتے ہوئے اس کے سامنے جا کر زمین کو بوسہ دیا۔ اس کے بعد میں نے اس کی شان میں کئی شعر پڑھے' جو خوش قسمتی سے اس وقت میرے ذہن میں آ گئے تھے۔ تب اس نے مجھے کہا کہ کچھ سناؤ۔ میں نے کہا: ''میں 72 علوم جانتا ہوں۔ حکم کیجئے میں آپ کو فارسی' عربی' رومی' عبرانی' شامی' یونانی یا ترکی زبان سے کچھ پیش کروں؟ کوئی مختلف قسم کی موسیقی یا شاعری؟''

اولیا نے کچھ شعر سنائے' اس کے بعد اس نے سلطان کو کچھ لطیفے سنائے' پھر طنبورہ بجایا اور تخت کے سامنے ایک درویش کی طرح رقص کر کے دکھایا اور پھر مرحوم موسیٰ کے لیے کچھ شعر گا کر سنائے' جنہیں سن کر سلطان رونے لگا۔ جب سلطان کچھ سنبھلا تو اس نے حکم دیا کہ اولیا کو فی الفور اس کے مصاحبین میں شامل کر لیا جائے۔ مغرب کی اذان ہوئی تو مجلس برخواست کر دی گئی اور اولیا کے بقول اس نے سلطان کے حکم پر امامت کروائی۔

اس کے بعد محل کے سکول میں اولیا چلیپی کی تربیت شروع ہوئی' جہاں اُسے قرآن پڑھنے کے ساتھ ساتھ موسیقی' خطاطی اور قواعدِ زبان عربی اور فارسی میں پڑھائے گئے۔

دورانِ تربیت اولیا کی سلطان سے بہت کم ملاقاتیں ہوئیں۔ محل کے سکول میں اس کا ایک پرانا استاد اور ہم نام اولیا آفندی بھی تھا:

''ہفتے میں تین دن اولیا آفندی مجھے قرآن پڑھاتا۔ اس کے علاوہ عربی' فارسی اور خطاطی کے درس ہوتے۔ انہیں مصروفیات کی وجہ سے میں شاذ و نادر ہی سلطان کی خدمت بجا لا سکا۔ تاہم جب کبھی میں اس کے حضور باریابی پاتا وہ مجھے اتنی شفقت سے ملتا کہ میں اپنی بذلہ سنجی کا کبھی مظاہرہ نہیں کر سکا...... ہر علم کا ماہر ہونے کی وجہ سے سلطان میری بڑی قدر کرتا تھا۔ وہ کسی سادہ سے درویش کی طرح ہر لطیفے اور ہنسی کی بات کو پسند کرتا تھا۔''

اولیا چلیپی سلطان مراد کی بے پناہ قوت کے بارے میں لکھتا ہے' جس کا چکرا دینے والا مظاہرہ اس نے ایک روز سلطان کے حمام کے قریب واقع ورزش گاہ (Gymnasium) میں دیکھا تھا:

''ایک روز سلطان پسینے میں تربتر حمام سے نکلا اور جو لوگ وہاں موجود تھے' انہیں سلام کر کے پوچھا کہ ''کیا میں اب نہا لوں؟'' سب نے اسے صحت کی دعائیں دے کر کہا کہ ضرور نہا لیجئے۔ میں نے کہا: ''اے ہمارے شہنشاہ! آج آپ تھکے ہوئے ہیں' آپ کی طاقت میں کمی آ گئی ہو گی' اس لیے آج پہلوانی مت کیجئے۔'' یہ سن کر سلطان بولا: ''کیا کہا؟ مجھ میں طاقت نہیں رہی؟ آؤ ذرا میں خود کو پرکھوں تو سہی۔'' یہ کہہ کر اس نے مجھے میرے کمربند سے پکڑا اور اٹھا کر اپنے سر سے اونچا کر لیا اور یوں گھمانے لگا جیسے بچے کسی لٹو کو گھماتے ہیں۔ میں چیخنے لگا: ''میرے شہنشاہ! مجھے گرنے مت دیجئے گا۔ مجھے مضبوطی سے پکڑ لیجئے۔'' اس نے کہا: ''تم خود قابو رہو'' اور اس نے مجھے گھمانا جاری رکھا یہاں تک کہ میں رونے لگا: ''خدا کے لیے میرے شہنشاہ! رک جائیے' میرا سر بری طرح چکرا رہا ہے۔'' تب وہ ہنسنے لگا۔ اس نے مجھے چھوڑ دیا اور مجھے سونے کے چالیس ٹکڑے دیئے۔''

اولیا نے موسمِ سرما میں محل میں سلطان مراد کی مصروفیات کا احوال یوں بیان کیا ہے:

''موسمِ سرما میں وہ حسبِ معمول محفلیں برپا کرتا۔ جمعے کی رات وہ تمام علماء و مشائخ اور قرآن کے قاریوں کو اکٹھا کرتا اور صبح ہونے تک ان کے ساتھ سائنسی موضوعات پر

بحث مباحثہ کرتا۔ ہفتے کی رات حمد و نعت پڑھنے اور دیگر روحانی دھنیں گانے والوں کے لیے مخصوص ہوتی۔ اتوار کی رات شاعروں اور رومانوی داستانیں سنانے والوں کے لیے وقف ہوتی تھی ...... سوموار کی رات وہ کم عمر لڑکوں اور مصری موسیقاروں کا رقص و نغمہ دیکھتا سنتا۔ یہ محفل صبح ہونے تک جاری رہتی۔ منگل کی رات وہ ستر سال سے زیادہ عمر کے تجربہ کار لوگوں کے ساتھ انتہائی بے تکلفانہ گفتگو میں گزارتا۔ بدھ کو وہ اولیا اور نیک بزرگوں سے ملاقات کرتا' جبکہ جمعرات کو درویشوں سے ملتا۔ صبح کے وقت وہ تمام مسلمانوں کی طرح اپنے مذہبی فرائض ادا کرتا۔ یوں سلطنت کے معاملات پر اُس کی ایسی کڑی نظر تھی کہ کوئی پرندہ بھی اس کی لاعلمی میں پرواز نہیں کر سکتا تھا۔ اس کی خوبیاں بیان کرنے لگوں تو ایک اور کتاب بن جائے۔''

## پیشہ ور لوگوں کی پریڈ

1636ء میں ایرانیوں نے روان کو دوبارہ حاصل کر لیا' جس کے بعد سلطان مراد صفویوں کے خلاف دوسری مہم کی تیاریاں کرنے لگا۔ ان تیاریوں کے سلسلے میں اس نے حکم دیا کہ تمام پیشہ ور انجمنیں ''جلوسوں والے کوشک'' میں اس کے سامنے پریڈ کریں۔ یہ کوشک توپ کاپی سرائے کی بیرونی دفاعی فصیل کے اندر بنایا گیا تھا۔ اولیا چلیپی نے اپنی کتاب ''سیاحت نامہ'' کی ایک جلد کا ایک تہائی حصہ استنبول کے پیشہ وروں' تاجروں' دکانداروں اور ہنر مندوں کی انجمنوں کے اس جلوس کی تفصیلات لکھنے پر صرف کر دیا ہے۔ یہ پریڈ تین دن جاری رہی' جسے سلطان نے اپنے درباریوں کے ہمراہ ملاحظہ کیا۔ اولیا لکھتا ہے کہ ''تاجروں کی ایک ہزار ایک انجمنوں کو ستاون حصوں میں بانٹا گیا تھا۔ ہر انجمن کے نمائندے اپنی مخصوص یونیفارم میں فلوٹوں (Floats) میں یا پیدل گزرتے ہوئے اپنے اپنے فن کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ وہ سلطان کو حیران کر دینے کے لیے ایک دوسرے کی مسابقت میں نت نئی کوششیں کر رہے تھے۔ انہیں دیکھنے کے لیے سارے شہر کے لوگ وہاں اکٹھے ہو گئے تھے۔'' اولیا چلیپی نے ترتیب وار ہر انجمن کے اراکین کی تعداد' ان کی دکانوں کی تعداد' ان کے نعروں اور ان کے شیوخ اور سرپرست اولیاء کے بارے میں تفصیلاً بیان کیا ہے:

''تمام انجمنوں کے افراد بڑے بڑے ریڑھوں پر یا پیدل' اپنے اپنے آلات کی نمائش کرتے ہوئے گزرے' وہ زور و شور سے اپنے کام میں مصروف تھے ...... سب سے پہلے نانبائی گزرے۔ ان کی نو سو ننانوے دکانیں ہیں۔ وہ ریڑھوں پر سوار اپنے ہنر کا مظاہرہ کرتے

گزرے۔ انہوں نے پکے ہوئے نان تماشائیوں کی طرف پھینکے۔ اس موقعے کے لیے انہوں نے ایک خصوصی نان تیار کیا تھا جس کا وزن پچاس کوئنٹل تھا۔ اس کو پکانے کے لیے اتنی بڑی بھٹی تو نہیں تھی لہٰذا ایک بہت بڑا گڑھا کھود کر دھیمی آنچ پر اسے پکایا گیا تھا۔ ترکھانوں نے لکڑی کے گھر بنائے تھے' معماروں نے دیواریں تعمیر کی تھیں' لکڑہارے بڑے بڑے درخت لادے گزرے...... ایوب کے کھلونے بنانے والے بچوں کے کھیلنے والے ایک ہزار قسم کے کھلونوں کے ساتھ گزرے۔''

اولیا کے بقول جلوس میں پیش روی کے لیے کئی مرتبہ جھگڑا ہوگیا۔ ہر مرتبہ سلطان مراد نے جھگڑے کو نمٹایا۔ پہلا جھگڑا قصابوں اور بحیرۂ ابیض کے ملاحوں میں ہوا۔ مراد نے جھگڑے کا فیصلہ ملاحوں کے حق میں کیا۔ اس نے کہا:

''اس حقیقت کے علاوہ' کہ وہ دارالحکومت کو ضروری اشیاء کی رسد پہنچاتے ہیں' انہیں حضرت نوحؑ کی کشتی کھینے کا اعزاز حاصل ہے۔ اس اعتبار سے ان کا پیشہ مقدم ہے۔ پس ملاح آگے آگے متانت کے ساتھ گزرے۔ جبکہ قصاب ان کے بعد گزرے۔ ملاحوں نے اس جلوس کا سب سے شاندار مظاہرہ پیش کیا۔ پہلے انہوں نے جہازوں سے سلطان کو توپیں چلا کر سلامی دی۔ ہر طرف سے موسیقی کا شور اٹھ رہا تھا۔ بادبان موتیوں اور ہیروں سے سجے ہوئے تھے۔ جب وہ سلطان کے سامنے پہنچے تو انہوں نے کافروں کے جہازوں کے ساتھ لڑائی کا مظاہرہ پیش کیا۔ یوں توپوں کی گھن گرج میں سلطان کے روبرو ایک بحری جنگ لڑ کر دکھائی گئی' دھوئیں نے آسمان کو چھپا لیا تھا۔ بالآخر مسلمان فتحیاب ہوئے۔ وہ کافروں کے جہازوں پر چڑھ گئے۔ انہوں نے کافروں کو قیدی بنایا اور ان کے جہازوں کو اپنے جہازوں کے پیچھے باندھ کر نعرے لگاتے چلے گئے۔ مراد چہارم کے دور سے پہلے ملاحوں کا ایسا مظاہرہ کبھی دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔''

ملاحوں کے گزرنے کے بعد قصابوں نے گزرنا چاہا تو مصری تاجروں کے ساتھ ان کا جھگڑا کھڑا ہوگیا۔ سلطان نے فیصلہ ایک مرتبہ پھر قصابوں کے خلاف دیا۔ مصری تاجر خوشی سے اچھلتے کودتے بحیرۂ ابیض کے ملاحوں کے فوری بعد گزرے۔ مصری تاجر آٹھ الگ الگ گروپوں میں گزرے۔ تماشائیوں نے شربت کے تاجروں کو بہت پسند کیا جنہوں نے طرح طرح کے فرحت بخش مشروبات کو چینی مٹی کے برتنوں میں بھرا ہوا تھا۔ انہوں نے مختلف رنگوں' ذائقوں اور خوشبوؤں والے یہ شربت تماشائیوں میں تقسیم بھی کیے۔ سب سے آخر میں قصابوں

کو گزرنے کی اجازت دی گئی۔

''قصاب' تقریباً سب کے سب ینی چری تھے اور زرہیں پہنے رتھوں میں سوار تھے۔ وہ بھی اپنے ہنر کا مظاہرہ کررہے تھے۔ انہوں نے ایک خوب موٹی تازی بھیڑ کو ذبح کیا' اس کی کھال اتاری' گوشت کے پارچے بنائے اور آوازیں لگانے لگے کہ ''آؤ آؤ نہایت عمدہ گوشت سستے داموں لے جاؤ۔''

اولیا بیان کرتا ہے کہ سلطان کو ایک اور جھگڑا ابھی سلجھانا پڑا' جو مچھلی پکانے والوں اور حلوائیوں کے مابین پہلے گزرنے کے مسئلے پر کھڑا ہوگیا تھا۔ سلطان نے حلوائیوں کو پہلے گزرنے کا موقع دیا۔ حلوائی پانچ الگ الگ ٹکڑیوں میں تھے' سب سے پہلے شاہی حلوائی تھے اور سب سے آخر میں گلاتا کے حلوائی تھے۔ اولیا لکھتا ہے:

''حلوائیوں نے اس موقعے کے لیے مٹھائی کا ایک درخت بنایا تھا' جس پر پھل بھی لگے ہوئے تھے۔ یہ ایک قابل تعریف مظاہرہ تھا! اس درخت کے پیچھے محل کے حلوائی تھے اور ان کے بعد شہر کے دوسرے حلوائی تھے۔''

حلوائیوں کے بعد مچھلی پکانے والے گزرے۔ وہ چودہ ٹکڑیوں میں تھے۔ ان کے ساتھ مچھیروں کی تیرہ ٹکڑیاں مزید تھیں۔ اولیا کے بقول ان میں سے بیشتر یونانی تھے:

''مچھیروں نے اپنی ''دکانیں'' ہزاروں مچھلیوں سے سجائی ہوئی تھیں۔ ان کے علاوہ بہت سے سمندری عفریت بھی رکھے گئے تھے۔ انہوں نے ڈولفن' سمندری گھوڑوں' وہیل مچھلیوں اور دیگر مختلف اقسام اور جسامتوں کی مچھلیوں کو رکھا ہوا تھا۔ انہوں نے جلوس سے دو دن پہلے ان سب کو پکڑا تھا۔ مچھلیوں سے بھرے ریڑھے کو اٹھہتر بیل کھینچ رہے تھے۔ ان مچھیروں میں زیادہ تر یونانی تھے...... مچھلی پکانے والوں کی تعداد نو سو ہے اور ان کی دکانوں کی تعداد پانچ سو ہے۔ وہ گانے گاتے اور دلچسپ حرکتیں کرتے گزرے۔ سلطان جو کہ شگفتہ مزاج انسان ہے' انہیں دیکھ کر خوب ہنسا۔''

اولیا لکھتا ہے کہ اس کے بعد پشم کے کاریگروں اور چمڑا رنگنے والوں میں پیشروی کے مسئلے پر جھگڑا ہوگیا۔ سلطان نے پشم والوں کے حق میں فیصلہ دیا۔ جلوس تیسرے دن سورج غروب ہونے کے وقت اختتام پذیر ہوا۔ اس کے بعد تمام پیشہ ور اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔

❀ ❀ ❀

## آٹھواں باب

# تین پاگل سلطان

## سلطان مراد چہارم کا پاگل پن

مراد ایران پر حملے کے لیے دو سال تیاریاں کرتا رہا۔ اس کا مقصد بغداد کو فتح کرنا تھا۔ ان تیاریوں کے دوران اس کے جبر و استبداد میں اضافہ ہو گیا۔ وہ شراب کے نشے میں اتنے سفاکانہ اقدامات کرتا کہ یہ خوف پیدا ہو گیا کہ وہ پاگل ہو چکا ہے۔ اس کے جبر و ستم کے ستائے ہوئے لوگوں کو امید تھی کہ اس کی شراب نوشی جلد ہی اس کی موت کا باعث بن جائے گی۔ ریکاٹ اس زمانے میں مراد کے رویے کے حوالے سے لکھتا ہے:

> ''اس نے عظیم رتبے کے حامل پاشاؤں اور امرا کو قتل کروا دیا اور ان کی جائیدادیں ضبط کر لیں۔ اس کے مزاج میں سفاکی و بربریت تھی اور کوئی دن ایسا نہیں گزرتا تھا کہ جب وہ اس کا عملی مظاہرہ نہ کرے......
> اس کا مشغلہ تھا کہ ساحلی کوشک میں بیٹھ جاتا اور سمندر میں سے گزرنے والی کشتیوں میں سوار لوگوں کو تیروں کا نشانہ بناتا رہتا۔ اسی وجہ سے ملاح حرم سرا کی فصیل سے دور دور گزرنے لگے تھے۔ اسی طرح اس کا ایک مشغلہ یہ تھا کہ ایک باغ میں سے دوسرے باغ جاتا اور جو کوئی اُسے گزرتا دیکھنے کے لیے سر باہر نکالتا وہ اپنی کاربین سے اس پر گولی چلا دیتا۔''

اولیا چلپی نے بھی اس زمانے میں سلطان مراد کے مجنونانہ طرزِ عمل کا ایک قصہ بیان کیا ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ ایک مرتبہ سلطان مراد چہارم زیریں بحیرۂ باسفورس کے یورپی ساحل پر دولما باچے محل میں بیٹھا نیفی آفندی کی طنزیہ کتاب پڑھ رہا تھا کہ آسمانی بجلی اس کے قریب گری۔ خوفزدہ ہو کر اس نے کتاب سمندر میں پھینک دی اور بیرم پاشا کو حکم دیا کہ مصنف

کو گلا دبا کر ہلاک کر دیا جائے۔ 1638ء میں سلطان مراد کی جنگی مہم کے لیے تیاریاں مکمل ہو گئیں۔ اس کی تیاریوں میں 1637ء میں پھیلنے والی طاعون کی وبا کے باعث تاخیر ہو گئی تھی' جس میں ریکاٹ کے بقول شہنشاہ کا دو یا تین سالہ اکلوتا بیٹا مر گیا تھا۔ مراد کے اکلوتے بیٹے کی وفات کے بعد عثمانی خاندان میں خود اس کے علاوہ دو مرد بچ گئے تھے۔ وہ دونوں اس کے بھائی قاسم اور ابراہیم تھے' جنہیں اس نے قفس میں بند رکھا ہوا تھا۔ چونکہ قاسم بڑا تھا اس لیے اب وہ مراد کا ولی عہد بن گیا' تاوقتیکہ مراد دوسرے بیٹے کا باپ نہ بن جاتا۔ قاسم خوفزدہ رہتا تھا کہ کہیں مراد یہ نہ سمجھے کہ وہ تخت پر قبضہ کرنے کا سوچ رہا ہے۔ جب وہ مراد کے سامنے ہوتا تو انتہائی عاجزی کا مظاہرہ کرتا اور اُسے بغداد فتح کرنے کی دعا دیتا۔ مراد نے اسے 17 /فروری 1638ء کو ہلاک کروا دیا۔

## بغداد کی فتح

1638ء میں ترکوں نے بغداد کا پانچ ہفتے محاصرہ کیا اور اپنے ایک لاکھ افراد گنوا کر اس کو فتح کر لیا۔ مراد نے اپنے فوجیوں کو حکم دیا کہ باقی ماندہ فوجیوں اور شہر کی آبادی کو تہ تیغ کر دیا جائے۔ اس کے بعد وہ اپنی فوج کو استنبول واپس لے گیا۔ ریکاٹ نے بیان کیا ہے کہ وہ 12 /جون 1639ء کو فاتحانہ انداز میں استنبول میں داخل ہوا۔

''شہنشاہ ایرانی روایت کے مطابق شیر کی کھال کندھے پر ڈالے نمودار ہوا.....''

سلطان مراد کی غیر حاضری میں اس کا چچا معزول سلطان مصطفیٰ فوت ہو گیا تھا۔ وہ پرانے محل میں نامعلوم وجہ سے 20 /جنوری 1639ء کو فوت ہوا تھا۔ وہ معزولی کے بعد سے لے کر اپنی موت تک پندرہ سال پرانے محل میں محدود رہا تھا۔ اولیا چلپی کے بقول مصطفیٰ کو ایا صوفیا میں دفنایا گیا۔ مصطفیٰ کی موت کے بعد ابراہیم قفس میں بند واحد شہزادہ بچ گیا۔ سلطان نے 1618ء سے اپنے بھائیوں کو محل کے اندرونی حصے میں ایک قفس میں قید کر رکھا تھا۔ قفس ایک دو منزلہ عمارت تھی' جو سلام لیک میں واقع تھی۔ اس کے گرد ایک اونچی دیوار بنی ہوئی تھی' تاہم جب اٹھارہویں صدی کے وسط میں عمارت میں مزید کھڑکیاں بنائی گئیں تو اس دیوار کو ڈھا دیا گیا۔ مقید شہزادوں کے ساتھی صرف گونگے بہرے خادم اور بانجھ عورتیں تھیں۔ انہوں نے صرف اتنی ہی تعلیم پائی جسے حاصل کرنے کا موقع قید ہونے سے پہلے حرم میں یا محل کے سکول میں انہیں ملا تھا' بعد میں جب انہیں قفس میں بند کیا گیا تو وہ خارجی دنیا سے مکمل طور پر کٹ کر رہ گئے تھے۔

بغداد کو فتح کرنے کے بعد سلطان مراد سارا وقت اپنے منظورِ نظر افراد میں ہی

گزارتا تھا۔ ڈیمیٹریس کینٹمیر لکھتا ہے کہ کس طرح سلطان مراد کی شراب نوشی نے اُسے ایک جنونی قاتل بنا دیا تھا:

''وہ بے گناہوں کے خون کا پیاسا بن گیا تھا۔ ایسا لگتا ہے کہ اُسے خون بہا کر مسرت حاصل ہوتی تھی۔ اکثر ایسا ہوتا کہ وہ آدھی رات کو تلوار تانے عورتوں کے کمرے میں تاکا جھانکی کرتا اور ننگے پیروں' صرف ایک لبادہ پہنے گلیوں میں بھاگتا اور جو اس کے راستے میں آجاتا اُسے قتل کر دیتا۔ وہ اپنے اونچے کمروں میں شراب نوشی کے دوران اتفاقیہ طور پر نیچے سے گزرنے والوں کو تیر مار کر ہلاک کر دیتا۔ وہ دن میں بھیس بدل کر پھرتا رہتا اور اس وقت تک واپس نہ آتا جب تک کسی بے گناہ کو یا معمولی سی خطا کے مرتکب کو قتل نہ کر دیتا۔ چنانچہ اس نے شہر پر ایسی دہشت قائم کر دی تھی کہ کوئی شخص اس کا نام تک لینے کی جسارت نہیں کر سکتا تھا۔''

اب شراب نوشی نے سلطان مراد کی صحت کو مکمل طور پر تباہ کر دیا تھا۔ ریکاٹ کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ اسے جگر کا خطرناک مرض لاحق تھا۔ ریکاٹ لکھتا ہے:

''شراب نوشی سلطان کے لیے ہلاکت انگیز ثابت ہوئی۔ اس کی رگوں اور آنتوں میں آگ سی دہکتی رہتی تھی۔ اسے مسلسل بخار رہنے لگا۔ معالجوں کو بلایا گیا۔ وہ اس کا علاج کرتے ہوئے ڈرتے تھے کہ اگر وہ صحت یاب نہ ہوا تو انہیں اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔ انہوں نے اس کی فصد کھولنے کا فیصلہ کیا تاہم اس عمل سے اس کی موت مزید نزدیک آ گئی اور چار دن بعد وہ مر گیا۔ یہ اس کی سلطانی کا سترہواں برس تھا۔ اس کی عمر بوقتِ مرگ اکتیس برس تھی۔''

سلطان مراد نے بیماری کے دوران اپنے بھائی ابراہیم کو قتل کروانے کا فیصلہ کیا تھا تاکہ اس کی موت کے ساتھ ہی عثمانی خاندان کا خاتمہ ہو جائے۔ ریکاٹ نے اس کی آخری خواہش کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

> ''سلطان مراد کی اولادِ نرینہ نہیں تھی۔ اس کے جتنے بیٹے پیدا ہوئے سب شیر خواری میں ہی مر گئے۔ اس کی خواہش تھی کہ جب وہ مرے تو عثمانی خاندان ہی ختم ہو جائے اور سلطنت تاتاری خانوں کے قبضے میں چلی جائے۔''

بھائی مر گیا! بھائی مر گیا!!

ابراہیم کواس کی ماں کوسیم نے بچالیا جس نے وزیرِاعظم مصطفیٰ پاشا اور شاہی کونسل کے دیگر اراکین کو قائل کر لیا تھا کہ ابراہیم ہی سلطان مراد کی جانشینی کا حق دار ہے۔ ابراہیم گزشتہ چار سال سے قفس میں بند خوفزدہ رہتا تھا کہ اس کا قاتل بھائی کسی بھی لمحے اُسے قتل کر سکتا ہے۔ لہٰذا جب وزراء سلطان مراد کی موت اور اس کے سلطان بننے کی خبر لے کر آئے تو خوف کی وجہ سے اُس نے پہلے دروازہ ہی نہیں کھولا۔ آخر جب کوسیم سلطان مراد کی لاش قفس کے دروازے کے سامنے اٹھوا لائی تب ابراہیم کو یقین ہوا کہ اس کا بھائی مر گیا ہے۔ وہ اپنے زندان سے خوشی کے ساتھ چیختا ہوا نکلا ''بھائی مر گیا' بھائی مر گیا!''

## سلطان ابراہیم کی تخت نشینی

9 رفروری 1640ء کو ابراہیم تخت نشیں ہوا اور اگلے دن سلطان مراد کو مسجدِ سلطان احمد میں اپنے باپ کے پہلو میں دفنا دیا گیا۔ اولیا چلپی نے اپنے آقا کی موت کے حوالے سے لکھا:

''سلطان مراد نے' اپنے مالک کی طرف لوٹ آؤ' کی صدا پر عمل کرتے ہوئے اس فانی دنیا کو خیر باد کہا اور لافانی دنیا کے سفر پر روانہ ہو گیا۔ ساری رعایا غمزدہ ہوگئی اور اس کے انتقال پر اشک بہا رہی تھی۔ میں نے اپنے آقا مصطفیٰ پاشا کے جواہر بار ہونٹوں سے سنا کہ اگر سلطان مزید چھ ماہ زندہ رہتا تو کافروں کے باقی سارے ملکوں کو فتح کر لیتا۔''

تدفین کے فوری بعد ''ایوب'' میں ابراہیم کی کمر سے عثمان کی تلوار باندھی گئی۔ ریکاٹ لکھتا ہے کہ ''ایوب'' سے وہ گھوڑے پر سوار ہو کر لوٹ رہا تھا تو اس کو مبارکباد دینے کے لیے جمع ہونے والے لوگ اُسے دیکھ کر ہنسنے لگے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ گھوڑے کی پشت پر ماہر شاہسواروں کی طرح نہیں بلکہ اناڑیوں کی طرح اور نہایت مضحکہ خیز انداز میں بیٹھا ہوا تھا۔

ریکاٹ نئے سلطان' جو ''پاگل ابراہیم'' کے نام سے مشہور تھا' کے بارے میں لکھتا ہے:

> ''ابراہیم طبعاً شریف اور دھیمے مزاج کا انسان تھا۔ اس کا ماتھا فراخ' آنکھیں خوبصورت اور رنگت سرخ و سفید تھی۔ اس کے چہرے کے خطوط متناسب تھے۔ تاہم اس کی حرکات وسکنات ایسی تھیں جن سے اس کی دماغی صلاحیتوں کے بارے عمدہ تاثر نہیں ملتا تھا۔''

تخت نشینی کے وقت ابراہیم کی عمر چوبیس سال تھی۔ وہ اپنی عمر کے ابتدائی دو سال کے بعد باقی ساری عمر قید میں رہا تھا' پہلے پرانے محل میں اور بعد ازاں توپ کاپی سرائے کی حرم

سرا میں جہاں اُسے تخت نشینی سے پہلے کے چار برسوں میں قفس میں رکھا گیا۔ اس قید و بند کی وجہ سے اس کی ذہنی بیماری میں اضافہ ہو گیا تھا اور وہ خود حکومت کرنے سے سراسر معذور تھا۔ یوں اس کی ماں کوسیم اقتدار کی مالک بن گئی۔ اس نے سلطان مراد کے وزیرِ اعظم مصطفیٰ پاشا ہی کو وزیرِ اعظم رہنے دیا اور اس کے ساتھ ملک کے امورِ سلطنت چلانے لگی۔ تاہم وینس کے سفیر ایلوس کونٹارینی کی ایک رپورٹ کے مطابق والدۂ سلطان اور وزیرِ اعظم کے مابین ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کشمکش بھی رہتی تھی۔

کوسیم نے خیراتی اداروں کو دل کھول کر عطیات دیئے۔ ایسے اداروں میں سے ایک ادارہ یتیم بچیوں کا بھی تھا۔ کوسیم نے ان کی تعلیم و تربیت کے لیے رقوم فراہم کیں اور شادی کی عمر کو پہنچ جانے والی بچیوں کے لیے جہیز مہیا کیا تا کہ ان کی شادیاں ہو سکیں۔ اس نے اسکودر میں ایک مسجد اور استنبول کے تجارتی علاقے میں ایک کاروان سرائے بنوائی۔

## نامرد سلطان

جب ابراہیم سلطان بنا تھا اس وقت اس کے بارے میں یہی تاثر عام تھا کہ وہ نامرد ہے۔ چونکہ وہ عثمانی خاندان کا واحد زندہ مرد تھا اس لیے خدشہ تھا کہ اس کے بعد عثمانی خاندان ختم ہو جائے گا۔ جیسا کہ ریکاٹ لکھتا ہے:

> ”مستقل قید و بند اور موت کے خوف نے اس کو ٹھٹھرا کے رکھ دیا تھا اور عورتوں کے حوالے سے تو عجب ٹھنڈک اس میں پیدا ہو گئی تھی کہ حسین سے حسین عورت کی گرم آغوش بھی اُسے حرارت نہیں دے پاتی تھی۔ حرم سرا کی سب سے زیادہ شعلہ بجاں عورتیں بھی اس کے جسم میں جذبوں کی آگ دہکانے سے قاصر رہیں۔ اس کے بعد مشہور ہو گیا کہ وہ نامرد ہے۔“

## نامردی کا علاج

کوسیم نے غلاموں کی منڈی سے بڑی رازداری کے ساتھ حسین ترین کنیزیں اپنے بیٹے کے حرم میں داخل کرنے کے لیے منگوائیں مگر سلطان نے ان عورتوں میں کوئی دلچسپی ظاہر نہیں کی۔ والدۂ سلطان نے سلطان کے اتالیق جنجی ہوجا سے مشورہ کیا۔ وہ سلطان کے لیے شہوت افروز دوائیں اور ننگی تصویروں والی کتابیں لایا تا کہ اس کے جسم اور تخیل دونوں کو تحریک ملے۔ یہ ترکیب کارگر رہی اور ابراہیم زندگی کی دوسری لذتوں کے ساتھ ساتھ کنیزوں

کی صحبت سے بھی لطف اندوز ہونے لگا۔ چونکہ اس نے ساری زندگی قید و بند میں گزاری تھی اس لیے وہ ان لذتوں کا اسیر ہو کر رہ گیا۔ ریکاٹ نے اس کے دورِ حکومت کے پہلے سال کے حوالے سے لکھا ہے:

''اس دور میں سلطان اپنی نااہلی اور لذت اندوزی میں مشغولیت کی وجہ سے امورِ سلطنت سے بالکل بیگانہ رہا۔ اب وہ جنسی سرگرمیوں میں ڈوب چکا تھا۔ چونکہ وہ قید و بند میں رہا تھا اس لیے آزادی کو برتنے کا اسلوب نہیں جانتا تھا۔ اس نے آزادی کا مطلب یہی جانا کہ کھل کر رنگ رلیاں منائی جائیں۔ وزیر اور امراء بہت خوش تھے کیونکہ وہ ناؤنوش اور رقص و نغمہ کی محفلیں مسلسل برپا کرتا تھا۔ اسے ان محفلوں سے بے پناہ سکون و طمانیت حاصل ہوتی تھی۔ اس کے دوسرے مشاغل میں گھوڑ دوڑ اور تیراندازی کے مقابلے دیکھنا شامل تھا..... 1641ء کا سال شروع ہو رہا تھا اور سلطان حرم سرا میں عورتوں کے ساتھ لذت اندوزی میں محو تھا۔ وہ اپنے خزانے کا کثیر حصہ ان عورتوں پر نچھاور کر رہا تھا۔''

آگے چل کر ریکاٹ بیان کرتا ہے کہ کس طرح اسی برس ابراہیم شدید بیمار ہو گیا۔ اس کی سنگین بیماری سے دوبارہ یہ خدشات پیدا ہو گئے کہ عثمانی خاندان کا خاتمہ نہ ہو جائے کیونکہ عورتوں میں اپنی نئی پیدا ہونے والی بے پناہ دلچسپی کے باوجود وہ اپنے تخت کا جانشین پیدا کرنے میں ناکام رہا تھا۔ افواہیں اب بھی گردش کر رہی تھیں کہ وہ نامرد ہے۔

آخرِ کار 2 / جنوری 1642ء کو ان خدشات اور افواہوں نے دم توڑ دیا۔ اس روز سلطان ابراہیم کی کنیز خدیجہ نے اس کے بیٹے' مستقبل کے سلطان محمد چہارم کو جنم دیا۔ اگلے چودہ ماہ میں ابراہیم کی دو مزید کنیزوں نے اس کے دو بیٹوں مستقبل کے سلطان سلیمان دوم اور سلطان احمد دوم کو جنم دیا۔ ابراہیم کی کنیزوں کے بطن سے اس کے کل اٹھارہ بچے پیدا ہوئے' جن میں نو لڑکے اور نو لڑکیاں شامل تھے۔ وہ سب سات برس کے عرصے میں پیدا ہوئے تھے۔ اس عرصے میں اس کی نو ''ہاسیکی'' تھیں' جن میں صرف چار کے نام معلوم ہو سکے ہیں: خدیجہ' صالحہ دل آشوب' خدیجہ معزز اور ہماشاہ۔ پہلی تین اس لیے مشہور ہیں کہ وہ مستقبل کے سلطانوں کی مائیں تھیں: خدیجہ سلطان محمد چہارم کی' صالحہ دل آشوب سلطان سلیمان دوم کی اور خدیجہ معزز سلطان احمد دوم کی ماں تھی۔ ہماشاہ سلطان ابراہیم کی آخری ''ہاسیکی'' تھی۔ وہ اس کے آخری برسوں میں اس کی منظورِ نظر رہی۔ ہماشاہ ''سونے چاندی کی تاروں والی ہاسیکی'' مشہور تھی کیونکہ اس کے بال دلہنوں کی طرح سونے چاندی کی تاروں سے سجے رہتے تھے۔

وقائع نگار نائیمہ سلطان ابراہیم اور ہماشاہ کی شادی کی دلچسپ روداد بیان کرتا ہے۔ شادی کی تقریب نہایت تزک و احتشام سے منعقد ہوئی تھی۔

''شاہی حکم کی تعمیل میں ہر وزیر نے ایک ماہ پیکر ماہ رو حسینہ کو جواہرات سے سجا کر سلطان کو تحفتاً پیش کیا۔ اس کے بعد دلہن کو داؤد پاشا کے باغ سے شاہی محل لے جایا گیا۔ سلطان نے وزراء اور علماء کو خلعتِ فاخرہ عطا کی۔ باقی سب امراء کو بھی حسبِ مراتب انعام و اکرام سے نوازا گیا۔''

سلطان ابراہیم نے توپ کاپی سرائے میں بہت سی عمارتیں تعمیر کروائی تھیں' جو آج بھی موجود ہیں۔ ان عمارتوں میں سے ایک ''ختنہ والا کوشک'' بھی ہے۔ یہ سنگِ مرمر کی سِلوں سے تعمیر کیا گیا دلکش محل ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس کوشک میں سلطان ابراہیم کے بیٹوں کا ختنہ ہوا تھا۔ سلطان ابراہیم نے حرم سرا کے تالاب اور فوارے کو بھی دوبارہ تعمیر کروایا۔ اس نے ایک ''قصرِ افطاری'' بھی تعمیر کروایا تھا۔ اس نام کی وجہ یہ تھی کہ وہ اس محل میں افطار کیا کرتا تھا۔ وہ اپنی کنیزوں کو تالاب میں نہاتے' تیرتے اور اٹھکیلیاں کرتے دیکھتا۔ وہ ان کے ساتھ خود بھی چھیڑ چھاڑ کرتا اور اکثر اوقات کھیل کھیل میں انہیں اٹھا کر تالاب میں پھینک دیا کرتا تھا۔ ان کھیل تماشوں میں وہ اپنی کنیزوں کے علاوہ گونگے غلاموں' مسخروں اور بونوں کو بھی شریک کر لیا کرتا تھا۔ فرانسیسی سفارت کار فرانکوئیس ڈی لا کروئیکس کے بقول ''اس تالاب کے گرد مزاحیہ کھیل اور مختلف دلچسپ تماشے ہوا کرتے تھے۔''

سلطان ابراہیم کے پہلے چار برسوں کے دوران اس کی ماں کوسیم اور وزیرِاعظم مصطفیٰ پاشا امورِ سلطنت چلاتے رہے۔ اس دوران ان دونوں کی باہمی رقابت بڑھتی چلی گئی۔ آخرِ کار 1644ء کے اوائل میں کوسیم نے سلطان ابراہیم کو قائل کر لیا کہ مصطفیٰ پاشا کو قتل کروا دیا جائے۔

مصطفیٰ پاشا کی ہلاکت کے بعد سلطان زادہ محمد پاشا کو وزیرِاعظم بنوایا گیا۔ وہ سلیمان عالیشان کے پڑنواسے کا نواسا تھا۔ اس کے تقرر میں سلطان کے اتالیق اور قفس کے زمانے کے واحد رفیق جنجی ہوجا کی سفارش پر کیا گیا تھا۔ نیا وزیرِاعظم جنجی ہوجا کی کٹھ پتلی بن گیا۔ سلطان پر جنجی ہوجا کے زبردست اثر کی وجہ سے کوسیم پس منظر میں جانے پر مجبور ہوگئی اور امورِ سلطنت میں اس کا عمل دخل گھٹ گیا۔

جب خدیجہ نے سلطان ابراہیم کے جانشیں کو جنم دیا تو سیاہ فام خواجہ سراؤں کے

سربراہ سنبل آغا نے اپنی ایک کنیز کو شہزادے کی دایہ کے طور پر پیش کیا۔ سنبل آغا نے اسے ایک ایرانی بردہ فروش سے اس یقین کے ساتھ خریدا تھا کہ وہ کنواری ہے' تاہم بعد میں پتا چلا کہ وہ تو حاملہ ہے۔ سنبل آغا نے اسے ایک خادم کے گھر بھجوا دیا' جہاں اُس نے ایک لڑکے کو جنم دیا۔ سنبل آغا کو وہ لڑکا اتنا پسند آیا کہ اس نے اسے متبنیٰ بنالیا اور جب کنیز شہزادہ محمد کی دایہ بنی تو اس نے اس لڑکے کی شاہی حرم سرا میں پرورش کا بندوبست کیا۔ خود سلطان ابراہیم اس بچے میں بہت دلچسپی لینے لگا' جو کہ اس کے اپنے بیٹے سے زیادہ خوبصورت لگتا تھا۔ وہ شہزادہ محمد کو نظر انداز کر کے اس کے ساتھ کھیل کر بہت لطف محسوس کرتا۔ اس بات پر خدیجہ حسد کا شکار ہو گئی اور ایک روز اس نے دایہ اور اس کے بیٹے پر غصے کا اظہار کیا۔ سلطان ابراہیم کو خبر ملی تو وہ اس قدر مشتعل ہوا کہ اس نے شہزادہ محمد کو خدیجہ کی گود سے چھین کر ایک حوض میں پھینک دیا۔ اگر محل کے خادم اُسے نہ نکالتے تو وہ ڈوب کر مر جاتا۔ شہزادہ محمد کے سر میں زخم لگا جس کا نشان ساری زندگی موجود رہا۔

سنبل آغا اس واقعے سے اتنا ہراساں ہوا کہ اس نے سلطان ابراہیم سے استدعا کی کہ اُسے ریٹائر کر دیا جائے اور جب اس کی درخواست قبول کر لی گئی تو وہ کنیز دایہ اور اس کے بیٹے کو لے کر استنبول سے چلا گیا۔ اس نے روانگی کے وقت اعلان کیا کہ وہ حج کو جا رہا ہے۔ سمندری سفر کے دوران مخالف ہوائیں انہیں رہوڈز لے گئیں۔ وہاں مالٹا کے قزاقوں نے سنبل آغا کو قتل کر دیا اور کنیز اور اس کے بیٹے کو قید کر لیا۔ قزاق قیدی اور لوٹی ہوئی دولت لے کر کریٹ پہنچے' جو اس وقت وینس کے قبضے میں تھا۔ قزاقوں کو یقین تھا کہ وہ بچہ سلطان ابراہیم کا بیٹا ہے اور انہیں اس کے بدلے بہت زیادہ تاوان ملنے کی توقع تھی۔ تاہم ان کا اندازہ غلط نکلا اور انہیں کچھ حاصل نہیں ہوا۔ وہ بچہ ایک عیسائی کے طور پر پروان چڑھا اور ایک ڈومینیکن پادری بنا۔ سب اُسے پیڈرے اوٹومانو کہتے تھے کیونکہ بہت سے لوگوں کو یقین تھا کہ وہ عثمانی تخت کا جانشین ہے۔

جب سلطان ابراہیم نے سنبل آغا کے قتل کی خبر سنی تھی تو اُسے بہت غصہ آیا اور اس نے مالٹا پر حملہ کرنے کا سوچا۔ تاہم اس کے مشیروں نے کہا کہ مالٹا ناقابلِ تسخیر ہے۔ لہٰذا اس نے کریٹ پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا تاکہ وینس سے اس بات کا انتقام لیا جائے کہ وہ قزاقوں کو پناہ دیتا ہے۔ یوں سلطان ابراہیم نے 1645ء میں کریٹ پر حملہ کیا مگر ظاہر یہ کیا کہ وہ مالٹا پر حملہ آور ہوگا۔ اس اقدام کا مقصد عثمانی فوجوں کے لیے اچانک حملے کے فوائد حاصل کرنا تھا۔

## سلطان ابراہیم کی حد سے بڑھی ہوئی شہوت پرستی

سلطان ابراہیم اپنا سارا وقت حرم میں گزارا کرتا تھا' جہاں اس کی بدمستیاں افسانوی حد کو پہنچ چکی تھیں۔ کیتھمیر کے بقول:

''جیسے سلطان مراد ہمہ وقت شراب کے نشے میں دھت رہتا تھا' اسی طرح سلطان ابراہیم ہمہ تن شہوت کا اسیر تھا۔ کہا جاتا تھا کہ وہ اپنا سارا وقت جنسی مشاغل میں گزارتا تھا اور جب اس کی طبیعت جنسی لذتوں کی فراوانی سے اکتاہٹ کا شکار ہو جاتی تھی تو وہ فنون کے مظاہروں اور کھیل تماشوں سے جی بہلاتا تھا۔ اس نے اپنے عشرت کدے کی دیواروں پر آئینے لگوا لیے تھے تاکہ اپنی پریم یدھ (Love Battles) کو ہر طرف سے دیکھ سکے۔ اس نے انتہائی نرم تکیے رکھے ہوئے تھے۔ بستر پر سمور بچھا تھا تاکہ جنسی عمل کے دوران اس کے گھٹنے سختی کی وجہ سے کوئی دشواری پیدا نہ کریں۔ وہ اکثر اوقات محل کے باغ میں دوشیزاؤں کو جمع کرتا۔ وہ انہیں بے لباس ہونے کا حکم دیتا اور خود بھی کپڑے اتار دیتا اور کسی بھینسے کی طرح ان کے درمیان دوڑتا تھا۔ ایک مرتبہ اس نے ایک جوان جنگلی بچھیا کے اعضائے نہانی دیکھ لیے۔ اس نے اس شکل کے سونے کے سانچے بنوائے اور پوری سلطنت میں بھجوا دیئے کہ جس عورت کے اعضائے نہانی اس جیسے ہوں اُسے سلطان کے روبرو پیش کیا جائے۔ آخر ایک ایسی عورت مل گئی جسے اس کے حرم میں پہنچا دیا گیا۔ اس نے ایسی بہت سے کتابیں جمع کر رکھی تھیں جن میں جنسی عمل کے مختلف طریقوں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ اس کے علاوہ اس نے جنسی عمل کے کچھ نئے طریقے بھی دریافت کیے تھے۔''

بچھیا نما عورت آرمینیائی تھی اور اس کا تعلق ارناؤتکوئے کی بستی سے تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا وزن تین سو تیس پونڈ تھا۔ ریکاٹ لکھتا ہے کہ سلطان ابراہیم اس کی عطا کردہ لذتوں کا ایسا شیدا ہوا کہ سب کو بھلا کر اسی کا ہو گیا۔ وہ اس کی کسی بات کو ٹالتا نہیں تھا۔ اس بات نے کوسیم کو اس عورت کا دشمن بنا دیا۔ ریکاٹ لکھتا ہے: ''والدۂ سلطان اس سے حسد کرنے لگی تھی۔ ایک روز اس نے اسے عشائیے پر بلوایا اور گلا دبوا کر ہلاک کروا دیا۔ اس نے سلطان ابراہیم کو قائل کر لیا کہ وہ اچانک دورہ پڑنے سے ہلاک ہو گئی تھی۔ سلطان اس کی موت پر بہت رنجیدہ ہوا۔''

اولیا چلپی لکھتا ہے کہ سلطان ابراہیم نے اپنے منظورِ نظر معمولی ترین لوگوں کو

سلطنت کے اعلیٰ ترین مناصب عطا کر دیئے:

''وہ ایک انتہائی فضول خرچ بادشاہ تھا۔ وہ اپنا خزانہ پست ترین لوگوں اور اپنی منظورِنظر عورتوں پر لٹاتا تھا۔ اس نے اپنے ایک غسال کو ینی چریوں کا تین دُموں والا جنرل (جو تین ستاروں والے جنرل کے مساوی عہدہ تھا) بنا دیا اور پاشا کا خطاب دیا۔ اس نے اپنی ایک منظورِنظر عورت شکر پاشا کو خوش کرنے کے لیے ایک چاول فروش کے بیٹے کو ینی چریوں کا آغا بنا دیا۔ وہ ایک خانہ بدوش پہلوان اور بازیگر کے فن سے خوش ہوا تو اُسے بھی ینی چریوں کا آغا بنا دیا۔ اس پہلوان نے یہ سنا تو کہا ''سلطانِ معظم جب سے ہم فرعونوں کے زمانے میں مصر سے نکل کر خانہ بدوشی کی زندگی گزار رہے ہیں میرے آباؤ اجداد میں سے نہ تو کوئی وزیر بنا ہے نہ امیر۔ اس قسم کے خیالات صرف فرعونوں کے ذہنوں میں آتے ہیں اور وہ بھی اس وقت جب انہیں زوال آنے والا ہوتا ہے''۔ یہ کہہ کر اس نے بڑی دانش مندی کے ساتھ سلطان کے عطا کردہ عہدے کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور حج کے لیے مکہ بھجوانے کی درخواست کی۔''

اولیا چلپی نے سلطان کی جس منظورِنظر عورت شکر پاشا کا ذکر کیا ہے ریکاٹ کے بقول وہ سلطان ابراہیم کے حرم کے لیے خوبصورت عورتیں فراہم کیا کرتی تھی۔ جب وہ اپنے مرحوم بھائی مراد کی ایک بیوہ کی محبت میں گرفتار ہو گیا تو شکر پاشا نے اس کی نامہ برکا کردار ادا کیا۔ تاہم جب ایک مرتبہ سلطان ابراہیم نے اس کے ساتھ جنسی عمل کرنے کی کوشش تو اس نے اسے ٹھکرا دیا اور خنجر نکال کر اُسے مارنے کی دھمکی دی۔ کوسیم نے اس کی باتیں سن لیں۔ اس نے ابراہیم کو سرزنش کی اور اس عورت کو وہاں سے نکل جانے کی اجازت دے دی۔ سلطان ابراہیم اس بات پر اتنا مشتعل ہوا کہ اس نے اپنی ماں کو حرم سرا سے پرانے محل بھجوا دیا۔

اس کے علاوہ اس نے اپنی بہنوں اور بھانجی کو مجبور کیا کہ وہ نوکرانیوں کی طرح اس کی بیوی ہماشاہ کی خدمت کریں۔ اس بات پر کوسیم ابراہیم کی مخالف بن گئی۔ اس کی مامتا والی محبت نفرت میں ڈھل گئی جس نے سلطان ابراہیم کی قسمت پر مہر لگا دی۔ کوسیم نے اس زمانے میں وزیر اعظم احمد پاشا کو لکھا: ''وہ آخر میں نہ تو مجھے اور نہ ہی تمہیں چھوڑے گا۔ ہم حکومت پر گرفت کھو دیں گے۔ بہتر یہی ہے کہ اُسے تخت سے فوری طور پر اُتار دیا جائے۔''

## بغاوت اور سلطان ابراہیم کی معزولی

سلطان کے ستائے ہوئے ایک مفتی نے، جس کی بیٹی کو سلطان نے زبردستی حرم میں

ڈال لیا تھا' دیوان کے ایک رکن صوفی محمد پاشا اور ینی چریوں کے کمانڈر مراد پاشا کو شکایت کی۔ ان دونوں نے فیصلہ کیا کہ سلطان ابراہیم کو معزول کرنے کا وقت آ گیا ہے۔ کوسیم بھی ان کے ساتھ مل گئی۔ اس کے علاوہ رومیلیا اور اناطولیہ کے چیف جسٹس بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ تب انہوں نے حرکت میں آنے کا فیصلہ کیا۔

بغاوت 7 / اگست 1648ء کو برپا ہوئی۔ مراد آغا' دونوں چیف جسٹس اور دیگر وزرا کی زیرِ قیادت ینی چری توپ کاپی سرائے میں داخل ہو گئے اور انہوں نے سلطان کو مجبور کیا کہ وہ احمد پاشا کو وزارت عظمیٰ کے منصب سے ہٹا کر صوفی محمد پاشا کو وزیرِاعظم بنا دے۔ سلطان ابراہیم راضی ہو گیا اور صوفی محمد پاشا کو وزیرِاعظم بنا دیا۔ معزول وزیرِاعظم نے جان بچا کر بھاگنے کی کوشش کی مگر ینی چریوں نے اُسے پکڑ لیا اور اُسے قتل کر کے لاش مسجد سلطان احمد کے سامنے پھینک دی۔ ہجوم اس لاش کو گھسیٹ کر رتھوں کی دوڑ والے میدان میں لے گیا اور اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا' یوں معزول وزیرِاعظم کو "ہزار پارہ احمد" کا نام ملا۔ اولیا چلپی لکھتا ہے کہ جنجی ہوجا کا بھی یہی انجام ہوا جبکہ شکر پارا کو وطن بدر کر کے مصر بھیج دیا گیا۔ اس کے بعد ینی چریوں نے سطان ابراہیم کو بھی معزول کر دیا اور اس کے بیٹے محمد چہارم کو تخت پر بٹھا دیا۔

## معزول سلطان کا قتل

معزول سلطان ابراہیم کو ایک چھوٹے سے کمرے میں قید کر دیا گیا۔ جہاں اس کی کنیزیں نوے دن تک اس کی آہ وزاری سنتی رہیں۔ ابراہیم کے انجام نے رعایا میں اس کے لیے ہمدردی پیدا کر دی' جس پر اُسے معزول کرنے والوں کو خطرہ لاحق ہو گیا کہ کہیں جوابی بغاوت نہ برپا ہو جائے اور اسے دوبارہ تخت پر نہ بٹھا دیا جائے۔ چنانچہ 17 / اگست 1648ء کو جلادِاعظم کو بھیجا گیا کہ وہ گلا دبا کر اسے ہلاک کر دے۔ اولیا چلپی لکھتا ہے: "جب جلاد ابراہیم کے کمرے میں داخل ہوا تو ابراہیم نے پوچھا: تم کیوں آئے ہو؟ جلاد نے جواب دیا: میرے بادشاہ! آپ کو ہلاک کرنے کے لیے۔ یہ کہہ کر اس نے ابراہیم کو دبوچ کر زمین پر گرا دیا اور اس کا گلا دبانے کی کوشش کرنے لگا۔ ان کا شور سن کر جلادِاعظم کا ایک معاون بھی اندر آ گیا اور دونوں نے مل کر ابراہیم کو گلا دبا کر ہلاک کر دیا۔ بعدازاں جلادِاعظم کو انعام واکرام دے کر استنبول سے نکال دیا گیا۔"

اولیا نے ابراہیم کے جنازے اور تدفین کا حال بھی لکھا ہے۔ ابراہیم کو اس کے چچا مصطفیٰ اول کے پہلو میں ایا صوفیا میں دفنایا گیا۔ یوں دو پاگل سلطانوں کو ساتھ ساتھ دفن کیا گیا۔

"سلطان کی لاش کو غسل دیا گیا اور دیوان کے سامنے سرو کے درختوں کے سائے میں نمازِ جنازہ ادا کی گئی۔ نمازِ جنازہ میں خود سلطان محمد اور تمام وزراء شریک ہوئے جبکہ شیخ الاسلام نے امامت کروائی۔ پھر جنازہ اٹھایا گیا۔ وزیر سیاہ نقابیں ڈالے' سیاہ پوش گھوڑوں پر سوار جنازے کے آگے آگے تھے۔ سب سلطان مصطفیٰ اوّل کے مقبرے میں پہنچے ...... اس کے زمانے میں کوئی فقیر دکھائی نہیں دیتا تھا اور ہر طرف خوشحالی تھی۔ شاعروں نے اس کی موت پر مرثیے پڑھے۔ پھر اسے اپنے چچا سلطان مصطفیٰ کے پہلو میں ایا صوفیا کے صحن میں دفنا دیا گیا۔ اس مقبرے میں عورتیں بہت آتی ہیں کیونکہ وہ عورتوں کا بہت رسیا تھا۔"

یہ تھا پاگل ابراہیم کا انجام' جو ایک ہی عشرے کے دوران فوت ہونے والا تیسرا پاگل سلطان تھا۔

## نواں باب

# سلطان محمد چہارم کا دورِ حکومت

## سلطان محمد چہارم کی تخت نشینی

تخت نشینی کے وقت سلطان محمد چہارم کی عمر ساڑھے چھ سال سے کچھ زیادہ تھی۔ عثمانی سلطنت کی تاریخ میں وہ کم عمر ترین سلطان تھا۔ اس کی ماں خدیجہ کو اس کی قائم مقام مقرر کیا جا سکتا تھا' جیسا کہ سترہویں صدی کے پہلے نصف میں تین مرتبہ ہوا تھا' تاہم خدیجہ کی عمر صرف 23 برس تھی اور وہ بھی کم عمر ترین والدۂ سلطان تھی۔ چنانچہ اس کی ناتجربہ کاری کی وجہ سے شاہی کونسل نے کوسیم کو سلطان محمد چہارم کی قائم مقام قرار دیا۔

خدیجہ اگلے تین سال کوسیم کے خلاف اپنے حامی اکٹھے کرتی رہی تاکہ وہ والدۂ سلطان کی حیثیت سے اپنا حق حاصل کرے اور اپنے بیٹے کی قائم مقام کی حیثیت سے حکومت کر سکے۔ خدیجہ کو سیاہ فام خواجہ سراؤں کے سربراہ سلیمان آغا کی حمایت حاصل ہوگئی۔ اس نے فوجیوں اور دیگر طاقتور طبقات میں اس کے حامی ڈھونڈنے میں بنیادی کردار ادا کیا۔

اسکودور میں فوجیوں نے بغاوت کی مگر ینی چریوں نے بغاوت پر قابو پالیا۔ تاہم جلد ہی استنبول کی آبادی نے بغاوت کردی اور توپ کاپی سرائے کے سامنے اکٹھے ہوکر فساد برپا کردیا۔ کوسیم نے اپنی حیثیت کو محفوظ رکھنے کے لیے سلطان محمد چہارم کو معزول کر کے اس کے چھوٹے بھائی سلیمان کو تخت نشیں کروانے کا فیصلہ کیا۔ شہزادہ سلیمان' جو کہ سلطان سے عمر میں تین ماہ چھوٹا تھا' ابراہیم کی ہاسکی صالحہ دل آشوب کا بیٹا تھا۔ صالحہ کے بارے میں کوسیم کا خیال تھا کہ وہ والدۂ سلطان کی حیثیت سے اختیارات حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرے گی۔ کوسیم کو ینی چریوں کے کماندار بیکتاش آغا کی پشت پناہی حاصل تھی۔ تاہم سلیمان آغا نے اس

کا بھانڈا پھوڑ دیا اور وزیر اعظم سیاوَش پاشا نے کوسیم کو موت کے گھاٹ اتارنے کا حکم دیا۔
سلیمان آغا بیس غلاموں کے ساتھ کوسیم کے کمرے میں گیا۔ وہاں مامور سیاہ فام خواجہ سراؤں نے انہیں داخل ہونے سے نہیں روکا۔ کمرے میں صرف ایک بوڑھی عورت موجود تھی' جو کہ کوسیم کے لیے مسخرے کا کردار ادا کرتی تھی۔ جب انہوں نے اس سے کوسیم کے بارے میں پوچھا تو اس نے ان پر پستول تان لیا اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ کر سکتے' ان پر فائر کر دیا۔ وہ سب خواب گاہ میں چلے گئے جہاں انہیں کپڑوں والی الماری میں کوسیم چھپی ہوئی مل گئی۔ اس نے انہیں رشوت دی مگر انہوں نے رقم وصول کر کے سفاکی کے ساتھ اس کے زیورات اتار لیے۔
پھر سلیمان آغا اُسے پاؤں سے پکڑ کر گھسیٹتا ہوا کشانِ کاپیسی تک لے گیا' یہ دروازہ حرم سرا سے تیسرے صحن میں کھلتا تھا۔ وہاں اُس نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ کوسیم کو قتل کر دیا جائے۔ کوسیم نے شدید مزاحمت کی۔ چار آدمیوں نے مل کر اُسے قابو کیا اور اس کا گلا دبا دیا۔ وہ اُسے مردہ سمجھ کر وہاں سے چلے گئے۔ تاہم ابھی وہ زندہ تھی اور جونہی غلام نگاہوں سے اوجھل ہوئے' وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور اس نے کشانِ کاپیسی سے فرار ہونے کی کوشش کی۔ جلادوں نے اُسے دیکھ لیا اور اس مرتبہ انہوں نے اُسے موت کے گھاٹ اتارنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ کوسیم کو اسی دن یعنی 2 ستمبر 1651ء کو خاموشی کے ساتھ دفنا دیا گیا۔ اسے مسجدِ سلطان احمد اول میں اس کے شوہر اور بیٹے کی قبروں کے ساتھ دفنایا گیا تھا۔

اب سلطان محمد چہارم کی ماں خدیجہ اس کی قائم مقام کی حیثیت سے حکومت کرنے لگی۔ اس نے اگلے پانچ برسوں میں یکے بعد دیگرے بارہ وزرائے اعظم تبدیل کیے۔ اس نے سلطان کی قائم مقام کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریوں کو بہت سنجیدگی سے لیا۔ اس نے اپنی ناتجربہ کاری کا ادراک کرتے ہوئے اپنے منصب کے حوالے سے تمام ضروری امور کو سمجھنے کی کوشش کی۔ جب بحریہ کے لیے رقوم میں اضافے کا مسئلہ سامنے آیا تو اس نے وزیر اعظم کو لکھا کہ وہ اسے تمام تفصیلات سے آگاہ کرے: ''مجھے تمام رجسٹر بھجواؤ۔ میں ہر چیز کو تفصیل کے ساتھ سمجھنا چاہتی ہوں۔'' وزیر اعظم کے نام ایک دوسرے خط میں اس نے اسے پرانے محل میں اشیاء کی فراہمی میں غفلت برتنے پر سرزنش کی: ''پرانے محل میں جلانے کے لیے لکڑی کم ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ کیا وہ شاہی محل نہیں ہے؟'' جب بھی سلطان محمد کسی سے ملتا وہ پردے کے پیچھے موجود رہتی اور جہاں ضروری ہوتا اُسے مشورے دیتی۔ ایک ملاقات میں اناطولیہ کے چیف جسٹس مسعود آفندی نے کسی معاملے پر اپنی رائے پیش کی۔ سلطان محمد نے اپنی ماں کی

طرف رخ کیا اور اس سے پوچھا: ''کیا آپ نے اس کی بات سنی؟'' اس نے جواب دیا: ''ہاں' یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔''

خدیجہ کو جس بنیادی مسئلے کا سامنا تھا وہ تھی رقوم میں کمی' جیسا کہ وزرائے اعظم کے ساتھ اس کی مضطربانہ مراسلت سے پتہ چلتا ہے۔ اس نے فوج کے لیے رقوم کے مطالبے پر وزیر اعظم کو جوابی خط لکھا:

''میں بہت زیادہ مقروض ہوں۔ تم نے کل جو رقم مانگی ہے' میں اسے قرض لے کر اتوار یا منگل تک تمھیں مہیا کردوں گی۔ کیا تم اس مسئلے کو نہیں سلجھا سکتے؟ میں تمھیں دینے کے لیے رقم کہاں سے لاؤں؟ شاید تم یقین نہیں کرو گے مگر میں اللہ کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ میں بہت زیادہ مقروض ہوں۔ میں تو خود فکرمند ہوں کہ یہ قرض کس طرح ادا کروں۔''

خدیجہ نے سیاہ فام خواجہ سراؤں کے سربراہ کے توسط سے مکہ اور مدینہ سے بھاری رقوم ادھار حاصل کیں۔ اس اثنا میں سلطان محمد چہارم بلوغت کی عمر کو پہنچا تو حرم سرا سے سلام لیک منتقل ہو گیا۔ نوجوانی میں وہ غلام لڑکوں کے ساتھ کھیلتا رہا اور اسی عمر میں اسے شکار کا شوق پڑا' جو ساری عمر برقرار رہا۔

خدیجہ کا مقرر کردہ گیارہواں وزیر اعظم محمد پاشا تھا' جو کہ ''مڑی ہوئی ناک والا'' مشہور تھا۔ اسے 1656ء میں ینی چریوں اور فوجیوں نے ایک بغاوت میں معزول کر دیا۔ فوجیوں نے اپنے ترجمان کو چودہ سالہ سلطان محمد چہارم کے پاس بھیجا اور مطالبہ کیا کہ اب اس کی عمر اتنی ہو چکی ہے کہ اسے خود حکومت کرنی چاہیے اور وہ باہر نکل کر ان سے خطاب کرے۔ سلطان نے باغیوں سے خطاب کرنے سے انکار کر دیا' جو آخرکار مزید خون خرابہ کیے بغیر منتشر ہو گئے۔ خدیجہ نے مایوسی کے عالم میں ایک ستر سالہ غیر تعلیم یافتہ البانوی کوپرولو محمد پاشا کو وزیر اعظم بنا دیا۔ صوبائی گورنر کی حیثیت سے اس کا سابقہ ریکارڈ ثابت کرتا تھا کہ وہ غیر معمولی انتظامی صلاحیتوں کا مالک ہے۔ کوپرولو محمد پاشا 1661ء میں اپنی وفات تک خدمات انجام دیتا رہا۔ وہ سوکولو محمد پاشا کے بعد سب سے زیادہ اہل وزیر اعظم ثابت ہوا تھا۔ اس نے زبردست عدل و انصاف کے ذریعے اپنے مقاصد حاصل کیے اور باغیوں اور سلطان کے قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں کو بڑی تعداد میں موت کے گھاٹ اتروا دیا۔

تاہم خدیجہ کی قائم مقامی 1656ء میں ختم ہو گئی تھی۔ سلطان محمد نے امور سلطنت میں زیادہ دلچسپی نہیں لی اور کوپرولو محمد پاشا نے تمام اختیارات خود حاصل کر لیے تھے۔ کوپرولو

نے مرنے سے پہلے کم عمر سلطان کو کچھ نصیحتیں کیں۔ (سلطان کی عمر اس وقت بیس برس تھی):
''کبھی کسی عورت کے مشورے کو قبول مت کیجئے گا۔ اپنی رعایا کے کسی فرد کو بہت زیادہ امیر مت ہونے دیجئے گا۔ خزانے کو ہمیشہ بھرا ہوا رکھئے گا' ہمیشہ گھوڑے پر سوار رہئے گا اور فوج کو مسلسل حرکت میں رکھئے گا۔''

## شکار کا خبط

اس کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا فاضل احمد پاشا وزیراعظم بنا۔ اس نے بھی اپنے باپ کی طرح نہایت دانشمندی سے خدمات انجام دیں اور تمام امورِ سلطنت خود سنبھال لیے۔ اس کے نتیجے میں اسے اپنا سارا وقت شکار میں گزارنے کا موقع مل گیا اور اس کا نام ''سلطان محمد شکاری'' پڑ گیا۔ لوگوں نے سلطان محمد کے شکار کے خبط اور اس کے پاگل باپ سلطان ابراہیم کا موازنہ کرتے ہوئے کہنا شروع کر دیا کہ باپ انسانوں کا شکاری تھا اور بیٹا جانوروں کا شکاری ہے۔

سلطان محمد شکار کے لیے اکثر ایڈرین جایا کرتا تھا۔ وہ ایڈرین کو استنبول پر ترجیح دیتا تھا۔ اس زمانے میں وہ ایڈرین سرائے میں قیام کیا کرتا تھا۔ تب 1661ء میں استنبول میں طاعون کی ہولناک وبا پھوٹ پڑی۔ سلطان محمد اس سے بچنے کے لیے اپنے تمام درباریوں سمیت ایڈرین آ گیا۔ وہ موسمِ بہار کی آمد تک وہیں رہا۔ ایڈرین میں قیام کے دوران اس نے سارا وقت شکار میں گزارا۔ ریکاٹ لکھتا ہے کہ سلطان کی شکاری مہمات کی وجہ سے ایڈرین کے نواح میں کوئی جانور نہیں بچا۔

''آج تک کوئی سلطان شکار کا اس قدر شوقین نہیں رہا۔ بعض اوقات تو وہ آدھی رات کو گھوڑے پر سوار ہو کر شکار کے لیے نکل کھڑا ہوتا تھا۔ اس کے درباری اور خادم اس کی شکاری مہمات سے اکتا گئے۔ اس کا شکار کا شوق نہ صرف اس کے درباریوں کے لیے اکتا دینے والا تھا بلکہ ملک کے لیے بھی دشواریاں پیدا کرنے کا باعث اور مالی اعتبار سے نقصان دہ تھا۔ بعض اوقات تیس چالیس ہزار افراد جنگل کے جنگل کو گھیر لیتے اور جانوروں کا ہانکا کرتے ہوئے انہیں ایک محدود دائرے میں لے آتے' جہاں سلطان اپنے کتوں' بندوقوں یا دوسرے طریقوں سے ان کا شکار کرتا۔ یہ مشغلہ بذاتِ خود جائز اور ایک بادشاہ کے لیے موزوں تھا مگر اس کا تسلسل لوگوں پر گراں تھا کہ موسمِ سرما میں بھی انہیں جنگلوں میں رہنا پڑتا تھا۔ کئی لوگ تو سلطان کے اس مشغلے کی وجہ سے اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔''

طاعون کی وباء ختم ہوتے ہی وزیر اعظم نے سلطان محمد پر استنبول واپسی کے لیے دباؤ ڈالنا شروع کیا۔ بالآخر وہ 30 مارچ 1662ء کو استنبول واپس پہنچا۔ اس وقت اس کی بیسویں سالگرہ کو تقریباً تین ماہ ہوئے تھے۔ اولیا نے اس کے حوالے سے لکھا:

''اگرچہ تخت نشینی کے وقت وہ لاغر سا تھا مگر شکار کھیل کھیل کر بیس سال کی عمر تک بے پناہ مضبوط ہوگیا۔ اس کے کندھے چوڑے اور بازو اور ٹانگیں بھری بھری تھیں۔ قد اپنے باپ ابراہیم کی طرح لمبا تھا۔ ماتھا فراخ، آنکھیں خاکستری، رنگ سرخ وسفید اور آواز متاثر کن تھی۔ اس کی ڈاڑھی چھوٹی اور مونچھیں بڑی بڑی تھیں۔ وہ زیادہ تر شکار میں مشغول رہتا تھا۔''

اس وقت خدیجہ امورِ سلطنت سے الگ ہوچکی تھی۔ اب اُس نے اپنی دولت کو استعمال کرنے کے لیے معمار مصطفیٰ آغا کو حکم دیا کہ سنہری خلیج پر اس شاہی مسجد کو دوبارہ تعمیر کیا جائے، جسے 1597ء میں سلطان محمد سوم کی والدہ صفیہ نے تعمیر کروایا تھا۔ اس کے حکم پر مسجد کے علاوہ ایک ہسپتال، مدرسہ، مقبرہ، عوامی حمام، دو فوارے اور ایک بہت بڑا بازار تعمیر کروایا، جسے مصری بازار اور مصالحہ بازار کہا جاتا تھا۔ اب اس مسجد کو ''والدۂ سلطان کی نئی مسجد'' کہا جانے لگا۔ خدیجہ نے اپنے بیٹے سلطان محمد چہارم اور اس کے تمام درباریوں سمیت 6 نومبر 1663ء کو اس مسجد کا باقاعدہ افتتاح کیا۔

فاضل احمد پاشا نے 1663ء کے اوائل میں ہیپسبرگز کے خلاف جنگی مہم شروع کی تھی، جس میں سلطان محمد نے ہراول دستوں کی قیادت کرنا تھی مگر وہ ایڈرین تک ہی گیا اور وہیں رہ کر سارا موسمِ گرما شکار کھیلتا رہا جبکہ جنگی مہم میں وزیر اعظم نے فوج کی قیادت کی۔ ریکاٹ کے بقول اس موسمِ گرما میں سلطان اپنی حرم سرا کی ایک دوشیزہ کی محبت میں گرفتار ہوگیا۔ اس کی محبت بھی شدت پسندانہ اور جنوں آمیز تھی۔ آخر وزیروں کے سمجھانے پر اس نے اعتدال کا دامن تھاما اور رفتہ رفتہ اس کا جوشِ محبت دھیما پڑ گیا۔

## سلطان محمد چہارم کا حرم

اس وقت تک سلطان محمد نے اپنا حرم بنا لیا ہوا تھا اور توپ کاپی سرائے اور ایڈرین سرائے کے مابین سفروں میں اُسے ساتھ لے کر آتا جاتا تھا۔ اس کی پسندیدہ کنیز ایک یونانی النسل دوشیزہ ربیعہ گل نوش امت اللہ تھی۔ وہ کریٹ میں پیدا ہوئی تھی، جہاں سے اُسے بچپن

میں پکڑ لایا گیا تھا۔ ایڈرین میں 5 رجون 1664ء کو اس نے سلطان محمد کے بیٹے' مستقبل کے سلطان مصطفیٰ دوم کو جنم دیا۔ مصطفیٰ بیس برسوں میں عثمانی خاندان میں جنم لینے والا پہلا لڑکا تھا اور اس کی پیدائش کے موقع پر ایڈرین اور استنبول دونوں مقامات پر ایک ہفتے تک جشن منایا گیا۔ بیٹے کی پیدائش کے بعد سلطان محمد گل نوش سے زیادہ محبت کرنے لگا۔ ریکاٹ لکھتا ہے:

"اگرچہ سلطان نے اپنا شکار کا مشغلہ جاری رکھا تاہم اب وہ اپنے ننھے بیٹے سے کھیلنے کے لیے حرم سرا میں زیادہ آنے لگا۔ اب وہ عورتوں میں بھی پہلے سے زیادہ دلچسپی لینے لگا تھا۔ اس نے گل نوش کا وظیفہ بڑھایا اور اس کی خدمت کے لیے زیادہ خادم متعین کر دیئے۔ اس نے ایڈریانوپل کے اعلیٰ ترین ہنرمندوں کو حکم دیا کہ اس کے لیے ہیروں سے سجا ہوا ایک تاج تیار کریں......"

سلطان محمد کے دوسرے چھوٹے بھائی سلیم' احمد اور سلیمان اپنے باپ ابراہیم کی موت کے بعد سے توپ کاپی سرائے کے قفس میں مقید تھے۔ بیٹا پیدا ہونے کے بعد سلطان محمد نے انہیں قتل کروانے کا فیصلہ کیا مگر خدیجہ ان کی حفاظت کرنے لگی' حالانکہ وہ اس کی اولاد نہیں تھے۔ وہ مستقل طور پر قیدی شہزادوں کی نگہبانی کرتی تھی اور جب سلطان محمد نے اُسے ایڈرین بلوایا تو وہ انہیں اپنے ساتھ ہی لے گئی کہ کہیں اس کی غیر موجودگی میں انہیں قتل نہ کر دیا جائے۔ اس کی احتیاط کے باوجود سلطان سلیم کو قتل کروانے میں کامیاب ہو گیا' جو تینوں بھائیوں میں بڑا تھا تاہم باقی دو بچ گئے۔

استنبول اور توپ کاپی سرائے سے سلطان محمد کی نفرت اتنی بڑھ گئی تھی کہ وہ زیادہ سے زیادہ وقت ایڈرین میں گزارتا تھا۔ ریکاٹ لکھتا ہے:

"سلطان ایڈریانوپل میں زیادہ وقت رہتا تھا۔ وہ یہاں اپنا دربار منعقد کر کے بہت مسرور ہوتا تھا۔ استنبول سے اس کی نفرت اتنی بڑھ گئی تھی کہ وہ توپ کاپی سرائے کا نام تک سننا گوارا نہیں کرتا تھا۔ اگر شکار کے دوران وہ استنبول کی طرف جانے والے راستے پر پہنچ جاتا تو جونہی اسے یہ بات یاد آتی وہ فوراً اس طرح واپس ہو جاتا' جیسے کوئی بہت بڑی غلطی سرزد ہو گئی ہو یا جیسے یہ راستہ ناگزیر بربادی کو جاتا ہو۔"

1665ء کے موسمِ گرما میں سلطان نے ایڈرین سے استنبول واپسی کا فیصلہ کیا' مگر اس کے شہر پہنچنے سے پہلے ہی حرم سرا کا ایک بڑا حصہ آگ لگنے سے برباد ہو گیا۔ مرمت کا کام

فوراً شروع کردیا گیا اور حرم سرا چند ماہ کے اندر اندر دوبارہ قابل استعمال ہوگئی۔ اس دوران سلطان استنبول کی فصیل سے باہر داؤد پاشا کے محل میں مقیم رہا' جہاں سے وہ فوقتاً فوقتاً گھوڑے پر سوار ہوکر شہر میں آتا اور توپ کاپی سرائے میں مرمت کے کام کا معائنہ کرتا۔ تاہم اس نے ایک رات بھی شاہی محل میں نہیں گزاری کیونکہ اس سے اس کے بچپن کی خوف انگیز یادیں تازہ ہوجاتی تھیں۔

سلطان نے 1673ء کا موسمِ گرما ایڈرین کے شمال میں تعمیر کروائے ہوئے چھوٹے محل میں گزارا۔ وہاں اس نے اپنی ایک نئی منظورِ نظر کنیز کی صحبت سے لطف اٹھایا۔ جب 1673ء کے آخری دن گل نوش نے اس کے ایک اور بیٹے کو جنم دیا تو اس نے نئی منظورِ نظر کو فراموش کردیا۔ نوزائیدہ بچے کا نام احمد رکھا گیا' جو مستقبل میں سلطان احمد سوم کہلایا۔ شہزادہ احمد کی پیدائش اور اس موقع پر منائے گئے جشن کا احوال پیرا میں برطانوی سفارتخانے میں 1669ء سے لے کر 1677ء تک متعین رہنے والے ڈاکٹر کوویل نے اپنی ڈائری میں لکھا ہے:

> ''گزشتہ رمضان دسمبر 1673ء کو سلطانہ (گل نوش) نے دوسرے بیٹے کو جنم دیا۔ عید کی خوشیاں دوبالا ہوگئیں۔ تمام لوگ تین دن اور تین راتوں کے لیے گویا پاگل ہوگئے۔ ساری دکانیں کھلی اور پھولوں سے سجی رہیں' پتلی تماشے دکھائے گئے اور لوگ رقص کرتے رہے۔ پنی چریوں کا علاقہ دیکھنے کے قابل تھا۔''

ڈاکٹر کوویل کی ڈائری میں 17 رجولائی 1674ء کے دن سلطان کے ایک خوبصورت طوائف کے لیے جنون کا حال لکھا گیا ہے۔ کوویل لکھتا ہے کہ وزیراعظم کے محافظوں کا سربراہ بھی اسی لڑکی کے عشق میں مبتلا ہوگیا تھا۔ اس نے لڑکی کو اغوا کرلیا' جس پر سلطانہ سپورجا نے سلطان سے شکایت کی۔ سلطان نے محافظوں کے سربراہ کو قتل کروادیا اور لڑکی کو اپنے حرم میں شامل کرلیا۔

سلطان محمد کے کل گیارہ بچے ہوئے' جن میں چار لڑکے اور سات لڑکیاں تھیں۔ گل نوش کے علاوہ پانچ کنیزیں اس کی منظورِ نظر تھیں۔ 1675ء میں پولینڈ کی ایک دوشیزہ اسے بھا گئی اور اس نے اسے اپنی بیوی بنالیا۔ اس کے بطن سے بھی اس کا ایک بیٹا پیدا ہوا۔

ریکاٹ لکھتا ہے کہ 1675ء کے موسمِ بہار میں سلطان نے تمام سرگرمیاں ترک کرکے جشن منانے کا فیصلہ کیا۔ ان جشنوں کا آغاز اس کے بیٹے مصطفیٰ کے ختنہ کے جشن سے

ہوا' جو گیارہ دن جاری رہا تھا۔ ریکاٹ لکھتا ہے:

''استنبول سے باہر وسیع و عریض میدان میں سلطان کا عالیشان خیمہ نصب کر دیا گیا۔ اس کے وزیروں' امراء' مفتی اور دوسرے لوگوں کے خیمے بھی نصب کر دیئے گئے۔ بوقیذار کے دو بہت گھنے درختوں کے سائے میں سلطان کا تخت رکھا گیا تھا جس کا چھتر سونے کا تھا۔ درختوں میں قمقمے سجائے گئے تھے' رات کے وقت ان کی روشنیاں بہت بھلی لگتی تھیں۔ خیموں کے سامنے کھمبے گاڑ دیئے گئے' جن پر مختلف شکلوں کے قمقمے لگائے گئے تھے۔ ان کی روشنی میں رات کے وقت طرح طرح کے تماشے دکھائے گئے۔ پہلوانی کے مقابلے ہوئے۔ رقص کیا گیا' گانے گائے گئے اور وقتاً فوقتاً مزاحیہ ڈرامے کھیلے گئے۔ آتش بازی کا مظاہرہ کیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ آتش بازی کا سامان دو سو چالیس افراد چار ماہ تک تیار کرتے رہے تھے۔ ایک راکٹ سب پر سبقت لے گیا۔ وہ بہت ہی اونچا چلا گیا۔ عام راکٹوں کی طرح اس کی دم سے آگ نہیں نکل رہی تھی بلکہ ستارے کی طرح صرف ایک سرخ گولہ سا نظر آ رہا تھا۔ اس نے کوئی آواز بھی پیدا نہیں کی اور بلندیوں پر اٹھتا چلا گیا۔ راتوں کو اس طرح کے تماشے دکھائے گئے۔ دنوں میں مختلف فنون اور پیشوں کے لوگ اپنے اپنے کمالات کا مظاہرہ کرتے ہوئے خیموں کے سامنے سے گزرتے۔ یہ سلسلہ پندرہ روز جاری رہا۔ 25 مئی کو ایک بہت بڑا جلوس نکلا' جس میں سب وزراء' امراء اور مفتی اور دیگر افراد شریک تھے۔ سب سے آخر میں شہزادہ تھا' جس کا ختنہ کیا جانا تھا۔ وہ ایک گھوڑے پر سوار تھا' جس کی سجاوٹ بہت زبردست تھی۔ 27 مئی کو سلطان محمد کا یوم پیدائش تھا۔ سلطان اپنے درباریوں کے ساتھ مسجدِ سلطان سلیم گیا۔ سلطان کے ساتھ شہزادہ بھی تھا' جس کا ختنہ گزشتہ رات ہوا تھا۔ یہاں سلطان نے شکرانے کے نوافل پڑھے۔ اس جشن کے دوران ہزاروں لوگوں کے لنگر کا اہتمام کیا گیا تھا۔ شہزادے کے علاوہ مزید دو ہزار بچوں کا بھی ختنہ ہوا تھا۔''

ڈاکٹر کوویل نے اس موقعے پر سلطان محمد کو گھوڑے پر سوار مسجدِ سلطان سلیم اول کی طرف آتا دیکھا اور اس کی وضع قطع یوں بیان کی:

''وہ ایک بہت خوبصورت انسان ہے۔ اس کا چہرہ چمکدار ہے' آنکھیں دلکش اور بڑی بڑی ہیں۔ اس کی ناک قدرے لمبی ہے' ماتھا گول اور اونچا ہے' ڈاڑھی سیاہ اور زیادہ لمبی نہیں ہے...... وہ نہایت پُرشکوہ انسان ہے۔ اسے دیکھ کر دل پر رعب طاری ہو جاتا ہے۔ تین چار سال پہلے وہ لاغر اور بیمار تھا مگر اب مضبوط اور فربہ ہو چکا ہے۔''

ختنے کے جشن کے دو ہفتے بعد ایک اور جشن کا آغاز ہوا۔ اس مرتبہ سلطان نے اپنی بیٹی خدیجہ کی شادی اپنے ایک مصاحب سے کی تھی۔ یہ جشن دو ہفتے تک جاری رہا۔ لڑکی بہت کم عمر تھی۔ ریکاٹ کے بقول وہ شادی کی پہلی رات ہی مر گئی۔

سلطان محمد نے 1676ء تک ایڈرین ہی میں دربار لگایا اور تب اس نے اچانک اعلان کیا کہ وہ دوبارہ توپ کاپی سرائے میں دربار لگایا کرے گا۔ تاہم استنبول میں داخل ہونے سے پہلے وہ فصیل شہر کے باہر داؤد پاشا کے محل میں ٹھہر گیا اور بحیرۂ باسفورس کے ساتھ تعمیر کیے گئے کئی محلوں کی سیریں کرتا رہا۔ اس دوران وہ خبط کی سی کیفیت میں توپ کاپی سرائے جانے سے گریزاں رہا۔

والدۂ سلطان خدیجہ 1682ء میں فوت ہوگئی۔ اس وقت اس کی عمر پچپن برس تھی۔ سلطان محمد نے اپنی ماں کو اس کے نام سے مشہور سنہری خلیج والی شاہی مسجد میں اس کی پہلے سے خود تعمیر کروائی ہوئی تربت میں دفنایا۔ فرانسیسی سیاح گریلوٹ نے خدیجہ کو اس کی وفات سے دو سال پہلے دیکھا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ وہ ''اس محل (توپ کاپی سرائے) میں آنے والی عورتوں میں سے سب سے زیادہ ذہین اور عظیم تھی۔''

اگلے برس وزیراعظم مصطفیٰ پاشا نے سلطان کو قائل کیا کہ ویانا پر ایک زبردست حملہ کیا جائے۔ عثمانی فوج نے دو ماہ تک ویانا کا محاصرہ کیا جس کے بعد اسے شکست خوردہ ہو کر واپس جانا پڑا۔ سلطان نے مصطفیٰ پاشا کا سر قلم کروایا۔ عثمانیوں کی شکست سے عیسائی طاقتوں میں ہمت پیدا ہوئی اور انہوں نے ترکوں کے خلاف صلیبی جنگ لڑنے کے لیے ایک ''مقدس انجمن'' قائم کی۔ مارچ 1684ء میں آسٹریا، پولینڈ اور وینس کے مندوبین نے اجلاس کیا۔ انہیں پوپ انوسینٹ کی حمایت حاصل تھی۔ اگلے سال انہوں نے عثمانیوں کے زیر قبضہ مختلف علاقوں پر حملے کیے۔ یوں ایک ایسی جنگ کا آغاز ہوا، جو تیس سال تک جاری رہی۔ پے درپے شکستوں سے خطرہ پیدا ہوگیا کہ کہیں استنبول ہی حملے کی زد میں نہ آجائے۔ علماء اور رعایا سلطان کی معزولی کا مطالبہ کرنے لگے، جو صورتحال سے بے نیاز شکار میں محو رہتا تھا۔ مفتی محمد آفندی نے سلطان کو تنبیہہ کی کہ اگر اس نے شکار ترک کر کے امورِ سلطنت پر توجہ نہیں دی تو اس کا تخت چھن جائے گا۔ سلطان نے اس انتباہ کے بعد شکار ترک کر دیا مگر ایک ماہ بعد ہی دوبارہ وہی معمول بحال ہوگیا۔ تب 1687ء کے اوائل میں استنبول میں موجود فوجیوں نے بغاوت کر دی۔ رعایا بھی ان کے ساتھ شامل ہوگئی۔ باغی ایا صوفیا میں جمع ہوگئے اور سلطان کی

معزولی اور اس کے بھائی شہزادہ سلیمان کی تخت نشینی کا مطالبہ کرنے لگے، جسے اس کی دینداری کی وجہ سے زیادہ پسند کیا جاتا تھا۔

## شکاری پنجرے میں

کہا جاتا ہے کہ اس وقت سلطان نے اپنے بھائی سلیمان اور احمد کو قتل کرنے کے لیے آدمی بھیجے تاکہ وہ اس کی جگہ نہ لے سکیں مگر محافظوں کے سربراہ کو پتہ چل گیا اور اس نے دونوں شہزادوں کی حفاظت کے لیے توپ کاپی سرائے کے قفس پر کڑا پہرہ لگا دیا۔ ادھر باغیوں کا اشتعال بڑھتا جارہا تھا اور وہ سلطان کی معزولی اور سلیمان کی تخت نشینی پر اصرار کررہے تھے۔ سلطان نے پہلے تو یہ مطالبہ ماننے میں تامل برتا مگر جب اسے بتایا گیا کہ اگر وہ تخت نہیں چھوڑے گا تو اس کے ساتھ جبر سے بھی کام لیا جاسکتا ہے تو وہ اپنے بھائی کی تخت نشینی پر راضی ہوگیا۔ وہ 8 رنومبر 1687ء کو تخت سے دستبردار ہوا۔ جس کے بعد اُسے اُسی قفس میں بند کردیا جس میں اس کے بھائی سلیمان اور احمد اس کے پورے دورِ حکومت میں قید رہے تھے۔ اس نے اپنی زندگی کے باقی پانچ سال قفس میں گزارے اور اس دوران شکار سے کبھی لطف اندوز نہیں ہوسکا، جس کا کہ وہ اپنی نوجوانی سے عادی تھا۔ شاہی تعاقب ختم ہوچکا تھا، شکاری پنجرے میں تھا۔

## دسواں باب

# شہزادوں کا قفس

## سلطان سلیمان دوم کی تخت نشینی

جب سلطان محمد چہارم انتالیس برس حکمرانی کرنے کے بعد معزول ہوا تو اس کا سب سے بڑا بیٹا مصطفیٰ 23 سال کا تھا اور روایت یہی تھی کہ تخت کا وارث مرحوم سلطان کا سب سے بڑا بیٹا ہوتا تھا۔ تاہم کچھ بحث مباحثے کے بعد سلطان محمد کے بھائی سلیمان کو اس کا جانشین چنا گیا۔ اس کے چناؤ میں جو اصول پیش نظر رکھا گیا تھا' وہ اس کا عمر میں بڑا ہونا تھا۔ یہ اصول گزشتہ ستر برسوں سے استعمال ہو رہا تھا۔ مصطفیٰ اور اس کے چھوٹے بھائی احمد کو ان کے باپ کے ساتھ قفس میں بند کر دیا گیا جبکہ ان کا چچا اسی قفس سے نکل کر سلطان سلیمان دوم کے نام سے تخت نشین ہو گیا۔

سلیمان کا چھوٹا بھائی احمد قفس میں ہی رہا۔ اس سے پہلے قفس میں کبھی اتنے زیادہ شاہی قیدی نہیں رہے تھے۔ اب اس میں ایک معزول سلطان کے علاوہ تین شہزادے بھی قید تھے۔ تاہم ماضی کی نسبت ان کی قید سخت نہیں تھی' خصوصاً جب قیدیوں کو ایڈرین سرائے لے جایا جاتا تو ان کے ساتھ زیادہ بہتر طرز عمل اپنایا جاتا۔ ایڈرین سرائے کا قفس توپ کاپی سرائے کے قفس کے مقابلے میں زیادہ آرام دہ تھا۔

سلیمان دوم انتالیس برس قفس میں رہا تھا۔ اس عرصے کے دوران اس نے خطاطی کا فن سیکھا اور قرآن مجید لکھ لکھ کر ریاضت کرتا رہا تھا۔ باقی وقت بھی وہ نماز اور نوافل میں گزارتا تھا۔ جب بوستانجی باشی اُسے قفس سے رہا کرنے آیا تو سلیمان سمجھا کہ اس کا بھائی اسے ہلاک کروانے لگا ہے اور کینٹیمر کے بقول اس کے پہلے الفاظ تھے: ''خدا کے واسطے مجھے

بتاؤ کہ تم میرا سکون کیوں برباد کر رہے ہو؟ مجھے اسی قفس میں رہنے دو' میری تھوڑی سی زندگی ہی تو باقی رہ گئی ہے۔ میرے بھائی کو عثمانی سلطنت پر حکومت کرنے دو کہ وہ تو پیدا ہی حکومت کرنے کے لیے ہوا تھا' جبکہ میں ابدی حیات کے مطالعے کے لیے پیدا ہوا تھا۔" کینٹمیر کے بقول بوستانجی باشی نے جواب دیا: "شہنشاہِ معظم آپ کو مسلمانوں کی خواہشات اور التجاؤں کو ضرور پورا کرنا چاہیے" اور یہ کہتے ہوئے اُسے بزور قفس سے نکال کر تخت کی طرف لایا۔

تخت نشینی کے وقت سلیمان کی عمر ساڑھے چھیالیس برس تھی۔ وہ قفس کے علاوہ زندگی کے کسی رُخ سے شناسا نہیں تھا۔ اس نے اور اس کے بھائی احمد نے خدیجہ کے ساتھ مختصر سیر کی تھی۔ سلیمان کو قفس میں کنیزیں رکھنے کی اجازت نہیں تھی اور درحقیقت رہائی کے بعد اس نے عورتوں میں کوئی دلچسپی ظاہر نہیں کی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ایک انتہائی مذہبی آدمی تھا۔ یوں عثمانی سلطنت کی تاریخ میں پہلی مرتبہ ایک سلطان ایسا ہوا جس کا اپنا حرم نہیں تھا۔ سلیمان کی ماں صالحہ دل آشوب اس کی تخت نشینی کے دو سال بعد فوت ہوگئی۔ مقید شہزادوں مصطفیٰ اور احمد کی ماں ربیعہ گل نوش امت اللہ کو تیسری پہاڑی پر واقع پرانے محل بھجوا دیا گیا اور یوں توپ کاپی سرائے کی حرم سرا حقیقتاً خالی ہوگئی' سوائے چند لونڈیوں اور سیاہ فام خواجہ سراؤں کے' جو ان پر پہرہ دیا کرتے تھے۔

سلطان کی حیثیت سے سلیمان کا پہلا سرکاری کام یہ تھا کہ اس نے سیاؤش پاشا کو دوبارہ وزیراعظم مقرر کر دیا۔ وزیراعظم بنتے ہی سیاؤش کو ینی چریوں کے مسئلے کو حل کرنا پڑا' جو اپنی روایت کے مطابق نئے سلطان کی تخت نشینی پر اپنی تنخواہ اور مراعات میں اضافے کا مطالبہ کر رہے تھے۔ وزیراعظم ان کا مطالبہ پورا کرنے سے قاصر تھا کیونکہ خزانہ خالی تھا ینی چریوں نے وزیراعظم کے محل کا گھیراؤ کر لیا۔ سیاؤش اور اس کے آدمی آخری دم تک ینی چریوں سے لڑتے رہے۔ آخر ینی چری غالب آ گئے اور انہوں نے سیاؤش کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور محل کی کھڑکیوں سے باہر پھینک دیا۔ اس کے بعد کے واقعات کینٹمیر کی زبانی سنئے:

"انتہائی اشتعال کے عالم میں وہ محل کے عورتوں والے حصے میں گھس گئے۔ انہوں نے وزیراعظم کی بیوی اور بہن کی ناک' ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیئے اور انہیں ننگا کر کے گلیوں میں گھسیٹا گیا۔ اس کے علاوہ انہوں نے غلاموں اور کنیزوں پر ناقابل بیان مظالم ڈھائے۔ وزیراعظم کے خاندان کو تباہ و برباد کرنے کے بعد ینی چری خونخوار بھیڑیوں کی طرح شہر میں پھرنے لگے اور جو راستے میں آیا اُسے قتل کر ڈالا' گویا وہ بھی وزیراعظم کے جرم میں اس کا

ساتھی ہو۔ اگر علماء مداخلت نہ کرتے تو نہایت ہولناک صورتِ حال رونما ہوتی اور سارا شہر برباد ہو کر رہ جاتا۔ انہوں نے شاہی محل میں جمع ہو کر منادی کروائی کہ حضرت محمد ﷺ کا فرمان ہے مسلمانوں کو کافروں سے لڑنا چاہیے' آپس میں نہیں۔ لوگ محل کے سامنے جمع ہونے لگے۔ ینی چریوں نے بھی ہتھیار ڈال دیئے اور کہا کہ وہ تو سلطان کے دشمن وزیرِاعظم کے خلاف تھے۔ اس کو قتل کرنے کے بعد ان کا کام ختم ہو گیا ہے' اب جو سلطان کہے گا وہ اس کی اطاعت کریں گے' کیونکہ سلطان تو ان کی زندگیوں کا مالک ہے۔''

اگلے سال ینی چریوں نے ایک مرتبہ پھر بغاوت کر دی اور شہر پر ہلہ بول دیا۔ سلیمان نے یکم مارچ 1688ء کو شہر کے معززین کا اجلاس منعقد کیا اور انہیں کہا کہ وہ اپنی ایک مدافعتی فوج بنائیں۔ اس فوج کی کمان خود سلطان نے سنبھالی۔ اس فوج میں ریٹائرڈ ینی چری شامل تھے' جو تاجر اور دست کار بن چکے تھے۔ جلد ہی انہوں نے بغاوت کو فرو کر دیا۔ جو باغی شہر سے فرار ہو گئے وہ بچ گئے باقی سب کو قتل کر دیا گیا۔

اس کے باوجود شہر کے لوگ نئے سلطان سے مایوس ہو گئے تھے' جو اپنے پیش روؤں کے مانند نااہل ثابت ہو رہا تھا۔ سلیمان رعایا کے بڑھتے ہوئے اضطراب اور عدم اطمینان سے خوفزدہ ہو گیا۔ اس نے اپنا دربار استنبول سے ایڈرین منتقل کرنے کا فیصلہ کیا۔ مگر جب اس نے منتقلی کا حکم دیا تو اس کے اہل کاروں نے بتایا کہ شاہی اصطبلوں میں اتنے جانور نہیں ہیں کہ سارا دربار ایڈرین لے جایا جا سکے اور دفتر دار یعنی خزانے کے مہتمم نے بتایا کہ مزید گھوڑے وغیرہ خریدنے کے لیے رقم نہیں ہے۔ کینٹمر لکھتا ہے:

> ''سلیمان نے حکم دیا کہ سونے چاندی کے برتنوں کو بازار میں فروخت کر دیا جائے اور حاصل ہونے والی رقم سے ضروریات پوری کی جائیں۔ اس طرح بہ ہزار دقت وہ کرائے کے گھوڑوں اور گھوڑا گاڑیوں پر استنبول سے روانہ ہوا اور یوں اس بغاوت سے بچ نکلا' جو کہ پھوٹ پڑنے ہی والی تھی۔''

## سلطان سلیمان دوم کی وفات

سلیمان 22 رجون 1691ء کو ایڈرین میں شدید ترین استقا کی وجہ سے مر گیا۔ سلطان کی لاش کو برف میں رکھ کر استنبول لایا گیا' جہاں اُسے سلیمانیہ میں سلیمان اول کے

ساتھ دفنا دیا گیا۔ کینٹیمر مرحوم سلطان سلیمان دوم کی وضع قطع اور کردار کے حوالے سے لکھتا ہے:

''سلیمان نحیف ونزار آدمی تھا۔ اس کا رنگ پیلا تھا اور چہرہ پھولا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں بیل جیسی تھیں۔ ڈاڑھی سیاہ تھی مگر کہیں کہیں خاکستری پن جھلکتا تھا۔ وہ زیادہ ذہین نہیں تھا اور اپنے مصاحبین کی باتوں میں آجاتا تھا...... تاہم ترک سلطانوں میں کوئی بھی اس کے جتنا باکردار، باایمان، متقی اور قانون کا پابند نہیں تھا۔''

## سلطان احمد دوم کی تخت نشینی

سلیمان کے بعد اس کا چھوٹا بھائی احمد دوم تخت نشیں ہوا۔ وہ سلطان بننے والا ابراہیم کا تیسرا بیٹا تھا۔ نئے سلطان کی کمر سے عثمان کی تلوار استنبول میں ''ایوب'' کی بجائے ایڈرین سرائے میں باندھی گئی۔ تخت نشینی کے وقت احمد کی عمر اڑتالیس برس تھی اور وہ پانچ برس کی عمر میں قفس میں قید چلا آرہا تھا۔ اس کی ماں خدیجہ معزز چار سال پہلے فوت ہو چکی تھی۔ قید کے دوران احمد کو کنیزیں رکھنے کی اجازت نہیں تھی مگر جونہی وہ سلطان بنا اس نے اپنے حرم کے لیے دو عورتوں ربیعہ اور شائستہ کو منتخب کیا۔ شاید دوسری عورتیں بھی ہوں، تاہم ان کے نام معلوم نہیں ہو سکے۔

ربیعہ نے 10 رجولائی 1692ء کو دولڑکوں ابراہیم اور سلیم کو جنم دیا۔ وہ عثمانی خاندان میں پیدا ہونے والے پہلے جڑواں بچے تھے۔ کینٹیمر ان کی پیدائش اور اس موقع پر ہونے والے جشن کا حال لکھتا ہے:

> ''1104 ہجری (1692ء) کو سلطان کے ہاں استنبول میں دو جڑواں بیٹے ابراہیم اور سلیم پیدا ہوئے۔ چونکہ پہلے کبھی کسی سلطان کے ہاں جڑواں بچے پیدا نہیں ہوئے تھے اس لیے ترکوں نے اسے مستقبل میں فتوحات کا نیک شگون تصور کیا اور آٹھ دن تک پوری سلطنت میں خوشیاں منائی گئیں۔''

شہزادہ سلیم 15 رمئی 1693ء کو فوت ہو گیا جبکہ اس کا بھائی ابراہیم 1714ء تک زندہ رہا۔ دوسری عورتوں کے بطن سے سلطان احمد کی تین بیٹیاں پیدا ہوئیں لیکن وہ تینوں شیر خواری ہی میں فوت ہو گئیں۔

اسی دوران معزول سلطان محمد چہارم 6 رجنوری 1693ء کو قفس میں فوت ہو گیا۔

مختلف وقائع نویسوں نے اس کی موت کا مختلف سبب بیان کیا ہے۔ بعض کے بقول وہ مایوسی کی وجہ سے مر گیا' ایک وقائع نویس نے لکھا ہے کہ اسے زہر دیا گیا تھا اور دوسرے نے گنٹھیا کو اس کی موت کا سبب قرار دیا ہے۔ وہ اپنی اکیاونویں سالگرہ کے چار دن بعد فوت ہوا تھا۔ اس کی لاش کو تدفین کے لیے ایڈرین سے استنبول لایا گیا اور اس کی ماں کے ساتھ دفنا دیا گیا۔

## سلطان احمد دوم کی وفات

خود احمد دوم 6 رفروری 1695ء کو ایڈرین سرائے میں فوت ہوا۔ اس کی موت کا سبب بھی مختلف لوگوں نے مختلف بیان کیا ہے۔ کسی نے مایوسی' کسی نے مرگی اور کسی نے استقا بیان کیا ہے۔ وہ اپنی باونویں سالگرہ سے انیس دن پہلے فوت ہوا تھا۔ اس نے ساڑھے تین سال سے کچھ ہی زیادہ عرصہ حکومت کی تھی۔ اس کی لاش کو سلیمانیہ میں سلیمان عظیم الشان کے مقبرے میں تدفین کے لیے لایا گیا' جہاں اسے اس کے بھائی سلیمان دوم کے ساتھ دفن کیا گیا۔ کینٹمیر احمد دوم کے کردار کے حوالے سے لکھتا ہے:

''مزاج کے اعتبار سے وہ اپنے بھائی سلیمان سے مشابہہ تھا۔ وہ زیادہ ذہین تو نہیں تھا تاہم قدرے خوش مزاج تھا۔ وہ اپنے افسروں کی باتوں پر عمل کرتا اور ان کے کہنے پر انتہائی اہم معاملات کے حوالے سے اپنے فیصلوں میں فوراً تبدیلی کر لیتا۔ وہ اپنے آپ کو عادل بادشاہ ظاہر کرتا تھا مگر اپنے احمقانہ پن کی وجہ سے عدل کرنے میں ناکام رہا۔ وہ اپنے دوستوں کی باتوں پر کان دھرتا تھا' جو مقدمے کے فریقین میں سے کسی نہ کسی سے' اس کے نام پر رشوت وصول کر لیتے تھے۔''

کینٹمیر اس کا حلیہ بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

> ''اس کی آنکھیں سیاہ اور بڑی بڑی تھیں' رنگت زرد تھی' ڈاڑھی گول اور مائل بہ سرخی تھی' جس میں سیاہ رنگ کا امتزاج تھا۔ اس کی ناک لمبی اور سیدھی تھی' جثہ درمیانہ تھا' پیٹ بڑا تھا۔ اس کی توند موٹاپے کی نہیں بلکہ استقا کی وجہ سے نکلی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ پرہیز گاری میں وہ اپنے بھائی سلیمان سے تھوڑا ہی کم تھا۔''

## سلطان مصطفیٰ دوم کی تخت نشینی

متوقع جانشین محمد چہارم کا سب سے بڑا بیٹا شہزادہ مصطفیٰ تھا مگر وزیر اعظم شام

تارابولس علی پاشا نے احمد دوم کے شیر خوار بیٹے شہزادہ ابراہیم کو اس کی جگہ تخت نشیں کروانے کی کوشش کی۔ خزانے کے مہتمم نے چپکے سے مصطفیٰ کو قفس سے رہا کر کے اس کی سلطانی کا اعلان کر دیا۔ نیا سلطان مصطفیٰ دوم کے نام سے تخت نشیں ہوا اور تلوار باندھنے کی رسم ایک مرتبہ پھر ایڈرین سرائے میں ہوئی۔ تخت نشینی کے وقت مصطفیٰ کی عمر تقریباً اکتیس برس تھی اور وہ گزشتہ سات برس سے قفس میں بند تھا۔ قید سے قبل وہ اور اس کا بھائی احمد زیادہ عرصہ ایڈرین سرائے میں رہے تھے۔ جہاں انہوں نے اپنے باپ کے دربار کی فضا میں توپ کاپی سرائے میں پرورش پانے والے شہزادوں کی نسبت بیرونی دنیا سے زیادہ استفادہ کیا تھا۔ اس کی ماں ربیعہ گل نوش امت اللہ اپنے شوہر محمد چہارم کی معزولی کے بعد سے استنبول کے پرانے محل میں رہ رہی تھی۔ اب مصطفیٰ نے اسے بھی ایڈرین سرائے بلوا لیا۔

نئے سلطان نے نیک ارادوں کے ساتھ اپنے دورِ حکومت کا آغاز کیا اور اعلان کیا کہ وہ حکومت کو بدعنوانی سے پاک کر دے گا اور حرم کی لذتوں کو ترک کر کے سلطنت کو دھمکانے والے کافروں سے جنگ کرنے کے لیے اپنی فوج کی قیادت خود کرے گا۔ اس نے اعلان کیا:

> ''آج سے میں اپنے دربار سے بدقماش' سست اور نااہل افراد کو خارج کرتا ہوں...... میں کافروں کے ساتھ خود جنگ لڑنے کا عہد کرتا ہوں' اللہ میری مدد کرے۔''

تمام تیاریوں کے بعد مصطفیٰ نے وزیراعظم شام تارابولس علی پاشا کو حکم دیا کہ فوج کو ایڈرین میں اکٹھا کیا جائے۔ جب سلطان نے فوج کا معائنہ کیا تو دیکھا کہ توپخانے کی توپ بردار گھوڑا گاڑیاں درست نہیں بنی ہوئیں۔ اس نے وزیراعظم کو قصوروار قرار دے کر اُسے موت کے گھاٹ اتروا دیا۔ تاہم کیٹفیر علی پاشا کو سزائے موت دینے کی حقیقی وجہ یہ بیان کرتا ہے کہ ''اس نے مصطفیٰ کی بجائے ننھے ابراہیم کو تخت نشیں کروانے کی کوشش کی تھی۔'' اس لیے مصطفیٰ نے اسے ہلاک کروا دیا۔

اس کے بعد مصطفیٰ نے الماس محمد پاشا کو وزیراعظم مقرر کیا۔ تاہم پس پردہ اختیارات مصطفیٰ کے پرانے اتالیق فضل اللہ آفندی کے ہاتھ میں تھے' جسے اُس نے شیخ الاسلام مقرر کیا تھا۔

مصطفیٰ اپنی پہلی جنگی مہم پر جون 1695ء میں روانہ ہوا اور دو قلعے فتح کرنے کے

بعد اس نے ایک انتہائی خونریز جنگ میں ہیپسبرگز کو شکست دے دی۔ اس جنگ میں دشمن سے زیادہ ترکوں کے اپنے فوجی ہلاک ہو گئے۔ وہ فتح مند ہو کر ایڈرین واپس آیا جہاں اسے غازی کا خطاب دیا گیا۔

ایڈرین لائے گئے قیدیوں میں اینا صوفیا وان ڈیاچ نامی ایک خوبصورت جرمن لڑکی بھی تھی۔ اینا کو اس کے شیر خوار بیٹے ہنیرک کے ساتھ گرفتار کیا گیا تھا۔ ایڈرین لانے کے بعد اسے سلطان مصطفیٰ کی کنیز بنا دیا گیا۔ حرم میں داخل کیے جانے کے بعد اینا اور اس کے بیٹے کے بارے میں کبھی کچھ نہیں سنا گیا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ انہیں ترک نام اور شناخت دے دی گئی ہو گی۔

سلطان مصطفیٰ کی چھ دیگر کنیزوں کے نام معروف ہیں۔ ان میں سے سب سے زیادہ وہ کنیزیں مشہور ہیں جو آئندہ والدۂ سلطان بنیں۔ مصطفیٰ کا پہلا بیٹا مستقبل کا سلطان محمد اول 2 ستمبر 1696ء کو صالحہ کے بطن سے پیدا ہوا۔ صالحہ ایک کنیز تھی جس کی نسل یا قومیت کا علم نہیں ہو سکا۔ مصطفیٰ کا دوسرا بیٹا' مستقبل کا سلطان عثمان دوم 2 جنوری 1699ء کو شہسوار کے بطن سے پیدا ہوا۔ شہسوار ایک روسی نژاد کنیز تھی۔ مصطفیٰ کی آخری منظورِ نظر حفصہ نے اس کے پانچ بیٹوں کو جنم دیا' جن میں دو جڑواں بھائی بھی تھے۔ وہ پانچوں شیر خواری ہی میں فوت ہو گئے۔ اس کے بطن سے ایک بیٹی بھی پیدا ہوئی تھی اور صرف وہی زندہ رہی۔ مصطفیٰ کے کل بیس بچے تھے' جن میں دس لڑکے اور دس لڑکیاں تھیں۔ وہ سب سات برس کے عرصے میں پیدا ہوئے تھے۔ ان میں سے چودہ بچے شیر خواری ہی میں فوت ہو گئے۔ محمود اور سلطان آگے چل کر باری باری سلطان بنے جبکہ تمام لڑکیوں کی شادیاں پاشاؤں کے ساتھ کر دی گئیں۔ شہزادی آمنہ کی یکے بعد دیگرے چار شادیاں ہوئیں۔ وہ بتیس برس کی عمر میں فوت ہوئی۔

اس دوران سلطان مصطفیٰ کا چھوٹا بھائی توپ کاپی سرائے کے قفس میں قید رہا۔ تاہم جب کبھی سلطان ایڈرین آتا یا کسی جنگی مہم پر جاتا تو اسے ایڈرین سرائے منتقل کر دیا جاتا تھا۔ احمد کے ساتھ اس کا ننھا عم زاد سلطان احمد دوم کا بیٹا ابراہیم بھی قید تھا۔ کینٹیر لکھتا ہے کہ سلطان مصطفیٰ ننھے ابراہیم کو بہت چاہتا تھا اور استنبول اور ایڈرین کے سفروں میں ہمیشہ اسے اپنے ساتھ رکھتا تھا۔

1697ء کے موسمِ گرما کے شروع میں سلطان مصطفیٰ نے ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ بلغراد سے ہیپسبرگز پر حملہ کیا۔ تاہم اس کی بدقسمتی کہ اس مرتبہ اس کا سامنا اپنے

زمانے کے عظیم ترین جرنیل پرنس یوجین آف سیوائے کی زیرقیادت فوج سے ہوا۔ دونوں افواج میں جنگ ہوئی جس میں تیس ہزار ترک ہلاک ہوگئے۔ ہلاک ہونے والوں میں وزیراعظم الماس محمد پاشا بھی شامل تھا۔ سلطان کو بھیس بدل کر میدانِ جنگ سے نکلنا پڑا۔ اس جنگ کے بعد ہونے والے امن معاہدوں میں عثمانیوں کو بلقان میں اپنے زیرقبضہ بہت سے علاقوں سے ہاتھ دھونا پڑا۔ اس طرح عیسائی طاقتوں کو ڈھائی صدی بعد عثمانیوں کے خطرے سے نجات ملی۔

سلطان مصطفیٰ ایڈرین سرائے میں رہنے لگا' جہاں وہ گردونواح کے علاقوں میں شکار کھیل کر وقت گزارتا تھا' جیسا کہ وہ اپنی نوجوانی میں اپنے باپ کے ساتھ کرتا تھا۔ ادھر فوج اور رعایا میں بے اطمینانی بڑھتی جا رہی تھی۔ 1703ء کے موسمِ گرما میں فوج کے بکتر بند دستوں نے استنبول میں بغاوت کردی۔ جلد ہی ینی چری بھی ان کے ساتھ مل گئے۔ ان کے علاوہ شہر کے اکثر غریب لوگ بھی باغیوں میں شامل ہوگئے۔ جب استنبول میں بغاوت کی خبریں مصطفیٰ تک پہنچیں تو اس نے اپنے معتمد کو باغیوں سے مذاکرات کرنے کے لیے بھیجا۔ باغیوں نے اس کے معتمد کو بڑی بے رحمی سے پیٹا اور واپس بھگا دیا۔ اس کے بعد پچاس ہزار باغی رتھوں کی دوڑ والے میدان میں جمع ہوکر ایڈرین پر چڑھائی کی تیاریاں کرنے لگے۔ مصطفیٰ نے باغیوں کی سرکوبی کے لیے وزیراعظم رحیم محمد پاشا کی قیادت میں فوج بھیجی۔ جب استنبول اور ایڈرین کے درمیان دونوں فوجیں ملیں تو باغیوں نے مصطفیٰ کی فوج کے سپاہیوں کو اپنا ساتھ دینے پر قائل کرلیا۔ وزیراعظم کو جان بچا کر بھاگنا پڑا اور اس نے استنبول میں جا کر پناہ لی۔ اب باغی مصطفیٰ کے فوجیوں سمیت ایڈرین کی طرف بڑھنے لگے۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے سلطان سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے بعض وزراء اور امراء سمیت فضل اللہ آفندی کو ان کے حوالے کردے۔ مصطفیٰ کے پاس باغیوں کا مطالبہ ماننے کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ باغیوں نے تشدد کرکے فضل اللہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور اس کی لاش کو دریا میں پھینک دیا۔ مصطفیٰ نے باغیوں کے منتخب کردہ دورو کن احمد پاشا کو رحیم محمد پاشا کی جگہ وزیراعظم مقرر کیا اور وعدہ کیا کہ سابقہ وزیراعظم کے ہاتھ آتے ہی اسے باغیوں کے حوالے کردیا جائے گا۔ تاہم باغی ان اقدامات سے ٹھنڈے نہیں پڑے۔ وہ مصطفیٰ کو معزول کرکے اس کی جگہ اس کے قیدی بھائی احمد کو سلطان بنانا چاہتے تھے۔ سلطان کو اس کے مشیروں نے مشورہ دیا کہ وہ اپنے بھائی کو قتل کروا دے مگر سلطان یہ فیصلہ نہیں کرسکا اور اس نے تخت سے دستبرداری کا اعلان کردیا۔ اس

وقت شہزادہ احمد ایڈرین سرائے کے قفس میں قید تھا۔ کینٹمیر لکھتا ہے کہ کس طرح سلطان مصطفیٰ اپنے بھائی کو یہ بتانے گیا کہ وہ اس کی جگہ تخت نشیں ہو رہا ہے اور یہ کہ کس طرح احمد کی رہائی کے بعد مصطفیٰ قفس میں بند ہوا:

''چنانچہ مصطفیٰ اپنے بھائی کے پاس گیا اور اسے نہایت گرمجوشی کے ساتھ گلے مل کر اطلاع دی کہ رعایا کی متفقہ خواہش ہے کہ وہ تخت نشیں ہو۔ اس نے اسے سلطان تسلیم کرتے ہوئے پہلی سلامی دی۔ پھر اس نے اپنے بھائی سے کہا ''اے برادر! یاد رکھنا میں نے اپنے دورِ حکومت میں تمہیں مکمل آزادی دے رکھی تھی۔ تم بھی میرے ساتھ ایسا ہی سلوک روا رکھنا۔ یہ بھی یاد رکھنا کہ تمہیں غدار باغیوں نے تخت پر بٹھایا ہے' جو کسی بھی وقت تمہارے ساتھ وہی کچھ کر سکتے ہیں' جو انہوں نے میرے ساتھ کیا ہے۔''

## سلطان مصطفیٰ دوم کی معزولی اور وفات

مصطفیٰ کو 22 ستمبر 1703ء کو ایڈرین میں معزول کر دیا گیا اور اسی دن اس کا بھائی سلطان احمد سوم کے نام سے تخت نشین ہوا۔ مصطفیٰ کو استنبول لے جا کر توپ کاپی سرائے کے قفس میں قید کر دیا گیا۔ وہ اسی برس 29 دسمبر کو فوت ہو گیا۔ اس کی موت کی وجہ استسقا کو قرار دیا گیا تاہم افواہیں یہ بھی پھیل گئی تھیں کہ اسے زہر دیا گیا ہے۔ مصطفیٰ کو اس کی موت کے اگلے روز اس کے باپ محمد چہارم کے پہلو میں دفنا دیا گیا۔

مصطفیٰ کے دو بیٹے بچ گئے تھے جن میں ایک مستقبل کا سلطان محمد اول اور دوسرا سلطان عثمان سوم تھا۔ ان کے چچا سلطان احمد سوم نے انہیں توپ کاپی سرائے کے قفس میں قید کر دیا۔ ابراہیم بھی قفس میں قید تھا۔ وہ 4 مئی 1714ء کو فوت ہو گیا۔ مصطفیٰ کی تین بیویاں بھی زندہ تھیں: عثمان سوم کی ماں شہسوار' محمود اول کی ماں صالحہ اور مرحوم سلطان کی آخری منظورِ نظر حفصہ۔ مصطفیٰ کی موت کے بعد صالحہ اور شہسوار کو پرانے محل بھجوا دیا گیا جبکہ حفصہ کی شادی وزیر ابوبکر آفندی کے ساتھ کر دی گئی۔ ایسا شاذ ہی ہوا تھا کہ سلطان کے مرنے کے بعد اس کی کسی بیوہ کو کسی دوسرے شخص سے شادی کی اجازت دی گئی ہو۔ انگریز سفیر ایڈورڈ ورٹلے مونٹیگ کی بیوی لیڈی میری ورٹلے مونٹیگ کے بقول حفصہ نے اسے بتایا تھا کہ اس نے شادی کی شدید مخالفت کی تھی۔ لیڈی نے حفصہ سے حرم سرا کی زندگی کا احوال بھی دریافت کیا حفصہ نے بتایا:

''سلطان کے رومال پھینکنے والی بات من گھڑت ہے۔ ہوتا یہ تھا کہ سلطان کلزیر آغا کو بھیجتا' جو اس کی پسندیدہ عورت کو سلطان کی آمد کا پیغام دیتا۔ دیگر سب عورتیں اس عورت کو مبارکباد دیتیں۔ پھر اس کو حمام لے جا کر نہلایا اور خوشبو میں بسایا جاتا اور نہایت عالی شان لباس پہنایا جاتا۔ سلطان پہلے اس کے لیے تحفہ بھجواتا اور پھر اس کے کمرے میں آجاتا۔

بعض اوقات ایسا ہوتا کہ تمام عورتیں ایک کمرے میں سلطان کے گرد دائرہ بنا کر کھڑی ہو جاتیں۔ پھر سلطان ان میں سے کسی ایک کو وصل کے لیے منتخب کر لیتا۔''

لیڈی میری کے بقول حفصہ جب بھی سلطان کا ذکر کرتی اس کی آنکھوں میں آنسو آجاتے۔ وہ اٹھارہویں صدی کے وسط تک زندہ رہی اور جب فوت ہوئی تو اسے اس کے محبوب خاوند مصطفیٰ دوم کے پہلو میں دفنایا گیا۔

## گیارھواں باب

# عہدِ گلِ لالہ

## سلطان احمد سوم کی تخت نشینی

تخت نشینی کے وقت سلطان احمد سوم تقریباً تیس برس کا تھا۔ اس نے اپنی عمر کے گزشتہ سولہ برس توپ کاپی سرائے اور ایڈرین سرائے کے قفس میں گزارے تھے' تاہم اس کے بھائی مصطفیٰ اور احمد نے اپنے ابتدائی برس ایڈرین میں گزارے تھے' جہاں ان کے والد محمد چہارم نے انہیں شکار کھیلنے اور تقریبات میں شرکت کی اجازت دی تھی' جس کی وجہ سے وہ بیرونی دنیا سے کافی حد تک شناسا ہو گئے تھے۔

سلطان احمد کو ایڈرین سرائے میں اس کے جدِ امجد عثمان غازی کی تلوار باندھی گئی۔ ایڈرین میں تخت نشیں ہونے والا وہ آخری سلطان تھا کیونکہ اس کے دور میں دربار استنبول میں دوبارہ لگنے لگا اور اس کے بعد آنے والے تمام سلطانوں کو مسجدِ ایوب میں ہی تلوار باندھی گئی۔ سلطان احمد تخت نشینی کے تین ہفتے بعد ہی استنبول منتقل ہو گیا تھا۔ اس نے توپ کاپی سرائے کی زندگی کو ایڈرین کے مقابلے میں زیادہ محدود پایا۔ اس نے ایک خط میں وزیر اعظم سے شکایت کی کہ درباری رکھ رکھاؤ کی وجہ سے تو اس کا دم گھٹا جاتا ہے۔ اس نے شکوہ کیا: ''جب میں اپنے کمرے میں جاتا ہوں تو چالیس چالیس غلام لڑکے صف بستہ کھڑے ہوتے ہیں۔ چھوٹے سے کمرے میں قدرے آرام پانے کے لیے اپنے شمشیر بردار کے ذریعے سب کو نکال کر صرف دو تین غلام لڑکے کمرے میں رکھنے پڑتے ہیں۔''

جب وہ قفس میں تھا تو اسے ایک خوبصورت لڑکی سے زبردست محبت ہو گئی' جو اس کی ماں کی خادمہ تھی۔ قفس میں ہونے کی وجہ سے اسے اجازت نہیں تھی کہ وہ اس لڑکی کو اپنی

کنیز بنا لے۔ اس کی ماں نے لڑکی کی شادی اپنے طبیب نوح آفندی کے بیٹے سے کردی مگر اُسے خبردار کیا کہ اسے ہاتھ بھی نہیں لگانا ہے اور اس کے بیٹے کے تخت نشین ہونے تک محفوظ رکھنا ہے، تب وہ اُسے اپنی کنیز بنا لے گا۔

## سلطان احمد سوم کا حرم

سلطان احمد نے توپ کاپی سرائے میں اپنا حرم بنالیا۔ اس کے دور میں حرم سرا میں بہت سی عورتیں تھیں۔ اس کی چودہ کنیزوں کے نام تو معلوم ہیں۔ یہ تعداد اب تک کے تمام سلطانوں کی کنیزوں سے زیادہ تھی۔ سلطان احمد باون بچوں کا باپ تھا، جن میں بائیس لڑکے اور تیس لڑکیاں تھیں۔ اس کے چونتیس بچے شیر خواری ہی میں مر گئے تھے۔ اس کے چھ بچے جڑواں ہوئے جن میں ایک جوڑا لڑکوں کا، ایک جوڑا لڑکیوں کا اور ایک جوڑا ایک لڑکے اور ایک لڑکی کا تھا۔ اس کے دو بیٹے سلطان بنے۔ مصطفیٰ سوم 28/جنوری 1717ء کو پیدا ہوا اور عبدالحمید اوّل 20/مارچ 1725ء کو۔

احمد سوم نے توپ کاپی سرائے میں بہت سی عمارتیں تعمیر کروائیں، جو آج بھی موجود ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ قابل ذکر حرم سرا میں بنوایا گیا وہ کمرہ ہے جو ''پھلوں والا کمرہ'' کہلاتا ہے کیونکہ اس کی دیواروں کو پھلوں کی تصویروں سے سجایا گیا ہے۔ احمد نے جوانی میں خطاطی سیکھی تھی اور توپ کاپی سرائے کے کئی کمروں کی دیواروں پر اس کی خطاطی کے نمونے موجود ہیں۔ اس نے ایک فوارہ بھی بنوایا، جو توپ کاپی سرائے کے شاہی دروازے کے باہر آج بھی اس کے نام سے موسوم موجود ہے۔ احمد نے 10-1708ء کے دوران اسکودر میں اپنی ماں کے نام سے ایک مسجد بنوائی۔ جب وہ 2/نومبر 1715ء کو فوت ہوئی تو اسے یہیں دفنایا گیا۔

اپنے دورِ حکومت کے پہلے تیرہ برسوں میں سلطان احمد نے بارہ وزیراعظم یکے بعد دیگرے تبدیل کیے۔ آخر 26/اگست 1717ء کو اس نے نوشاہیرلی ابراہیم پاشا کو وزیراعظم مقرر کیا، جو اس کے باقی سارے دور میں اس منصب پر برقرار رہا۔ وزیراعظم بننے سے چھ ماہ پہلے سلطان کی دوسری بیٹی فاطمہ کی شادی اس کے ساتھ ہوئی تھی۔ شادی کے وقت فاطمہ کی عمر تیرہ سال اور اس کے خاوند کی عمر اکیاون سال تھی۔

انگریز سفیر رابرٹ سٹن نے سلطان احمد کو سفاک، جلد باز اور متلون مزاج قرار دیا

تھا۔ سلطان کو اپنے بیٹے سلیمان سے بہت پیار تھا۔ سلیمان 1732ء میں فوت ہو گیا۔ سلطان کا وزیراعظم ابراہیم پاشا ایک زبردست سیاستدان تھا۔ اس نے اپنی حکمت اور تدبر سے سلطنت میں امن بحال کر دیا۔ اس نے رعایا کی بے چینی کو بھانپتے ہوئے ان پر عائد سابقہ پابندیاں ہٹا کر انہیں آزادی عطا کی، جس سے لوگ پرسکون ہو گئے۔ ابراہیم پاشا نے مغربی یورپ کے ساتھ روابط کو وسعت دی۔ اس نے پیرس، ویانا، ماسکو اور پولینڈ میں سفیر مقرر کیے۔ مغربی یورپ میں پہلا ترک سفیر یرمیسکیز چلیپی محمد آفندی تھا۔ ابراہیم نے اسے ہدایت کی تھی کہ وہ فرانس کے کارخانوں، قلعوں اور فرانسیسی تہذیب کے دیگر کارناموں کا جائزہ لے کر بتائے کہ کیا انہیں عثمانی سلطنت میں رائج کیا جا سکتا ہے کہ نہیں۔ محمد آفندی پیرس سے واپس آیا تو وہ فاؤنٹین بلیو کا نقشہ لے کر آیا۔ ابراہیم نے اس نقشے کے مطابق سلطان کے لیے محل بنوایا اور اسے ''سعد آباد'' کا نام دیا۔ وینس کے سفیر ایمو نے لکھا ہے کہ سلطان احمد نے سعد آباد کے میدانوں میں پھولوں کے باغ بنوائے اور ہزاروں درخت لگوائے۔ جب اس کا افتتاح ہوا تو افتتاحی تقریب کے لیے فرانس سے ایک ہزار بوتلیں شیمپئن اور نو سو بوتلیں برگنڈی کی منگوائی گئیں۔ جیسا کہ درباری شاعر ندیم نے لکھا ہے: ''آؤ جی بھر کر ہنسیں کھیلیں اور دنیا کی مسرتوں سے حظ اندوز ہوں۔''

فروری 1723ء میں وینس کے سفیر ایمو نے لکھا کہ سلطان اپنے پانچویں بیٹے کی پیدائش کی خوشیاں منا رہا ہے۔ شاید وہ شہزادہ نعمان کا ذکر کر رہا تھا، جو درحقیقت سلطان احمد کا ساتواں بیٹا تھا اور اس کی پیدائش سے قبل سلطان کے بارہ مزید بیٹے شیرخواری ہی میں فوت ہو چکے تھے۔ ابراہیم کی بیوی شہزادی فاطمہ بھی ماں بننے والی تھی اور اس لیے سلطان احمد نے اپنے بیٹے کی پیدائش کا جشن اتنا عرصہ جاری رکھا جب تک کہ اس کی بیٹی کے ہاں بچہ پیدا نہیں ہو گیا۔ اس کا نام محمد رکھا گیا۔ اسی برس موسمِ گرما کے دوران سلطان احمد نے اپنی شادی کے قابل بیٹی کے لیے ایک محل تعمیر کروایا، مگر یہ واضح نہیں ہے کہ وہ کون تھی کیونکہ 1724ء میں اس نے اپنی تین بیٹیوں کی شادی کی تھی، جن میں سے ایک کی شادی ابراہیم* کے بھتیجے سے ہوئی۔ جب ابراہیم نے سلطان کو وہ انگوٹھیاں دکھائیں، جو کہ دولہوں نے اپنی ہونے والی بیویوں کو پہنانا تھیں، تو سلطان نے کہا کہ اس کے پاس ان سے بہتر انگوٹھیاں ہے اور اس نے انہیں فروخت کرنے کی پیشکش کی۔ ایمو نے اس واقعے پر تبصرہ کیا: ''حیرت کی بات ہے کہ اتنی بڑی سلطنت کا حکمران اور ایک عام سے جواہرات کے تاجر کا سا طرزِ عمل اپنائے!''

وینس کے سفیر ڈینیئل ڈولفن نے ایک اور واقعہ لکھا ہے کہ سلطان احمد کے ایک بیٹے نے اسے ایک جواہر دار پیٹی پیش کی' سلطان نے اسے نہایت مسرت کے ساتھ قبول کیا۔ مگر جب چند دنوں بعد سلطان کو علم ہوا کہ وہ پیٹی کس قدر قیمتی ہے تو اس نے نقد رقم کے عوض اسے ایک جوہری کو بیچ دیا۔

اسی زمانے میں سلطان احمد نے اپنے چار بیٹوں کے ختنے کروائے۔ شہزادوں کے ساتھ ایک ہزار مزید لڑکوں کے ختنے بھی سلطان کے خرچ پر ہوئے۔ ان لڑکوں اور ختنہ کرنے والے جراحوں کے قیام کے لیے محل کے بیرونی باغات میں خیمے نصب کیے گئے تھے۔ انیسویں صدی کا آسٹریائی مؤرخ جوزف وان ہیمر پرگسٹال لکھتا ہے کہ چاروں شہزادوں کے ختنے کے بعد خوب خوشیاں منائی گئیں اور ''جراح اور مفتی کو سونے سے لاد دیا گیا۔'' آخر میں مختون شہزادوں اور دیگر لڑکوں کے ہمراہ شہر کے تمام پیشہ وروں کی انجمنوں نے ایک عالیشان جلوس نکالا۔

## شاہِ گلِ لالہ

سلطان احمد نے اپنی بیٹی فاطمہ کے لیے باسفورس پر ایمن آباد محل تعمیر کروایا۔ سلطان احمد نے اپنے دورِ حکومت کے شروع میں لالہ کے پھول کھلنے پر ایک سالانہ جشن منانے کی رسم کا آغاز کیا تھا۔ اس کے دورِ حکومت میں دربار میں لالہ کے پھولوں کی اہمیت اس قدر ہوگئی تھی کہ اسے ''دورِ گل لالہ'' اور خود سلطان کو ''شاہِ گل لالہ'' کہا جاتا ہے۔

سلطان احمد اور وزیرِاعظم ابراہیم پاشا ہر سال اپریل میں چاند کی تیرہویں' چودھویں اور پندرہویں تاریخوں کو ایک زبردست سہ روزہ جشن منایا کرتے تھے۔ یہ جشن توپ کاپی سرائے کے چوتھے صحن میں منایا جاتا تھا' جہاں گل لالہ کے گلدانوں کو دور دور تک لمبی صفوں میں سجایا جاتا تھا۔ ان گل دانوں کے ساتھ رنگین شیشوں کے چھوٹے چھوٹے قمقمے اور مختلف رنگ کے سیالوں سے بھرے ہوئے گلوب لگے ہوتے تھے۔ ان کے اوپر شیلفوں میں اور درختوں کی شاخوں پر گانے والی خوش آواز چڑیوں اور بلبلوں کے پنجرے لٹکائے جاتے تھے جبکہ باغ کی روشوں کو پھولوں سے سجایا گیا ہوتا تھا۔ سلطان مرکز میں تخت پر جلوہ آرا ہوتا' جہاں وہ الگ الگ راتوں کو اپنے درباریوں اور حرم کی عورتوں کے ساتھ لطف اندوز ہوتا جبکہ محل کے موسیقار' مغنی اور رقاص اپنے اپنے فن کا مظاہرہ کرتے۔ سلطان احمد نے ''گل آغا'' کا ایک نیا عہدہ

بھی وضع کیا تھا۔

## حلوہ پارٹیاں

موسمِ سرما میں سلطان اور اس کے درباری "حلوہ پارٹیوں" سے لطف اندوز ہوتے۔ وہ ان حلوہ پارٹیوں میں رقص و نغمہ، شعروشاعری اور پتلی تماشے کے دوران حلوے سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ فرانسیسی سفیر لوئیس ڈی ولنیو نے پیرس سے رپورٹ بھیجی کہ وہ آٹھ ماہ کے دوران صرف ایک مرتبہ وزیرِاعظم ابراہیم پاشا سے مل سکا ہے۔ اس نے جب بھی وزیرِاعظم سے ملاقات کی درخواست کی، اُسے یہی جواب ملا کہ وہ جشن کے بعد اس سے ملے گا اور اس کی بدقسمتی کہ یہ جشن ہمیشہ جاری رہتے تھے۔

## بغاوت

سلطان کے ان مہنگے مشاغل کا بوجھ رعایا کو بھاری ٹیکسوں کی صورت میں برداشت کرنا پڑتا، جس کی وجہ سے بے اطمینانی بڑھتی جارہی تھی اور آخر انہوں نے اس کے خلاف بغاوت کردی۔ بغاوت 28 ستمبر 1730ء کو شروع ہوئی۔ باغیوں کی قیادت ایک سابق البانوی ینی چری کررہا تھا۔ اس کا نام پیٹرونا خلیل تھا اور وہ ان دنوں کپڑے کی تجارت کررہا تھا۔ پیٹرونا اور اس کے دو تاجر دوستوں موسلو اور علی نے استنبول کے تجارتی علاقے بایزید میں اپنے تیس ساتھیوں کا اجلاس بلوایا۔ اس اجلاس میں شریعت کے نفاذ کے لیے جدوجہد کرنے کا عہد کیا گیا اور انہوں نے اس مقصد کے حصول کے لیے رعایا سے امداد طلب کی۔ انہوں نے الزام لگایا کہ سلطان اور وزیرِاعظم اپنے تعیش پرستانہ طرزِ زیست سے شریعت کی خلاف ورزی کررہے ہیں۔ لوگ بہت بڑی تعداد میں پیٹرونا کی قیادت میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے قیدخانوں کے دروازے توڑ کر قیدیوں کو رہا کردیا اور دکانوں اور امیروں کے گھروں کو لوٹ لیا۔ جس نے مزاحمت کی کوشش کی اسے قتل کردیا گیا۔ سعد آباد میں بھی لوٹ مار اور توڑ پھوڑ کی گئی۔ درباری شاعر ندیم کو بھی ہجوم نے قتل کردیا۔ دو دن کے اندر اندر باغیوں نے اسلحہ خانے پر قبضہ کرلیا اور توپ کاپی سرائے کے لیے خوراک اور پانی کی فراہمی روک دی۔ انہوں نے سلطان سے مطالبہ کیا کہ وہ وزیرِاعظم اور دیگر وزراء کو ان کے حوالے کردے۔ سلطان احمد اتنا خوفزدہ ہوا کہ اس نے وزیرِاعظم ابراہیم پاشا، نائب وزیرِاعظم اور کیپٹن پاشا کو گلا دبوا کر ہلاک کروادیا اور ان کی لاشیں باغیوں کے حوالے کردیں۔ باغی اتنے مشتعل تھے کہ

انہوں نے لاشوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور مطالبہ کیا کہ سلطان تخت سے دستبردار ہو جائے۔
ایمو نے اپنی رپورٹ میں لکھا: ''سلطان کو یقین تھا کہ ان لوگوں کو مارنے سے باغی ٹھنڈے پڑ جائیں گے تاہم باغیوں کی پیاس کبھی اتنے تھوڑے خون سے نہیں بجھا کرتی۔''

## سلطان احمد سوم کی تخت سے دستبرداری

احمد کے پاس باغیوں کا مطالبہ ماننے کے سوا کوئی راستہ نہیں تھا لہٰذا یکم اکتوبر 1730ء کو وہ اپنے بھتیجے محمود کے حق میں تخت سے دستبردار ہو گیا' جو اپنے باپ سلطان مصطفیٰ دوم کی وفات کے بعد سے قفس میں قید تھا۔ سلطان احمد کو قفس میں بند کر دیا گیا۔ اس کے علاوہ اس کے بھائی عثمان اور اس کے چھ بیٹوں' محمد' مصطفیٰ' بایزید' عبدالحمید اور سیف الدین کو بھی اس کے ساتھ قفس میں بند کر دیا گیا۔

## سلطان محمود اول کی تخت نشینی

ایمو لکھتا ہے کہ محمود جب محل کے جھروکے میں نمودار ہوا تو باغی مطمئن ہو گئے۔ اس نے فوجیوں کی تنخواہوں میں بھی اضافہ کر کے ان کے دل جیت لیے۔ تخت نشینی کے پانچ دن بعد محمود ایوب گیا تا کہ اس کی کمر سے عثمان غازی کی تلوار باندھی جائے۔ ایمو لکھتا ہے کہ نئے سلطان کے آنے سے رعایا کو مستقبل کے اچھے ہونے کی امید تھی۔ تاہم ایمو نے یہ بیان نہیں کیا ہے کہ محمود کبڑا تھا۔ اس کا یہ جسمانی نقص اس کی تصویروں سے عیاں ہے۔ اس کی رعایا اسے ''کنبر'' یعنی کبڑا کہہ کر یاد کرتی تھی۔

تخت نشینی کے وقت محمود کی عمر چونتیس برس تھی۔ اس سے قبل وہ ستائیس برس قفس میں قید رہا تھا۔ اس کے سلطان بنتے ہی اس کی ماں ابھی توپ کاپی سرائے کی حرم سرا میں آ گئی' جسے اس کے خاوند سلطان مصطفیٰ دوم کی وفات کے بعد پرانے محل میں بھجوا دیا گیا تھا۔ اب محمود نے اپنا حرم تشکیل دیا جس میں چھ کنیزیں تھیں' تاہم وہ کسی بچے کا باپ نہیں بن سکا۔

تخت نشینی کے پہلے ہفتوں میں محمود کی صورتحال کافی مخدوش رہی کیونکہ شہر پر اب بھی پیٹرونا خلیل کی سربراہی میں ینی چریوں کا قبضہ تھا۔ جب محمود نے بوڑھوں اور غریبوں میں رقوم تقسیم کیں تو اس کی ہر دلعزیزی میں اضافہ ہو گیا۔ اب وہ دکانیں کھلنے لگیں' جو لوٹ مار کے ڈر سے بند پڑی تھیں اور باغی منتشر ہونا شروع ہو گئے۔

محمود نے تخت نشیں ہونے کے بعد انیس ماہ میں چار وزرائے اعظم یکے بعد

دیگرے مقرر کیے مگر کوئی بھی پیٹرونا خلیل سے معاملہ طے نہ کر سکا۔ پیٹرونا کسی عہدے کا طلب گار نہیں تھا اور شروع شروع میں تو وہ استعمال شدہ کپڑے کے تاجر والا پرانا سا لباس ہی پہنتا رہا۔ بعدازاں جب وہ غلبہ پا گیا تو اس نے وردی پہننا شروع کی مگر وردی کے نیچے وہ فخریہ طور پر اپنا پرانا لباس ہی پہنتا تھا۔ تاہم جلد ہی اس کے مزاج میں تبدیلی آنے لگی اور اس کی عاجزی و انکساری تکبر اور خودسری میں تبدیل ہوگئی۔ اس میں یہ تبدیلی آنا ہی تھی کیونکہ وہ بارہ ہزار البانوی فوجیوں کی نجی فوج کا سالار جو تھا۔ اس نے مطالبہ کیا کہ اسے کیپٹن پاشا بنایا جائے اور اس کی بیوی کے لیے محل عطا کیا جائے۔

محمود نے پیٹرونا سے چھٹکارا پانے کا منصوبہ بنایا۔ اس مقصد کے حصول کے لیے اس نے اپنے بااعتماد کمانڈروں کے ساتھ مل کر ایک سازش تیار کی۔ محمود نے پیٹرونا کو عثمانی فوج کا سب سے بڑا عہدہ عطا کرنے کے بہانے سے توپ کاپی سرائے میں بلایا۔ اس کا سب سے زیادہ بااعتماد کمانڈر جانم ہوجا چار سو مسلح فوجیوں کے ساتھ محل میں چھپ گیا اور جب پیٹرونا اپنے فوجی افسروں اور چھبیس البانوی محافظوں کے ساتھ محل میں داخل ہوا تو گھات میں بیٹھے ہوئے فوجیوں نے انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس کے بعد محمود اور اس کے ساتھیوں نے دہشت کے ایک ایسے دور کا آغاز کیا جس میں پیٹرونا کا ساتھ دینے والے سات ہزار ینی چریوں کو قتل کر دیا گیا۔ ایمو لکھتا ہے کہ ان دنوں باسفورس لاشوں سے بھر گیا تھا۔

محمود ایک کمزور اور غیر مستقل مزاج بادشاہ ثابت ہوا۔ وہ اپنی ماں صالحہ اور سیاہ فام خواجہ سراؤں کے سربراہ حاجی بشیر آغا کے مشوروں پر عمل کرتا تھا۔ اب اصل اقتدار حاجی بشیر آغا کے ہاتھ میں تھا۔ وہ تین سلطانوں کے ادوارِ حکومت میں امورِ سلطنت کو قریب سے دیکھ دیکھ کر کاروبارِ سلطنت سے مکمل طور پر آگاہ ہو چکا تھا۔

26 رمارچ 1731ء کی صبح استنبول میں ایک اور بغاوت پھوٹ پڑی۔ اس مرتبہ باغیوں کی قیادت ایک البانوی علی کر رہا تھا۔ محمود نے محل میں ایک جنگی کونسل بلائی اور محل کے دروازے کے باہر قرآن مجید آویزاں کروا دیا۔ اس کے بعد وزیراعظم ینی چریوں کی فوج لے کر نکلا اور تین چار سو باغیوں کو ہلاک کرنے کے بعد بغاوت فرو کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس بغاوت کے تھوڑے عرصے بعد راز افشا ہوا کہ شہزادی فاطمہ اپنے باپ معزول سلطان احمد سوم کی دوبارہ تخت نشینی کی سازش کر رہی ہے۔ اسے پرانے محل میں قید کر دیا گیا' جہاں وہ 3 رجنوری 1733ء کو فوت ہوگئی۔ سلطان احمد سوم 11 رجولائی 1735ء کو فوت ہوا اور اسے جامع

پانی میں دفنایا گیا۔

ان مسائل کی وجہ سے سلطان محمود جبر واستبداد سے کام لینے لگا اور ایمو کی رپورٹوں سے پتہ چلتا ہے کہ دس برسوں میں دس ہزار سے زیادہ افراد قتل کر دیے گئے۔ سلطان محمود نے شہر کے تمام قہوہ خانے بند کروا دیئے کیونکہ وہ سیاسی گفتگوؤں کے مراکز تھے۔ استنبول پر ایک ہمہ گیر سکوت مسلط ہو گیا۔ ایمو لکھتا ہے ''شہر کا یہ رخ مشاہدہ کرنے والے کو اداس کر دیتا ہے۔''

1746ء میں ترکی اور ایران کے درمیان جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ہوا جس کے بعد عثمانی تاریخ کا سب سے طویل امن کا دور شروع ہوا' جو بائیس برس پر محیط تھا۔ اس امن کے نتیجے میں سلطان محمود ''گلِ لالہ کا جشن'' بحال کرنے کے قابل ہوا' جو کہ سلطان احمد سوم کے بعد ختم ہو گیا تھا اور توپ کاپی سرائے کے چوتھے صحن کے باغات ایک بار پھر ''گلِ لالہ کے بادشاہ'' کے دور کی طرح سج گئے۔

## حرم سرا کی عورتوں سے مذاق

فرانسیسی سفیر فلیچیٹ نے سلطان محمود اول کے حرم سرا کے حمام میں عورتوں کے ساتھ مذاق کی ایک کہانی بیان کی ہے۔ سلطان محمود نے اپنے درزیوں سے ایسی قمیضیں تیار کروائیں جو گوند سے جڑی ہوئی تھیں۔ جب سلطان کی کنیزوں نے انہیں پہنا تو گوند حمام کی حرارت اور رطوبت سے پگھل گئی اور قمیضیں نیچے گر گئیں۔ کنیزیں برہنہ ہو گئیں۔ سلطان محمود ایک کھڑکی کے پردے کے پیچھے چھپا ہوا چپکے چپکے انہیں دیکھتا رہا۔ پھر وہ ہنسنے لگا تو کنیزوں کو اس کی موجودگی کا علم ہوا۔ کنیزیں بھی اس کے مذاق سے خوش ہوئیں۔

فلیچیٹ نے شہزادوں کے قفس کا احوال بھی رقم کیا ہے:

> ''یہ ایک الگ تھلگ عمارت تھی' جس کی دیواریں کسی قلعے کی طرح اونچی اونچی تھیں۔ سلطان محمود نے عثمان سوم کے لیے دیواریں نیچی کروا دی تھیں اور ان میں کھڑکیاں بنوا دی تھیں۔ اس قفس میں داخل ہونے کے دو دروازے تھے اور دونوں پر خواجہ سرا کڑا پہرا دیتے تھے۔''

## سلطان محمود اوّل کی وفات

بحیرۂ باسفورس کی یورپی سمت ''چراغاں سرائے'' نامی ایک محل تھا۔ یہ سلطان محمود کی متعدد ساحلی رہائش گاہوں میں سے ایک تھا۔ محمود نے اپنے دورِ حکومت کے آخری چھ برسوں

میں تیسری پہاڑی پر ایک شاہی مسجد تعمیر کروائی۔ اس کی صحت 1754ء کے موسم خزاں میں خراب ہوگئی اور وہ جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لیے ایاصوفیا جانے کے قابل نہیں رہا' تاہم رعایا کی تنقید سن کر اسے دوبارہ اس معمول پر عمل کرنا پڑا۔ وہ 14 دسمبر کو نماز ادا کر کے واپس آ رہا تھا کہ توپ کاپی سرائے کے پہلے صحن میں اس پر دورہ پڑا اور وہ گھوڑے سے گر کر مر گیا۔ موت کے وقت اس کی عمر اٹھاون برس تھی۔ اس نے چوبیس برس حکومت کی۔ اسے اگلے روز جامع یانی میں دفنا دیا گیا۔ تھوڑے عرصے بعد شہر میں افواہ پھیل گئی کہ سلطان محمود کو زندہ دفن کر دیا گیا تھا۔ اگرچہ بہت سے لوگوں نے شہادت دی کہ وہ حقیقتاً مر چکا تھا' تاہم یہ قصہ استنبول کی عوامی حکایتوں میں شامل ہوگیا۔

عہدِ گلِ لالہ ختم ہوگیا اور سعد آباد محل کھنڈر بننا شروع ہوگیا۔ جشن ختم ہوگیا تاہم جب کبھی درباری شاعر ندیم کی نظم کے مصرعے پڑھے جائیں گے' اس جشن کی یادیں تازہ ہو جائیں گی:

"آؤ ہنسیں کھیلیں اور دنیا کی مسرتوں سے لطف اندوز ہوں۔"

بارہواں باب

# راگ محل میں قتل

## سلطان عثمان سوم کی تخت نشینی

سلطان محمود اول کی وفات کے دن ہی اس کا سوتیلا بھائی عثمان سوم تخت نشین ہوا۔ وہ سلطان مصطفیٰ دوم اور شہسوار کا بیٹا تھا۔ تخت نشینی کے وقت عثمان سوم کی عمر تقریباً چھپن برس تھی۔ اس نے اکیاون برس قفس میں گزارے تھے۔ مرحوم سلطان محمود اول کی طرح عثمان بھی کسی بچے کا باپ نہیں بن سکا۔ اس کے حرم میں دو کنیزیں تھیں مگر وہ ان سے کبھی کبھار ہی ملنے آتا تھا۔ محل کی روایت کے مطابق وہ موٹی کیلوں والے (Hobnailed) جوتے پہنتا تھا۔ اس کی حرم سرا میں آمد کی آہٹ سنتے ہی کنیزیں خوف سے اِدھر اُدھر ہو جایا کرتی تھیں۔

عثمان کی تخت نشینی کے وقت اس کی چار عم زاد قفس میں قید تھے: محمدؐ، مصطفیٰ، بایزید اور عبدالحمید۔ چونکہ اس کے کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی اس لیے اس کا سب سے بڑا عم زاد اس کا ولی عہد قرار پایا تھا۔ محمد کو بے پناہ عوامی مقبولیت حاصل تھی اور شاید اسی وجہ سے سلطان عثمان نے اسے قفس ہی میں 27 جنوری 1756ء کو قتل کروا دیا۔ یہ اس کا انتالیسواں یوم پیدائش تھا۔ اسے واضح طور پر زہر دیا گیا تھا۔ اس کے باقی بھائی اس جیسے انجام سے بچنے کے لیے محتاط ہو گئے۔ تخت کے لیے قتل ہونے والا آخری عثمانی شہزادہ محمد تھا۔ اس سے قبل ساڑھے چار صدی کے عرصے میں 78 شہزادوں کو تخت کے لیے قتل کیا گیا۔

سلطان عثمان نے تواتر سے اپنے وزرائے اعظم تبدیل کیے، اوسطاً ایک سال میں دو۔ وہ جس وزیر اعظم کو اس کے عہدے سے ہٹاتا تھا اس کی تمام تر املاک اور اثاثوں پر قبضہ کر لیتا تھا۔ جہاں وزرائے اعظم سلطنت کا انتظام سنبھالتے وہاں سلطان عثمان رعایا پر

جبر و استبداد میں مصروف رہتا۔ اس نے قہوہ خانے بند کروا دیئے اور عورتوں پر ان کے گھر سے چار دن سے زیادہ باہر رہنے پر پابندی لگا دی۔ عثمان بھیس بدل کر شہر میں گھوم پھر کر دیکھتا تھا کہ لوگ اس کی پابندیوں پر عمل کر رہے ہیں یا نہیں۔ وہ جب بھی اس طرح شہر میں نکلتا اپنے لیے لذیذ اشیائے خورونوش ضرور خرید کر لاتا' کیونکہ زندگی میں اس کی سب سے بڑی دلچسپی اچھا کھانا کھانا تھی اور اس کی بھوک کبھی نہیں مٹتی تھی۔

سلطان عثمان نے اپنے اقتدار کے پہلے سال اپنے مرحوم بھائی سلطان محمود اول کی شاہی مسجد کو مکمل کروایا' جسے اس نے تیسری پہاڑی پر بنوایا تھا۔ اس نے مسجد کو ''جامعہ' نورِ عثمانیہ'' کا نام دیا۔ اس کا نقشہ ایک یونانی معمار نے بنایا تھا اور یہ پہلی عثمانی عمارت تھی' جسے یورپی طرز پر بنوایا گیا تھا۔

## سلطان عثمان سوم کی وفات اور مصطفیٰ سوم کی تخت نشینی

سلطان عثمان 29 ر اکتوبر 1757ء کو دورہ پڑنے سے ہلاک ہوگیا۔ اُسے بھی جامعہ یانی میں دفنایا گیا۔ وہ یہاں دفن ہونے والا پانچواں عثمانی سلطان تھا۔ اس کے بعد اس کا سب سے بڑا عم زاد مصطفیٰ سوم تخت نشین ہوا۔ مصطفیٰ سلطان احمد سوم کا بیٹا تھا۔ تخت نشینی کے وقت اس کی عمر انتالیس برس تھی۔ اس نے ستائیس برس قفس میں گزارے' جہاں اس کے چھوٹے بھائی بایزید اور عبدالحمید اس کی تخت نشینی کے بعد بھی قید رہے۔

مصطفیٰ کی کم از کم چھ کنیزیں رہیں۔ ان کے بطن سے اس کے گیارہ بچے پیدا ہوئے' جن میں دو لڑکے اور نو لڑکیاں تھیں۔ صرف ایک لڑکا اور تین لڑکیاں زندہ رہ سکے باقی شیر خواری ہی میں مر گئے۔ مصطفیٰ کا زندہ رہنے والا بیٹا' مستقبل کا سلطان سلیم سوم 24 ر دسمبر 1761ء کو مہر شاہ کے بطن سے پیدا ہوا۔ وہ جارجیا نژاد کنیز تھی۔ شہزادہ سلیم کی پیدائش پر بہت خوشیاں منائی گئیں۔

## لٹیری عورتیں

سر جیمز پورٹر لکھتا ہے کہ سلطان مصطفیٰ کے تخت نشیں ہونے کے فوری بعد استنبول میں غلے کی قلت ہوگئی اور شہر کی عورتوں نے شاہی گوداموں پر ہلہ بول دیا:

''کوئی طاقت انہیں نہیں روک سکی اور ابھی حکام سوچ ہی رہے تھے کہ کیا کیا جائے' انہوں نے دروازوں کے تالے توڑ دیئے اور جتنا غلہ اٹھا سکتی تھیں اٹھا کر لے گئیں۔ ان لٹیری

عورتوں میں سے کسی کو کبھی سزا نہیں دی جا سکی۔''

سلطان مصطفیٰ نے اپنے اقتدار کے پہلے چار برسوں میں دو شاہی مسجدیں تعمیر کروائیں: اسکودر میں ایازمہ جامعہ اور چوتھی پہاڑی پر لالیلی جامعہ۔ ایازمہ جامع مصطفیٰ کی ماں مہر شاہ سے منسوب کی گئی۔ لالیلی مسجد کو عظیم ترک معمار محمد طاہر آغا نے تعمیر کیا۔

1766ء میں ایک خوفناک زلزلہ آیا جس نے استنبول کی بہت سی اہم عمارتوں کو یا تو برباد کر دیا یا شدید نقصان پہنچایا۔ جامعۂ فاتح تو مکمل طور پر تباہ ہوگئی۔ مصطفیٰ نے فوری طور پر اسی مقام پر نئی مسجد تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ اس مرتبہ مسجد کو بالکل مختلف نقشے کے مطابق تعمیر کیا گیا۔ تعمیر کا کام 1771ء میں ختم ہوا۔

عثمانی سلطنت کے زوال اور ملکہ کیتھرین دی گریٹ کی جارحانہ پالیسی سے پیدا ہونے والے خطرات کے باوجود سلطان نے اپنے درباریوں سمیت کیف و سرور سے بھرپور شبینہ محفلیں برپا کرنا جاری رکھا۔ ہنگری کا ایک افسر بیرن ڈی ٹوٹ لکھتا ہے:

''حرم کا باغ ان تقریبات کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ یہاں اصل اور مصنوعی پھولوں کے ہزاروں گلدان رکھے جاتے ہیں۔ روشنی کے لیے لاتعداد لالٹینیں اور شمعیں روشن کی جاتی ہیں۔ ان کی روشنیاں سامنے رکھے آئینوں پر منعکس ہوتی ہیں، جنہیں اسی غرض سے وہاں رکھا گیا ہوتا ہے۔ حرم کی عورتیں تقریبات کے لیے نہایت زرق برق لباس پہنتی ہیں۔ سلطان تقریب میں اپنی کنیزوں، بہنوں، بھانجی، بھتیجیوں اور عم زادوں کو مدعو کرتا ہے۔ ملبوسات اور جواہرات فروش بھی موجود ہوتے ہیں اور وہ سب ان سے خریداری کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو تحائف دیتے ہیں۔ رات بھر رقص و نغمہ جاری رہتا ہے۔''

## سلطان مصطفیٰ سوم کی وفات

21/جنوری 1774ء کو مصطفیٰ دل کی حرکت بند ہونے سے فوت ہوگیا۔ اس وقت اس کی ستاونویں سالگرہ میں صرف ایک ہفتہ باقی تھا۔ اگلے دن اُسے لالیلی جامع میں دفنا دیا گیا۔ یہ خوبصورت مسجد اس نے چوتھی پہاڑی پر بنوائی تھی۔ شہزادہ بایزید 1771ء میں قفس میں فوت ہوگیا اور جب سلطان مصطفیٰ فوت ہوا تو سلطان احمد سوم کا صرف ایک بیٹا عبدالحمید زندہ تھا، جو اپنے بھائی کے بعد سلطان بنا۔ اس کی جگہ مصطفیٰ سوم کا بیٹا اور اس کا بھتیجا سلیم قفس میں قید کر دیئے گئے۔

## سلطان عبدالحمید اوّل کی تخت نشینی

تخت نشینی کے وقت عبدالحمید کی عمر انچاس برس تھی۔ اس نے 43 برس قفس میں گزارے تھے۔ قید کے دوران وہ ایک بیٹی ذرشہوار کا باپ بنا' جس کی ماں کا نام معلوم نہیں ہوسکا۔ اس کی دس کنیزوں کے نام معلوم ہیں۔ اس کے کل ملا کر چھبیس بچے تھے' جن میں تیرہ لڑکے اور تیرہ لڑکیاں تھیں۔ ان سب میں سے صرف دو لڑکے اور تین لڑکیاں زندہ رہ سکے۔ اس کے دونوں بیٹے آگے چل کر تخت نشین ہوئے۔ ان میں سے مصطفیٰ چہارم 8 راگست 1779ء کو اور دوسرا محمود دوم 20 راگست 1785ء کو پیدا ہوا تھا۔ مصطفیٰ چہارم کی ماں کا نام عائشہ اور محمود دوم کی ماں کا نام نقش دل تھا۔ کہا جاتا ہے کہ نقش دل دراصل فرانس کی ملکہ جوزفین کی کزن تھی اور اس کا نام میری تھا۔ میری کو قزاقوں نے اغوا کرکے استنبول کی غلاموں کی منڈی میں فروخت کردیا' جہاں سے اُسے سلطان عبدالحمید کے حرم میں لے آیا گیا۔ تاہم ہمیں اس حوالے سے کوئی واقعاتی ثبوت دستیاب نہیں ہوا۔

## سلطان عبدالحمید اوّل کا محبت نامہ

سلطان عبدالحمید اپنے دورِ حکومت کے آخری برسوں میں امورِ سلطنت کی نسبت حرم کی لذتوں میں ڈوب گیا تھا۔ وہ اپنی نئی منظورِ نظر کنیز روشاہ کی محبت میں دیوانہ ہوچکا تھا۔ توپ کاپی سرائے میوزیم میں اس کا ایک محبت نامہ محفوظ ہے:

''میری روشاہ! حمید کی جان تم پر نثار ہے۔ کائنات کا مالک ہر شے کا خالق ہے اور کسی انسان کو کبھی ایک خطا کی سزا نہیں دیتا۔ میں تمہارا بندۂ بے دام ہوں۔ تمہارا دل چاہے تو مجھے پیٹو یا قتل کردو۔ میں اپنے آپ کو تمہارے سامنے ہار چکا ہوں۔ میں التجا کرتا ہوں' آج رات آجاؤ۔ میں حلفیہ کہتا ہوں تم میری بیماری اور شاید موت کا سبب بن جاؤ گی۔ میں اپنا چہرہ اور آنکھیں تمہاری پیروں کے تلوؤں سے رگڑتا ہوں اور تم سے التجا کرتا ہوں۔ خدا کی قسم میں اب مزید صبر نہیں کرسکتا۔''

## سلطان عبدالحمید اوّل کی وفات

ایسا لگتا ہے کہ روشاہ کا وصل سلطان عبدالحمید کو بھاری پڑا کیونکہ 6 راپریل 1789ء کی شب اُسے دل کا دورہ پڑا اور اگلی صبح وہ فوت ہوگیا۔ اس وقت اس کی عمر چونسٹھ برس تھی۔ وہ

سلطان سلیمان عالیشان کے بعد سب سے زیادہ طویل عمر پانے والا سلطان تھا۔ اسی روز اس کا بھتیجا سلیم سوم تخت نشیں ہوا۔ اگلے روز سلطان سلیم نے اپنے چچا کی تکفین و تدفین کا اہتمام کیا۔ سلطان عبدالحمید کو سنہری خلیج کے نزدیک دوسری پہاڑی پر اس کے اپنے بنوائے ہوئے مقبرے میں دفنایا گیا۔

## سلطان سلیم سوم کی تخت نشینی

سلیم پہلے ہی سے ایک قابل انسان ہونے کی شہرت کا حامل تھا لہٰذا اس کی تخت نشینی کا پرجوش خیر مقدم کیا گیا۔ اس نے اپنے دورِ حکومت کی ابتداء تعمیری اقدامات سے کی کیونکہ اسے خدشہ لاحق تھا کہ سلطنت فنا کے خطرے سے دوچار ہے۔ سلطان سلیم عثمانی سلطنت کی اصلاح مغربی خطوط پر کرنا چاہتا تھا۔ اس نے کہا تھا: ''میں سوکھی روٹی کھانے کو بھی تیار ہوں' کیونکہ سلطنت ٹوٹ رہی ہے۔'' فرانسیسی سفیر چوائسیول گوفیئر نے اپنے ایک دوست کو خط لکھ کر سلطان سلیم کے عدیم المثال جوش اور ولولے کے بارے میں بتایا: ''پندرہ دنوں کے اندر اندر ساری رعایا پر اس کے جوش اور ولولے کا اثر ہوا ہے اور ہر شخص پُرجوش ہے۔''

سلطان سلیم قفس سے نکلا تو سلطان عبدالحمید کے دو بیٹوں نے اس کی جگہ لے لی' مصطفیٰ اس وقت تقریباً دس سال کا تھا جبکہ محمود کی عمر تقریباً چار سال تھی۔ سلطان سلیم نے ممکن حد تک ان کی قید کو آرام دہ بنوا دیا اور ان کی تعلیم کا بھی بندوبست کروایا' بالکل اُسی طرح جس طرح مرحوم سلطان عبدالحمید نے اس کی قید کے دوران اس کے ساتھ برتاؤ کیا تھا۔

تخت نشینی کے وقت سلطان سلیم سوم کی عمر ستائیس برس تھی۔ اس نے قفس میں پندرہ سال گزارے تھے۔ اس کا حرم آٹھ کنیزوں پر مشتمل تھا تاہم وہ اولاد سے محروم رہا۔ سلیم کی ماں کو اس کے خاوند سلطان مصطفیٰ سوم کی وفات کے بعد پرانے محل بھجوا دیا گیا تھا۔ اب وہ توپ کاپی سرائے میں واپس آ گئی۔ سلیم نے اس کی رہائش کے لیے وسیع وعریض اور پرتعیش اقامت گاہ بنوا دی۔ اس نے اپنے لیے بھی نئے اقامتی کمرے تعمیر کروائے۔ مہر شاہ نے بعد ازاں ایوب میں ایک وسیع وعریض ''کلیہ'' تعمیر کروایا۔ یہاں اس نے اپنا مقبرہ بھی تعمیر کروایا' جہاں وہ 1805ء میں موت کے بعد دفن ہوئی۔

سلطان سلیم کو اپنی تین بہنوں شاہ سلطان' بیہان اور خدیجہ سے کافی انسیت تھی۔ ان تینوں کی شادیاں پاشاؤں سے ہوئی تھیں۔ سب سے بڑی بہن شاہ سلطان کی شادی اس کی

عین جوانی میں دو وزرائے اعظم کے ساتھ ہونا قرار پائی مگر شادی سے پہلے ہی دونوں کو سزائے موت دے دی گئی۔ سلطان سلیم کا دربار ترک معاشرے میں یورپی' خصوصاً عثمانی سلطنت کے قدیم ترین اتحادی فرانسیسی کلچر کو متعارف کروانے کا مرکز بن گیا۔ ڈیلاوے اپنی کتاب Constantinople, Ancient and Modern میں لکھتا ہے:

''اس کی وضع قطع دلکش اور متاثر کن تھی۔ وہ بہت ذہین تھا۔ وہ اپنی رعایا کو یورپ کی اعلیٰ اقدار سے روشناس کروانا چاہتا تھا۔ میں نے سنا ہے کہ اب اس کے حکم پر حرم سرا میں نوجوانوں کو فرانسیسی زبان سکھائی جارہی ہے۔ فرانسیسی شراب سے اس کی پسندیدگی تو کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔''

سلطان سلیم نے رقص سکھانے والے ایک فرانسیسی استاد اور چند موسیقاروں کو حرم کے بیرونی حصے میں جانے کی اجازت دی تاکہ وہ ان کنیزوں کو تربیت دیں جو مختلف تقریبات میں اس کے اور اس کی عورتوں کے لیے تفریح طبع کا سامان کرتی تھیں۔ سلیم خود بھی اپنی عورتوں کو بانسری بجا کر سنایا کرتا تھا۔ وہ بانسری بجانے کا ماہر تھا اور نت نئی دھنیں بنانے کے ہنر سے واقف تھا۔

## عورت بازار

سلیم سوم کے دور میں توپ کاپی سرائے میں لائی گئیں عورتیں استنبول کی غلاموں کی منڈی سے خریدی گئی تھیں۔ اس کو ''عورت بازار'' کہا جاتا تھا' جو کہ ساتویں پہاڑی پر واقع تھا۔ سلیم سوم کی والدہ مہر شاہ کو بھی یہیں سے خرید کر مصطفیٰ سوم کے حرم میں لایا گیا تھا۔ ڈیلاوے اپنی کتاب Constantinople, Ancient and Modern میں اپنے زمانے کے ''عورت بازار'' کا حال یوں لکھتا ہے:

> ''حرم سرا کی زیادہ تر عورتیں جارجیائی یا سرکیشائی تھیں' جنہیں عورت بازار سے خریدا گیا تھا۔ ہم بآسانی کہہ سکتے ہیں کہ اس سے زیادہ خوبصورت عورتوں کا اجتماع کسی اور جگہ نہیں ہوتا۔ عورت بازار ایک ہال پر مشتمل ہے جس کے اردگرد چھوٹے چھوٹے کمرے بنے ہوئے ہیں۔ یہاں مصر' جارجیا اور سرکیشیا سے عورتیں لائی جاتی ہیں۔ ترک عورتیں جو معمولی کام خود کرنا پسند نہیں کرتیں ان کے لیے یہاں سے عورتیں خریدی جاتی ہیں اور ان کی قیمت چالیس برطانوی پونڈ تک ہوتی ہے۔

حسین وجمیل عورتوں کو عمدہ ترین لباس پہنا کر اور سجا سنوار کر بٹھایا جاتا ہے۔ جنہیں حرم سرا کے لیے منتخب کرلیا جاتا ہے انہیں بہت خوش نصیب تصور کیا جاتا ہے۔''

ڈیلاوے بتاتا ہے کہ توپ کاپی سرائے کے حرم کے لیے خریدنے کے بعد ان لڑکیوں کو تعلیم وتربیت دی جاتی ہے۔

''انہیں تعلیم دی جاتی ہے' رقص سکھایا جاتا ہے' گانا گانا' طنبورہ اور ستار بجانا سکھایا جاتا ہے اور سلائی کڑھائی سکھائی جاتی ہے۔ یہ سب کام بوڑھی عورتیں سکھاتی ہیں۔ سلطان سلیم نے بعض یونانی عورتوں کو بھی تفویض کیا ہے کہ وہ ان کنیزوں کو یورپی ساز بجانے سکھائیں ......حرم کی عورتیں ایک دن میں کئی کئی مرتبہ اتنے قیمتی لباس تبدیل کرتی ہیں کہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ بعض اوقات انہیں سمندر کے قریب واقع کوشکوں میں جانے کی اجازت دے دی جاتی ہے۔ ایسے مواقع پر فوجی جہازوں کو منع کردیتے ہیں کہ وہ حرم سرا کے قریب سمندر میں سے مت گزریں بلکہ دور سے گزریں۔ ہر موسمِ گرما میں سلطان اپنے حرم کے ساتھ مختلف محلات میں مقیم ہوتا ہے۔ وہ جس محل میں ٹھہرا ہوتا ہے' اس کے چار پانچ میل دور دور تک خوفناک بوستانجی متعین کردیئے جاتے ہیں اور ہر مرد کا داخلہ بالکل ممنوع کردیا جاتا ہے۔ سلطان کے حرم کی عورتوں کی تفریحِ طبع کے رقص' مزاح اور پتلی تماشے صرف عورتیں ہی پیش کرتی ہیں۔ تاجروں کی عورتیں انہیں یورپ سے لایا ہوا مال لا کر دکھاتی ہیں۔ محل کے حوالے سے میں نے بھی ساری معلومات اسی طرح اکٹھی کی ہیں۔''

سلطان سلیم توپ کاپی سرائے کے باغات میں اکثر تقریبات منعقد کیا کرتا تھا۔ سلطان کے ذاتی معتمد (Private Secretary) احمد واصف آفندی نے اپنی ڈائری میں لکھا ہے: 5 رجون 1791ء کو سلطان نے پہلوانی کا ایک مقابلہ اور ایک سرکس دیکھی۔ سرکس میں تین شیر' ایک چیتا اور بہت سے کتے اور مرغ شامل تھے۔ یہ تماشے دیکھنے کے بعد سلطان سلیم یالی کوشک یعنی ساحلی محل چلا گیا' جہاں اس نے کھانا کھایا اور نماز پڑھی۔ سلطان کے معتمد کی ڈائری میں 15 راپریل 1797ء کا احوال درج ہے کہ سلطان سلیم نے محل کے باغات میں ''محفل گلِ لالہ'' منعقد کی۔ یہ اپنی طرز کی آخری محفل تھی۔

سلطان سلیم اپنے پیشرؤوں کی نسبت کہیں زیادہ چست تھا اور اکثر محل کے باغات میں اپنے غلام لڑکوں کے ساتھ ''جیریت'' کھیلا کرتا تھا۔ جب وہ زیادہ عمر کا ہوگیا تو شہزادہ محمود

بھی اس کے کھیلوں میں شریک ہونے لگا۔

یورپین اشیاء میں دلچسپی کی وجہ سے سلطان سلیم نے محل اور اس کے اردگرد واقع باغات کو مغربی طرز پر ڈھال دیا۔ سلطان سلیم نے آسٹریا کے شاہی باغباں کے بھائی جیکب اینسل کو 1792ء میں استنبول بلایا اور وہ دس سال یہیں رہا۔ انیسل نے ''گرمائی حرم'' کے اردگرد نئے باغات لگائے۔ ''گرمائی حرم' توپ کاپی سرائے پوائنٹ کے بحیرۂ مرمر والے رخ پر کوشکوں اور بارہ دریوں کا ایک مجموعہ تھا۔ سلطان سلیم نے اینسل کے لیے باغ ہی میں ایک محل بنوا دیا تھا' وہ اکثر وہاں مہمانوں کو مدعو کرتا اور اگر سلطان کی عورتیں ''گرمائی حرم'' میں نہیں ہوتیں تو انہیں اس کی اور توپ کاپی سرائے کے مختلف حصوں کی سیر کرواتا تھا۔ اینسل کے ایسے مہمانوں میں ایڈورڈ ڈینیئل کلارک بھی شامل تھا۔ وہ اپنی پہلی سیر کا احوال لکھتے ہوئے بتاتا ہے کہ اینسل کے دو دوستوں نے والدۂ سلطان اور اس کی چار بیویوں کی ایک جھلک کس طرح دیکھی۔

کلارک اور اس کے ایک دوست نے توپ کاپی سرائے کی ایک طویل سیر رمضان کے مقدس مہینے میں کی تھی۔ اینسل نے انہیں بتایا تھا کہ محل کے محافظ رات بھر جاگتے رہتے ہیں اور دن میں سوئے ہوتے ہیں۔ وہ لوگ حرم سرا کے اندرونی کمروں تک پہنچ گئے۔ انہوں نے سلطان کے اقامتی کمرے دیکھے۔ سلطان بحیرۂ باسفورس کے کنارے واقع اپنے ایک محل میں طویل عرصے قیام کے لیے چلا گیا تھا جبکہ اس کی اشیاء کمروں میں ہنوز بکھری پڑی تھیں۔

''میں صوفوں پر بے احتیاطی سے پڑی چیزوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ ان میں ایک برطانوی رائٹنگ باکس تھا' جو وارنش شدہ سیاہ لکڑی سے بنایا گیا تھا۔ اس میں درازیں بنی ہوئی تھیں جن میں لکھنے کے رنگین کاغذ' پنسلیں' خوشبودار گوند اور ساٹن کی تھیلیاں رکھی تھیں جن میں سلطان کے نامے رکھے جاتے تھے' جنہیں سیاہ فام گونگے اور آختہ غلام متعلقہ افراد تک پہنچایا کرتے تھے۔ یہ امر واضح تھا کہ اس خلوت گاہ میں شراب پی جاتی ہے کیونکہ ہمیں قینچی سے نہایت صفائی سے کاٹے گئے لیبل نظر آئے جن پر ترکی زبان میں عبارت لکھی ہوئی تھی' ان کے علاوہ ''روزولیو' سنہرا پانی اور ''آبِ حیات'' لکھا ہوا تھا۔''

## ینی چریوں کی بغاوت اور سلطان سلیم سوم کی معزولی

سلطان سلیم نے سلطنت' خصوصاً مسلح افواج کی اصلاح کی کوششیں جاری رکھیں۔

اس نے نظامی کیڈٹ کے نام سے ایک نئی پیادہ فوج بنائی۔ اس کے قیام سے ینی چریوں اور سپاہیوں میں کافی تلخی پیدا ہوگئی۔ وہ سلطان سلیم کی نئی فوج کو اپنے وجود کے لیے ایک خطرہ تصور کرتے تھے۔ 28 مئی 1807ء کو ینی چریوں نے قبابجی مصطفیٰ آغا کی قیادت میں بغاوت کردی۔ مدرسوں کے طلباء بھی ان کے ساتھ شامل ہوگئے۔ اگلی صبح باغیوں نے شیخ الاسلام عطاء اللہ آفندی سے فتویٰ حاصل کرلیا' جس میں سلطان سلیم کی معزولی کو جائز قرار دیا گیا تھا۔ اس کے بعد وہ ''سلطان مصطفیٰ'' کی حمایت میں نعرے لگاتے ہوئے توپ کاپی سرائے کی طرف بڑھنے لگے۔ باغیوں نے سلطان کے معتمد احمد بے کو قتل کردیا اور اس کا سر کاٹ کر سلطان سلیم کو بھجوا دیا۔ سلطان اتنا خوفزدہ ہوا کہ جاں بخشی کے عوض تخت سے دستبردار ہونے پر فوراً آمادہ ہوگیا۔ اس نے اپنے عم زاد مصطفیٰ کو قفس سے نکلوایا اور اسے تخت نشیں ہونے کی پیشکش کی۔ حالانکہ مصطفیٰ ذہنی طور پر اس قدر معذور تھا کہ حکومت کرنے کے قابل نہیں تھا۔ کچھ ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کرنے کے بعد مصطفیٰ راضی ہوگیا۔ اس کے بعد سلطان سلیم شہزادہ محمود کے ساتھ قفس میں بند ہوگیا۔

## سلطان مصطفیٰ چہارم کی تخت نشینی

نیا سلطان مصطفیٰ چہارم 29 مئی 1807ء کو ''بابِ سعادت'' کے باہر تخت نشیں ہوا جبکہ باغی اسے مبارکباد اور طویل عمر کی دعائیں دیتے ہوئے صحن میں جمع تھے۔ تخت نشینی کے وقت سلطان مصطفیٰ بن سلطان عبدالحمید اول کی عمر تقریباً اٹھائیس برس تھی۔ اس نے اپنی زندگی کے اٹھارہ برس قفس میں گزارے تھے۔ اس کی ماں عائشہ بھی پرانے محل سے توپ کاپی سرائے میں آگئی۔ نئے سلطان کے حرم میں چار کنیزیں تھیں۔ ان کے بطن سے اس کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ دونوں بچے شیر خواری ہی میں فوت ہوگئے۔

سلطان سلیم کے قفس میں جانے اور سلطان مصطفیٰ کی تخت نشینی کے بعد اقتدار عطاء اللہ آفندی اور نائب وزیراعظم کوزے موسیٰ پاشا کے ہاتھ میں آگیا۔ انہوں نے سابقہ سلطان کے وفاداروں اور اپنے مخالفوں کو فی الفور قتل کروا دیا۔ ان میں سب سے اہم شخص وزیراعظم ابراہیم حلمی پاشا تھا' جسے قتل کرکے اس کی جگہ چلیپی مصطفیٰ پاشا کو وزیراعظم بنا دیا گیا۔ نئے حاکموں کے مخالفین فوجی بیرکتار مصطفیٰ پاشا کی قیادت میں دریائے ڈینیوب کے کنارے واقع رسچوک چلے گئے۔

ادھر کوزے مصطفیٰ پاشا اور عطاء اللہ آفندی میں اقتدار کی کشمکش شروع ہوگئی۔ اس کے نتیجے میں توازنِ طاقت قباکچی مصطفیٰ پاشا کے حق میں ہوگیا' جس نے استنبول میں ظلم و ستم کا بازار گرم کردیا۔ تب دریائے ڈینیوب والے باغیوں نے سلطان مصطفیٰ کو معزول کرنے کے خفیہ منصوبے پر عمل شروع کردیا۔ اس منصوبے کو خفیہ اس لیے رکھا گیا تھا تا کہ سلطان مصطفیٰ معزول سلطان سلیم کو قتل نہ کروا دے۔ بیرکتار پہلے اپنی فوج کو ایڈرین لایا اور پھر استنبول پہنچ گیا۔ وہ 18 رجولائی 1808ء کو استنبول کی فصیل کے باہر پہنچا تھا۔ اس کے بعد وہ آٹھ دن تک سلطان سلیم کو آزاد کروانے اور اسے تخت نشین کرنے کے لیے خفیہ تدابیر کرتے رہے۔ 27 رجولائی کی صبح وزیراعظم چلیپی مصطفیٰ کو سازش کا پتہ چل گیا اور اس نے سلطان کو خبردار کردیا۔ مگر سلطان نے اس کی اطلاع کو سنجیدگی سے نہیں لیا اور کوئی اقدام نہیں کیا۔ تب چلیپی مصطفیٰ نے معزول سلطان سلیم کو قتل کروانے کا فیصلہ کرلیا اور جب بیرکتار کو ایک مخبر نے اس کی اطلاع دی تو اس نے اگلی صبح استنبول میں فوج لے کر داخل ہونے کا فیصلہ کرلیا۔

اگلی صبح بیرکتار فوج لے کر توپ کاپی سرائے کے دوسرے صحن میں داخل ہوگیا۔ یہاں سے اس نے شیخ الاسلام کو اندرونی محل بھیجا تا کہ وہ سلطان مصطفیٰ کو تخت سے دستبردار ہونے اور معزول سلطان سلیم کو رہا کرنے کے لیے قائل کرے تاہم سلطان مصطفیٰ نہ مانا اور اس نے بابِ سعادت کو مقفل کروا دیا۔ جب بیرکتار اندرونی محل میں داخل ہونے کے لیے فوج کو احکامات دے رہا تھا' سلطان مصطفیٰ نے سیاہ فام خواجہ سراؤں کے سربراہ اور اس کے ماتحتوں کو بھیجا کہ وہ سلیم اور محمود کو قتل کردیں' جس کے بعد صرف وہی عثمانی شاہی خاندان کا واحد زندہ مرد رہ جاتا۔

اس وقت سلیم حرم سرا کے راگ محل میں تھا۔ (اسے اجازت دی گئی تھی کہ وہ قفس سے کچھ وقت کے لیے نکل کر نَے نوازی کرسکے)۔ حرم سرا کی بہت سی عورتیں اس کی بانسری کی دھنیں سن رہی تھیں۔ اچانک سیاہ فام خواجہ سراؤں کا سربراہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ داخل ہوا اور وہ اس پر حملہ آور ہوگئے۔ سلیم کافی دیر تک ان سے لڑتا رہا۔ بالآخر وہ اس پر غالب آگئے اور اسے قتل کردیا۔ اس کے بعد اس کی لاش کو دوسرے صحن میں پھینک دیا گیا۔ سلیم کی لاش دیکھ کر بیرکتار وقتی طور پر سوگوار ہوگیا تاہم اس نے خود کو سنبھالا اور اندرونی محل پر یلغار کردی۔ وہ اندرونی محل میں داخل ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ مصطفیٰ کو گرفتار کرلیا گیا۔ اس کے بعد بیرکتار نے شہزادہ محمود کو ڈھونڈنے کے لیے اپنے آدمی بھیجے۔

شہزادہ محمود کی جان اس طرح بچی تھی کہ جب سیاہ فام خواجہ سراؤں کا سربراہ اپنے ساتھیوں سمیت شہزادہ محمود کو قتل کرنے پہنچا تو شہزادے کی ایک خادمہ جیوری کلفا نے ان کی آنکھوں میں گرم گرم راکھ جھونک دی تھی اور شہزادہ بھاگ کر حرم کی چھت پر چھپ گیا تھا۔ اس کے بعد وہ موقع دیکھ کر نیچے اترا اور ایک خالی کمرے میں چھپ گیا۔ میکفارلین نے اس کی ڈرامائی برآمدگی کا احوال رقم کیا ہے:

''طویل اور مضطربانہ تلاش کے بعد آخرکار حرم سرا کے دور افتادہ تاریک گوشے میں قالینوں اور دریوں کے ڈھیر کے نیچے دریافت کرلیا گیا۔ وہ لرزتا کپکپاتا اور نیم مردہ باہر نکلا۔ اسے بڑی مشکل سے قائل کیا گیا کہ آنے والے اسے قتل کرنے نہیں بلکہ تخت نشیں کرنے کے لیے آئے ہیں۔''

## سلطان مصطفیٰ چہارم کی معزولی اور سلطان محمود دوم کی تخت نشینی

بیرکتار نے شیخ الاسلام سے سلطان مصطفیٰ کو معزول کرنے کا فتویٰ کیا۔ مصطفیٰ کو دوبارہ قفس میں قید کردیا گیا۔ 28 / جولائی 1808ء کو اس کا بھائی سلطان محمود دوم تخت نشیں ہوا۔ اس سے اگلے روز مقتول سلطان سلیم کو جامعۂ لالیلی میں اس کے باپ مصطفیٰ سوم کے پہلو میں دفن کردیا گیا۔ آج سلطان سلیم کو اس کی اصلاح کی کوششوں کے علاوہ اس کی موسیقی اور شاعری کے حوالے سے یاد کیا جاتا ہے۔ جب ترک اس کے اور اس کے دورِ حکومت کے حوالے سے بات کرتے ہیں تو وہ ''الہامی'' کے قلمی نام سے لکھی گئیں اس کی غزلوں میں سے ایک قطعہ سناتے ہیں:

اے الہامی! آرام طلب نہ بن اور دنیاوی
اشیاء پر بھروسہ مت کر
زمانہ کسی کے لیے نہیں رکتا اور اس
کی گردش کبھی نہیں تھمتی

سلطان سلیم کی بنائی ہوئی کچھ دھنیں آج بھی ریڈیو استنبول سے سنی جاسکتی ہیں، جن میں وہ دھن بھی شامل ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی موت کے وقت بجا رہا تھا۔

## تیرہواں باب

# ایک مبارک واقعہ

## حرم سرا کے دروازے پر خونریزی

سلطان محمود تخت نشینی کے وقت 23 برس کا تھا۔ اس نے انیس برس قفس میں گزارے تھے۔ اُسے چار سال کی عمر میں قفس میں قید کر دیا گیا تھا' تاہم اس نے پہلے زمانوں میں قید ہونے والے شہزادوں سے کہیں زیادہ ''آزادانہ قید'' کے مزے چکھے تھے۔ سلطان کی حیثیت سے محمود کا پہلا اقدام بیرکتار مصطفیٰ پاشا کو اپنا وزیراعظم مقرر کرنا تھا۔ وزیراعظم بنتے ہی بیرکتار نے سلطان سلیم کو معزول اور قتل کرنے کے ذمہ دار تمام افراد کو موت کے گھاٹ اتارنے کے احکامات جاری کیے۔ بیرکتار تو معزول سلطان مصطفیٰ چہارم کو بھی ہلاک کروانا چاہتا تھا مگر اس کے بھائی سلطان محمود نے اس کی جان بچالی اور قفس میں قید رہنے دیا۔ چارلس میکفارلین نے خونریزی کی تفصیلات لکھی ہیں:

''جس روز سلطان محمود تخت نشین ہوا حرم سرا کے دروازے پر تیس آدمیوں کے سر قلم کیے گئے جن میں سیاہ فام خواجہ سراؤں کا سربراہ بھی تھا۔ اس کا کٹا ہوا سر چاندی کے ایک طشت میں رکھ کر سلطان کو دکھایا گیا۔ دیگر افراد کو گلے دبا کر مارا گیا اور بحیرۂ باسفورس میں پھینک دیا گیا۔ سلطان سلیم کی موت پر خوشی کا اظہار کرنے والی حرم سرا کی عورتوں کو بوریوں میں زندہ بند کر کے بحیرۂ باسفورس میں ڈبو دیا گیا۔''

اس کے بعد بیرکتار نے سلطان سلیم سوم کے اصلاحی اقدامات پر عملدرآمد دوبارہ شروع کروایا۔ سلطان محمود دوم بھی اصلاحی کوششوں کا حامی تھا اور اس سلسلے میں اس نے بیرکتار کی بھرپور حمایت کی۔ اس نے ''نظامی کیڈٹ'' کے باقی ماندہ فوجیوں کو اکٹھا کیا اور ان کی تعداد میں مزید اضافہ کیا۔ ''سیبانی کیڈٹ'' کے نام سے نئی فوج بھی قائم کی گئی جس کے لیے

اناطولیہ کے جنگجو سرداروں نے فوجی مہیا کیے۔

بیر کتار نے علماء اور ینی چریوں کی اصلاح کرنے کی بھی کوشش کی۔ تاہم اس کے آمرانہ رویے سے ان کی بڑھتی ہوئی آزردگی واشتعال کو ہوا ملی۔ وزیراعظم کے تکبر کی وجہ سے اس کے بہت سے دشمن پیدا ہو گئے تھے اور جب اس نے اپنی کچھ فوج رپچوک بھیجی تو انہیں اس کے خلاف اقدامات کرنے کا موقع مل گیا۔

## ینی چریوں کی بغاوت

14 نومبر 1808ء کو بغاوت برپا ہو گئی۔ اس روز ''سیبانی کیڈٹ'' پہلی بار عام طور پر سامنے آئے تھے۔ ینی چریوں نے ان کے سامنے آنے کے بعد بغاوت کر دی۔ انہیں اس افواہ نے بغاوت پر اُکسایا تھا کہ بیر کتار ینی چریوں کی فوج کو سرے سے ختم کرنا چاہتا ہے۔ باغیوں نے توپ کاپی سرائے پر حملہ کر دیا مگر نئی فوج کے سپاہیوں ''سیبان'' نے انہیں پسپا کر دیا۔ اگلے روز باغی وزیراعظم کے محل میں گھسنے میں کامیاب ہو گئے۔ وزیراعظم اور اس کے محافظ ایک بارود خانے میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ باغیوں نے بارود خانے کو آگ لگا دی۔ بیر کتار اور اس کے تمام محافظ جل کر مر گئے۔ دھماکوں اور آگ کے پھیلنے سے سینکڑوں ینی چری بھی مارے گئے۔ اس کے بعد خانہ جنگی چھڑ گئی۔ شہر کے ہنرمند اور بے روزگار محنت کش بھی ینی چریوں کے ساتھ مل گئے۔ انہوں نے توپ کاپی سرائے کا محاصرہ کر لیا اور محل کو پانی کی فراہمی روک دی۔ عثمانی بحری بیڑہ سلطان کا وفادار تھا لہٰذا جب بحری فوجیوں نے باغیوں پر نیز بایزید میں ینی چریوں کی بیرکوں پر گولے برسانے شروع کر دیئے۔ اس دوران علماء نے مدرسوں کے طلباء کو بھی باغیوں کا ساتھ دینے پر اکسایا اور انہوں نے عمارتوں کو آگ لگانی شروع کر دی جس سے پہلی پہاڑی سے لے کر تیسری پہاڑی تک کا سارا علاقہ شعلوں کی لپیٹ میں آ گیا۔ ادھر باغیوں اور سلطان کے وفادار فوجیوں کے مابین جنگ میں ہونے والی گولہ باری سے لڑنے والوں کے علاوہ ہزاروں شہری بھی مارے گئے اور استنبول ایک دہکتے ہوئے جہنم میں تبدیل ہو گیا۔

جب سلطان کے وفادار فوجی پسپا ہو کر توپ کاپی سرائے کی فصیل کے پیچھے چلے گئے تو باغی معزول سلطان مصطفیٰ کی بحالی کے نعرے لگاتے ہوئے دوبارہ توپ کاپی سرائے پر حملہ آور ہو گئے۔ اس پر سلطان محمود نے اپنے بھائی مصطفیٰ کو قتل کروانے کا فیصلہ کیا لہٰذا مصطفیٰ کو 16 نومبر 1808ء کو گلا گھونٹ کر ہلاک کر دیا گیا۔ موت کے وقت مصطفیٰ کی عمر 29 برس

تھی۔ اس نے اپنی زندگی کے اٹھارہ سے زیادہ برس قفس میں گزارے تھے۔ اس کی موت کے بعد بغاوت فرو ہوگئی۔ باغیوں نے بیر کتار مصطفیٰ پاشا کی لاش کو رتھوں کی دوڑ والے میدان میں روند کر اپنا غصہ ٹھنڈا کیا اور اگلے روز جنگ بندی پر رضامند ہو گئے۔ اسی روز مصطفیٰ کو اس کے باپ سلطان عبدالحمید اول کے پہلو میں خاموشی سے دفنا دیا گیا۔ مقبرے کے اردگرد واقع گھر اس وقت بھی سلگ رہے تھے کیونکہ آگ نے شہر کے بہت بڑے حصے کو برباد کر دیا تھا۔

جنگ بندی کے معاہدے کے تحت سپاہی کیڈٹ فوج کو توڑ دیا گیا۔ توپ کاپی سرائے میں متعین سپاہیوں کو بحفاظت اپنے اپنے گھروں کو لوٹنے کا موقع دینے کا وعدہ کیا گیا تھا، مگر جب وہ محل سے نکلے تو ہجوم نے انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ہجوم نے سلطان محمود کی اصلاحات کی حمایت کرنے والے بے شمار معززین کو بھی ہلاک کر دیا۔

یوں سلطان محمود اپنا تخت اور زندگی بچانے میں کامیاب ہوا، تاہم اب اسے اس حقیقت کا ادراک ہوگیا تھا کہ نئی فوج بنانے سے پہلے پرانی فوج سے چھٹکارا پانا ہوگا۔ اس نے ہر قیمت پر ینی چریوں کو مٹانے کا تہیہ کرلیا۔ سلطان محمود نے اس دوران اپنی راہ میں آنے والے ہر فرد کا بے دردی سے خاتمہ کروا دیا۔ سپاہی کیڈٹ کے توپخانے کے کچھ دستے بچ گئے جنہیں سلطان محمود نے دوبارہ منظم کیا اور خوب ترقی دی۔ جلد ہی اس نے اپنے وفادار پندرہ ہزار افراد کی ایک مؤثر فوج تیار کر لی۔

4 رجولائی 1810ء کو برطانوی سفیر رابرٹ ایڈیئر کو دو برطانوی سیاحوں لارڈ بائرن اور لارڈ جان کے ہمراہ سلطان محمود سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ لارڈ جان لکھتا ہے:

''سلطان محمود تخت پر پاؤں لٹکائے بیٹھا تھا۔ اس نے زردساٹن کا لبادہ پہنا ہوا تھا۔ اس کی تلوار کی نیام پر ہیرے جڑے ہوئے تھے۔ اس کی سفید اور نیلی پگڑی کے سامنے والے حصے پر بھی ہیرے جڑے ہوئے تھے۔ وہ دونوں گھٹنوں پر ہاتھ رکھے بے حرکت بیٹھا رہا۔ اس نے گفتگو کے دوران سر کو بھی جنبش نہیں دی بلکہ صرف آنکھیں گھما گھما کر دیکھتا رہا۔ اس نے سفیر سمیت کسی پر بھی ایک لمحے کے لیے نظریں نہیں جمائیں۔ کبھی کبھی وہ نہایت سفید ہاتھ سے اپنی ڈاڑھی کو چھوتا تھا۔ اس دوران اس کی متعدد ہیرے کی انگوٹھیاں چمکتی تھیں۔ اس کی بھنویں، آنکھیں اور ڈاڑھی کے بال بالکل سیاہ تھے۔ اس کے چہرے کی رنگت زرد تھی۔ اس کا سراپا مشفقانہ اثر کا حامل تھا، تاہم بارعب اور باوقار تھا۔ وہ تیس سال عمر کا دکھائی دیتا تھا۔ شاید وہ اپنی اصل عمر سے زیادہ لگتا ہے۔ (وہ اس وقت 25 برس کا تھا)۔''

اب سلطان محمود عثمانی خاندان کا واحد زندہ مرد تھا اور اگر اسے اپنے خاندان کی حکمرانی کو قائم رکھنا تھا تو یہ امر لازم تھا کہ وہ اپنے تخت کے وارث کا باپ بنے۔ اس کی کنیز فاطمہ حاملہ تھی اور جب پیدائش کا وقت آیا تو بڑی توقعات وابستہ تھیں کہ بیٹا پیدا ہوگا مگر جب 4 رفروری 1809ء کو پیدائش عمل میں آئی تو وہ لڑکی تھی۔ وہ لڑکی بیس سال کے عرصے میں توپ کاپی سرائے میں جنم لینے والا پہلا بچہ تھی۔ بچی 5 راگست 1809ء کو فوت ہوگئی' تاہم اگلے روز سلطان محمود کی ایک اور کنیز نے اس کی بیٹی کو جنم دیا۔ یہ بچی بھی اگلے برس فوت ہوگئی۔ سلطان محمود کی اٹھارہ کنیزوں نے اس کے کل نو بیٹوں اور سترہ بیٹیوں کو جنم دیا۔ ان میں سے صرف دو لڑکے اور چار لڑکیاں زندہ بچے۔ زندہ بچنے والے اس کے دو بیٹے مستقبل کے سلطان عبدالمجید اول اور عبدالعزیز تھے۔ عبدالمجید بزم عالم کے بطن سے 23 راپریل 1823ء کو اور عبدالعزیز پرتو نیل کے بطن سے 9 رفروری 1830ء کو پیدا ہوا تھا۔ سلطان محمود اپنے دونوں بیٹوں سے بہت پیار کرتا تھا۔ سلطان محمود اپنے دور حکومت کے اوائل ہی سے اپنی افواج خصوصاً ینی چریوں کی تشکیل نو کے لیے کوشاں تھا۔ بالآخر ینی چری افسر بھی اس کے ساتھ تعاون کرنے پر راضی ہوگئے۔ تاہم بہت سے ینی چری افسر خفیہ طور پر اس کے خلاف بغاوت کی سازش تیار کررہے تھے۔ سلطان محمود کو سازش کی سن گن مل گئی اور اس کے ایجنٹوں نے بعض باغی ینی چری افسروں کو قتل کردیا۔

## ینی چریوں کا قتل عام

14 رجون 1826ء کو ینی چریوں نے بایزید میں اپنے لیے کھانے پکانے کے لیے استعمال ہونے والے کڑھاؤ الٹ کر بغاوت کا اعلان کردیا۔ کہا جاتا ہے کہ ینی چریوں کا اپنے برتن الٹ دینا بغاوت کا روایتی اعلان تھا۔ اگلے دن ہزاروں ہنرمند اور بے روزگار محنت کش اور بے کار لوگ ان میں شامل ہوگئے۔ ینی چریوں اور ان کے ساتھیوں نے وزیراعظم سلیم پاشا کے محل کا گھیراؤ کرلیا۔ اس وقت سلطان محمود بیشکتاش میں اپنے کوشک میں کمانداروں کے ساتھ اجلاس کررہا تھا۔ اسے بغاوت کی اطلاع ملی تو اس نے اپنے توپخانے اور پیادہ فوج کو حملہ کرنے کا حکم دیا۔ وہ خود توپ کاپی سرائے چلا گیا۔ اس نے قرآن لیا اور علماء اور اپنے وزراء کے جلوس کے ساتھ مسجدِ سلطان احمد پہنچا۔ جہاں مفتی نے ینی چریوں کی فوج کو توڑنے اور انہیں فنا کردینے کا فتویٰ جاری کیا۔

سلطان محمود نے باغیوں کو الٹی میٹم دیا اور کہا اگر وہ فوری طور پر ہتھیار ڈال دیں تو ان کی جان بخشی ہوسکتی ہے۔ جب انہوں نے اس الٹی میٹم کو ٹھکرا دیا' جیسا کہ اسے علم تھا کہ وہ

بھی کریں گے تو اس نے اپنی افواج کو بے رحمانہ حملے کا حکم دیا۔ اس کی پیادہ فوج شہر کی تنگ گلیوں سے گزرتی ہوئی ینی چریوں کے ہیڈکوارٹر پہنچ گئی جہاں تمام باغی ایک میدان میں جمع تھے۔ جب ینی چریوں نے دیکھا کہ وہ گھر گئے ہیں تو انہوں نے ایک گلی میں محمود کے فوجیوں پر حملہ کرنے کی کوشش کی۔ محمود کے فوجی توپیں ساتھ لائے تھے۔ اس کے ایک افسر ابراہیم نے جسے ''سیاہ جہنم'' کہا جاتا تھا' توپوں سے گولہ باری شروع کروا دی۔ حملہ آور ینی چری پسپا ہو گئے اور واپس میدان میں چلے گئے' جہاں سلطان محمود کے فوجیوں نے انہیں فنا کر کے رکھ دیا۔

سلطان محمود نے ینی چریوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے احکامات جاری کر دیئے حتیٰ کہ جو ینی چری ریٹائر ہو چکے تھے انہیں بھی گھروں سے نکال نکال کر ہلاک کر دیا گیا۔ کچھ ینی چریوں نے شہر کے شمال میں بلغراد جنگل میں پناہ لی۔ سلطان محمود نے جنگل کو آگ لگوا دی' جب ینی چری آگ سے بچنے کے لیے باہر نکلے تو انہیں جنگلی جانوروں کی طرح گولیوں سے بھون دیا گیا۔ برطانوی سفیر جسٹر ٹینورڈ کیننگ نے 22 رجون کو لکھے گئے خط میں بتایا ہے کہ جب وہ توپ کاپی سرائے گیا تو اس نے دیکھا ''حرم سرا کے باہر ساحل پر سلطان کے اقامتی کمروں کی کھڑکیوں کے نیچے لاشیں ہی لاشیں پڑی تھیں اور سمندر بھی لاشوں سے پٹا پڑا تھا' جن میں سے اکثر کو کتوں نے چیرا پھاڑا ہوا تھا۔''

16 رجون 1826ء کو شاہی کونسل کا اجلاس ہوا اور ینی چریوں کی فوج کو باقاعدہ طور پر ختم کرنے کا فرمان جاری کیا گیا۔ سلطان محمود نے فوراً اس فرمان کی توثیق کر دی اور جمعے کی نماز کے وقت استنبول کی تمام مساجد میں اس فرمان کو پڑھ کر سنایا گیا۔ یوں ینی چریوں کا خاتمہ ہو گیا اور اس کو ''مبارک واقعے'' کا نام دیا گیا۔

اس سے چار سال پہلے سلطان محمود نے زیریں باسفورس کی یورپی جانب توپیں بنانے کے نئے کارخانے کے نزدیک ایک مسجد بنانے کا حکم دیا تھا۔ یہ مسجد 1826ء میں مکمل ہوئی۔ اسے ایک آرمینیائی معمار کرکور بالیان نے بنایا تھا' جس کے خاندان نے آئندہ تیس برسوں تک سلطانوں کی خدمات بجا لائیں۔ سلطان محمود نے ینی چریوں پر اپنی فتح کی یاد میں اس مسجد کو ''مسجد نصرتیہ'' کا نام دیا۔ جب سلطان محمود بیشکتاش میں قیام کرتا تو مسجد نصرتیہ میں نمازیں ادا کرتا تھا اور جب وہ توپ کاپی سرائے میں ہوتا تو استنبول کی کسی مسجد میں نمازیں ادا کیا کرتا تھا۔

میکفارلین اپنی کتاب ''استنبول'' میں لکھتا ہے کہ سلطان محمود مزاح کی حس بھی رکھتا تھا البتہ گھٹیا مزاح پسند کرتا تھا۔ میکفارلین نے یہ بھی لکھا ہے کہ سلطان محمود الکوحل کا بہت زیادہ

عادی ہو گیا تھا' جس کی وجہ سے رعایا میں کافی بے اطمینانی پیدا ہو گئی تھی۔ اسی زمانے میں عثمانی سلطنت کو روسیوں کے ہاتھوں مسلسل شکستیں ہوئیں اور اسے اپنے بہت سے علاقوں سے ہاتھ دھونا پڑے۔ مزید برآں 1833ء میں یونان ایک آزاد قوم کی حیثیت سے ابھرا اور محمد علی پاشا کی قیادت میں مصر حقیقتاً خود مختار ہو رہا تھا۔ ہیلمٹ وان مولکے نے' جو اس وقت عثمانیوں کا ملازم تھا مگر مستقبل میں پروشیائی فیلڈ مارشل بنا' لکھا ہے کہ جب سلطان محمود نے یونانیوں اور مصریوں کو خود مختاری دینے کے معاہدوں پر دستخط کیے تو وہ خون کے آنسو رو رہا تھا اور اس کے بعد وہ باسفورس پر واقع اپنے ایک محل میں ہفتوں سب سے الگ تھلگ مقیم رہا۔ اپنے دورِ حکومت کے آخری برسوں میں سلطان محمود نے مغربیت پذیری کی اصلاحات کو جاری رکھنے کی کوشش کی۔ اس نے سلطنت کی مسلح افواج کی تشکیل نو کے کام کی نگرانی ذاتی طور پر کی۔ اصلاحات سے استنبول میں مغربی طور اطوار بھی آئے' بالخصوص سلطان کے دربار میں۔ محمود کسی مشرقی بادشاہ کی بجائے مغربی بادشاہ جیسا لباس پہنا کرتا تھا۔ وہ محل سے باہر منعقد ہونے والی تقریبات میں ٹراؤزر اور سٹیمبولین کہلانے والا فراک کوٹ پہن کر شریک ہوتا تھا۔ وہ اپنے پیشروؤں کے برعکس پگڑی کی بجائے سرخ مراکشی فیض پہنتا تھا۔ 1829ء میں اس نے ایک فرمان جاری کیا جس میں سوائے مذہبی پیشواؤں کے باقی سب لوگوں کے روایتی لباس پہننے پر پابندی لگا دی گئی اور اس کے بعد فیض کو سر ڈھانپنے کے لیے استعمال کیا جانے لگا۔ لباس کی اصلاحات نے مذہبی قدامت پسندوں کو مشتعل کر دیا۔ ایک روز جب سلطان استنبول کی ایک گلی سے اپنی گھوڑا گاڑی میں گزر رہا تھا تو ایک درویش نے پکار کر کہا: ''کافر سلطان! خدا تم سے حساب لے گا۔ تم اسلام کو تباہ کر رہے ہو۔'' اس کے باوجود سلطان نے اپنی اصلاحات جاری رکھیں اور اپنی رعایا کے ہر فرد کے لیے مساوی دیوانی قانون نافذ کیا' اس قانون کے تحت فرد کے مذہب کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی تھی بلکہ سب یکساں شہری تصور ہوتے تھے۔

گیسپ ڈونیزیٹی استنبول میں یورپی سمفنیاں اور اوپیرا لے کر آیا۔ سلطان محمود نے 1828ء میں اسے شاہی موسیقار مقرر کیا اور پاشا کا خطاب دیا۔ ڈونیزیٹی پاشا نے شاہی بینڈ کو یورپی ساز بجانے کی تربیت اور عثمانی سلطنت کا ترانہ ترتیب دیا۔ بعد ازاں اس نے استنبول کا پہلا اوپیرا ہاؤس تعمیر کروایا اور غیر ملکی میوزیکل گروپوں کو وہاں فن کا مظاہرہ کرنے کے لیے لایا۔ استنبول میں پہلا تھیٹر 1840ء میں عثمانی حکومت اور غیر ملکی سفارت خانوں کے مالی تعاون

سے بنایا گیا۔ یہ تھیٹر جنیوا کے باشندے گیستیانی نے بنایا تھا۔ اس کے جانشین اطالوی باشندے بوسکو نے اپنے جادوئی تماشے دکھانے کے علاوہ وہاں کئی یورپی کھیل (Plays) کھیلے اور اوپیرا کروائے۔ جلد ہی متعدد تھیٹر کھل گئے، جن میں زیادہ تر غیر ملکی اور غیر مسلم اقلیتوں کے لوگ جاتے تھے تاہم سلطان خود بھی اکثر و بیشتر فن کے مظاہرے دیکھنے وہاں جایا کرتا تھا۔

اس وقت سلطان محمود نے توپ کاپی سرائے کو یکسر چھوڑ دیا تھا اور باسفورس کی یورپی جانب بیشکتاش والے اپنے نئے محل میں رہنے لگا تھا۔ اس محل کو اس کے آرمینیائی معمار کرکور بالیان نے دوبارہ یورپی طرز پر تعمیر کیا تھا۔

1838ء تک سلطان محمود کے چھتیس بچوں میں سے صرف چھ زندہ بچے تھے۔ ان میں اس کے دو بیٹے عبدالمجید اور عبدالعزیز اور چار بیٹیاں صالحہ، محرمہ، عطیہ اور عدیلہ تھیں۔ عثمانی شاہی خاندان میں شیر خوار بچوں کی ہلاکتوں کی بہت اونچی شرح کی وجہ سے لوگوں میں، خصوصاً پیرا کے یورپیوں میں یہ افواہیں گرم تھیں کہ حرم میں شیر خوار بچوں کو مار دینے کی قدیم رسم اب بھی موجود ہے۔ اناڑی دائیوں کے ہاتھوں اسقاطِ حمل اس پر مستزاد تھا۔ چارلس وائٹ نے دعویٰ کیا ہے کہ عثمانی خاندان میں شیر خوار بچوں کو مار دینے کی رسم اس وجہ سے تھی کہ تخت کے غیر مطلوب وارثوں کا خاتمہ کر دیا جائے۔ سلطان محمود نے 1836ء میں اپنی بیٹی محرمہ کی شادی عثمانی بحریہ کے امیر البحر محمد سعید پاشا کے ساتھ کی۔

## سلطان محمود دوم کی وفات اور سلطان عبدالمجید اوّل کی تخت نشینی

1839ء کے موسمِ گرما کے اوائل میں مصر کے محمد علی پاشا کے بیٹے ابراہیم پاشا نے شام میں عثمانی فوج کا صفایا کر دیا۔ سلطان محمود تپ دق اور جگر کے عارضے کی وجہ سے یکم جولائی 1839ء کو قریب المرگ تھا کہ اسے یہ خبر سننے کو ملی۔ وہ جانبر نہیں ہو سکا اور اسی روز اس کا بیٹا عبدالمجید تخت نشین ہوا۔ چارلس وائٹ لکھتا ہے کہ اس کی موت کا سبب تیز شرابوں کو ملا کر پینا تھا۔ سلطان محمود کو استنبول کی مرکزی شاہراہ دیوان یولو کے ساتھ دوسری پہاڑی پر اس کے اپنے بنوائے ہوئے مقبرے میں دفن کیا گیا۔

❀ ❀ ❀

## چودھواں باب

# بحیرۂ باسفورس کے ساحلوں پر

## سلطان عبدالمجید اوّل کے حالاتِ زندگی

تخت نشینی کے وقت سلطان عبدالمجید کی عمر سولہ برس تھی۔ وہ دوصدیوں میں اپنے باپ کی جگہ تخت نشین ہونے والا پہلا بیٹا تھا اور کبھی قفس میں نہیں رہا تھا۔ جبکہ اس کے گیارہ پیشرو تواتر کے ساتھ قفس میں قید رہے تھے۔ جب سلطان عبدالمجید تخت نشین ہوا تو اس نے اپنے بھائی عبدالعزیز کو' جس کی عمر اس وقت نو برس تھی' معمول کے مطابق قفس میں قید نہیں کیا بلکہ اس کی ماں پرتونیل کے ساتھ حرم میں رہنے دیا' جہاں وہ بلوغت کی عمر کو پہنچا۔ چارلس وائٹ لکھتا ہے کہ سلطان عبدالمجید نے اپنے مرحوم باپ کی دیگر بیویوں اور بچوں کے ساتھ نہایت مہربانی والا سلوک کیا۔ مرحوم سلطان کی دیگر عورتوں کو پرانے محل بھیج دیا جاتا تھا مگر سلطان عبدالمجید نے اس روایت کو بھی توڑ دیا اور انہیں بحیرۂ باسفورس کے ساتھ واقع دوسرے چھوٹے محلات میں بھیج دیا۔ چارلس وائٹ لکھتا ہے کہ سلطان عبدالمجید کی ماں نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے بیٹے کو اس کے باپ کی ذخیرہ شدہ شراب کو ضائع کرنے پر قائل کیا۔

سلطان عبدالمجید بھی تنظیمات یعنی اصلاحی تحریک کو جاری رکھنے کا خواہاں تھا۔ اس نے 3 نومبر 1839ء کو توپ کاپی سرائے کے گلابوں والے باغ ''گل خانہ'' میں ایک فرمان ''خطِ شریف'' جاری کیا۔ گل خانہ فرمان سے پتہ چلتا ہے کہ سلطان عبدالمجید ایک روشن خیال بادشاہ کی طرح حکومت کرنا چاہتا تھا۔ تاہم آگے چل کر برے مشیروں اور غیرملکی سازشوں سے حالات کافی بگڑ گئے۔ سلطان عبدالمجید جسمانی ساخت اور کردار کے اعتبار سے اپنے باپ سے بہت مختلف تھا۔ وہ ایک مہربان انسان تھا اور اپنی رعایا کو خوشحال دیکھنا چاہتا تھا۔ غیرملکیوں کو علم نہیں تھا کہ سلطان عبدالمجید کو تپ دق ہے' جو بالآخر اس کی موت کا سبب بنا۔ میکفارلین لکھتا ہے کہ وہ شراب کا عادی تھا اور اسے مرگی کا مرض بھی لاحق تھا۔

1843ء سے 1848ء کے دوران سلطان عبدالمجید گیارہ بچوں کا باپ بنا' جن میں 5 بیٹے اور چھ بیٹیاں تھیں۔ میکفارلین لکھتا ہے کہ بیشتر بچے پیدائش کے بعد جلد ہی فوت ہو گئے۔ سلطان عبدالمجید کے مجموعی طور پر اٹھارہ بیٹے اور پچیس بیٹیاں تھیں۔ اس کے پچیس بچے شیر خواری ہی میں مر گئے۔ اس کے چار بیٹے مستقبل میں سلطان بنے: مراد پنجم' عبدالحمید دوم' محمد پنجم اور محمد ششم۔ مراد شوق افزا کے بطن سے 21 ستمبر 1840ء کو پیدا ہوا۔ عبدالحمید 22 ستمبر 1842ء کو پیدا ہوا۔ عبدالحمید کی ماں ایک شب سلطان عبدالمجید کے بستر میں کھانسی تو اسے خون آیا۔ سلطان کو شبہ ہوا کہ اسے تپ دق ہے اور اس شب کے بعد کبھی اسے اپنے بستر میں نہیں لایا۔ وہ 26 اپریل 1853ء کو تپ دق سے مر گئی۔ محمد پنجم 3 نومبر 1844ء کو گل جمال کے بطن سے پیدا ہوا جبکہ محمد ششم 2 فروری 1861ء کو پیدا ہوا۔ سلطان عبدالمجید کے اصلاحی پروگرام کی مخالفت رضا پاشا کی قیادت میں قدامت پسندوں کے ایک گروپ نے کی۔ رضا پاشا والدۂ سلطان بزم عالم کا رشتہ دار تھا۔ میکفارلین لکھتا ہے کہ سلطان عبدالمجید بھی زیادہ وقت باسفورس پر بیشکتاش میں واقع محل میں گزارا کرتا تھا' جہاں وہ مغربی موسیقی سے لطف اندوز ہوا کرتا تھا۔ 1846ء میں اس نے بیشکتاش میں ایک نیا محل تعمیر کروایا۔ نئے محل کو دولما باشے سرائے کا نام دیا گیا۔ جب دولما باشے سرائے تعمیر ہو رہا تھا' تب سلطان عبدالمجید نزدیکی ''چراغاں محل'' میں رہتا تھا۔ اس محل کو بھی اگلی دہائی میں دوبارہ تعمیر کروایا گیا۔ اسی زمانے میں سلطان عبدالمجید نے شاہی معمار نکوگوش کو حکم دیا کہ باسفورس کے یورپی ساحل پر پہاڑیوں کے اوپر اس کے لیے ایک گرمائی محل تعمیر کرے۔ دوسرا گرمائی محل خلیج کے پار تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ یورپی گرمائی محل کو ''قصر الہام'' کہا جاتا تھا جبکہ ایشیائی گرمائی محل کو ''قصر کوچک'' کہا جاتا تھا۔ اسی زمانے میں سلطان نے توپ کاپی سرائے کے چوتھے صحن میں ایک شہ نشیں تعمیر کروائی۔ اسے ''مجیدیہ کوشک'' کہا جاتا تھا۔ سلطان عبدالمجید موسم کے ساتھ اپنی رہائش گاہیں بھی تبدیل کرتا رہتا تھا' کبھی وہ باسفورس کے ساحل پر واقع کسی محل میں مقیم ہوتا اور کبھی سنہری خلیج کے ساحل پر واقع محل میں۔ وہ توپ سرائے میں صرف تہواروں کے موقعے پر جایا کرتا تھا۔

دولما باشے محل کا افتتاح 13 جولائی 1856ء کو ہوا۔ اس کے بعد دولما باشے محل شاہی قیام گاہ بن گیا جبکہ توپ کاپی سرائے کو صرف خاص تقریبات کے لیے استعمال کیا جانے لگا۔ اس سے پچھلے موسمِ سرما میں توپ کاپی سرائے کی گرمائی حرم سرا کو آگ لگی مگر اس کو دوبارہ کبھی تعمیر نہیں کروایا گیا۔ اب توپ کاپی سرائے مرحوم سلطانوں کی عورتوں اور ان کے

خدمتگاروں کی رہائش کے لیے استعمال ہونے لگا' جیسا کہ پہلے بایزید میں واقع ''پرانے محل'' کو استعمال کیا جاتا تھا۔ سلطان عبدالمجید نے دولما باشے محل میں ایک تھیٹر بھی بنوایا جس کا افتتاح 12 رجنوری 1859ء کو ہوا۔

سلطان عبدالمجید نے اپنی فضول خرچیوں سے سلطنت کو مفلس و کنگال بنا ڈالا۔ جودت پاشا نے کوئی ربع صدی بعد لکھا کہ سلطان نے نئے محل کے لیے فرانسیسی فرنیچر اور حرم کی عورتوں کے لیے زیورات اور یورپی ملبوسات کی خریداری پر جتنی رقم خرچ کی وہ تھریس میں موجود عثمانی فوج کے ایک سال کے مصارف کے برابر تھی۔ وزیراعظم محمد امین پاشا کی بیوی نے اپنی یادداشتوں میں لکھا ہے کہ سلطان کی بیویاں بھی بہت فضول خرچ تھیں۔ سلطان نے اپنی تین بیٹیوں رفیعہ' جمیلہ اور منیرہ کی شادیوں پر بے تحاشا رقم خرچ کی۔ ان کی شادیاں جون 1858ء میں دو ہفتوں کے اندر اندر ہوئی تھیں۔ سلطان عبدالمجید اور اس کے درباریوں کی فضول خرچی نے انہیں بھاری شرح سود پر غیر ملکی قرضے حاصل کرنے پر مجبور کردیا۔ جلد ہی قرضوں کا بوجھ اتنا بڑھ گیا کہ سلطنت انہیں ادا کرنے سے قاصر ہوگئی۔ سلطان عبدالمجید نے کفایت شعاری کے لیے لایعنی کوششیں کیں مثلاً اس نے گھوڑا گاڑیوں کے پہیوں میں زنجیریں ڈلوادیں تا کہ اس کے حرم کی عورتیں بیرا جا کر خریداری نہ کریں' مگر سب بے سود رہا۔

## سلطان عبدالمجید اوّل کی وفات

سلطنت کا زوال روک نہ پانے پر' سلطان افسردہ رہنے لگا۔ اس کی صحت کئی برسوں سے گر رہی تھی' کیونکہ وہ طویل عرصے سے تپ دق کا شکار تھا' جس کا باقاعدہ علاج نہیں ہو رہا تھا۔ 11 رابریل 1861ء کو وہ دولما باشے سے توپ کاپی سرائے گیا' جہاں اُس نے بیماری اور کمزوری کے باوجود دو گھنٹے تک معززین کی سلامی قبول کی۔ اس کے بعد وہ توپ کاپی سرائے کے حرم میں جا کر ڈھے گیا اور کافی دیر تک بے سدھ پڑا رہا' تب کہیں جا کر وہ دولما باشے واپس جانے کے قابل ہوسکا' مگر وہ بھی سخت دشواری کے ساتھ۔ اس کے ڈاکٹروں نے معائنہ کیا تو پتہ چلا کہ اسے نمونیا ہوگیا ہے۔ سلطان نے اپنا انجام قریب دیکھ کر اپنے سب سے بڑے بیٹے مراد کی تخت نشینی کے انتظامات کیے۔ مراد کی عمر اس وقت اکیس برس تھی۔ تاہم وزیراعظم محمد امین پاشا نے کہا کہ سترہویں صدی سے چلے آنے والی روایت کے مطابق عثمانی خاندان کے سب سے بڑے فرد کو تخت نشین ہونا چاہیے۔ اس وقت سلطان عبدالمجید کا سوتیلا بھائی عبدالعزیز خاندان میں اس کے بعد سب سے بڑی عمر کا مرد تھا۔ سلطان عبدالمجید نے اسے بلایا اور اپنا حال سنا کر کہا کہ

وہ تو مر رہا ہے لہٰذا اس کے بعد سلطان عبدالعزیز ہوگا۔ عبدالعزیز اس کے کمرے سے روتا ہوا باہر نکلا۔ 25/جون 1861ء کو صبح سویرے سلطان عبدالمجید فوت ہوگیا۔ جب یہ خبر حرم میں پہنچی تو اس کی تمام عورتیں گریہ وزاری کرنے لگیں۔ سلطان عبدالمجید کی عمر وفات کے وقت اڑتیس سال دو ماہ تھی۔ اسے اسی روز پانچویں پہاڑی پر مسجد سلطان سلیم اول کے عقب میں اپنے تعمیر کروائے ہوئے مقبرے میں دفنا دیا گیا۔ اس نے اپنے مقبرے کے لیے یہ جگہ اس لیے منتخب کی تھی کہ وہ اپنے عظیم جنگجو پیشرو کا مداح تھا۔ وہ اپنی جوانی میں اسی جیسا عظیم سلطان بننے کے خواب دیکھا کرتا تھا۔ تاہم اس کے خواب کبھی پورے نہیں ہوسکے۔ بلکہ اس نے تو اپنی فضول خرچی سے دولما باشے جیسے محل اور دیگر محلات تعمیر کروا کر سلطنت کو کھوکھلا کر دیا۔

## سلطان عبدالعزیز کی تخت نشینی

تخت نشینی کے وقت سلطان عبدالعزیز کی عمر اکتیس برس تھی۔ اس نے بائیس برس قفس میں گزارے تھے۔ عبدالمجید کے چار بیٹے زندہ تھے' مراد سب سے بڑا تھا' جو اس وقت اپنی عمر کے بائیسویں برس میں تھا۔ عبدالمجید کا دوسرا بیٹا عبدالحمید تقریباً انیس برس کا تھا' محمد رشاد ساڑھے سولہ برس کا تھا جبکہ محمدؔ واحدتین صرف ساڑھے تین ماہ کا تھا۔ تینوں بڑے بیٹوں کو ان کے باپ کی وفات کے بعد قفس میں بند کر دیا گیا' تاہم ان کے چچا سلطان عبدالعزیز نے انہیں کافی آزادی بھی دی ہوئی تھی۔ واحدتین بلوغت کی عمر تک اپنی سوتیلی ماں کے پاس حرم میں رہا' اس کے بعد اُسے بھی قفس میں قید کر دیا گیا۔ عبدالعزیز 1857ء میں یوسف عزالدین کا باپ بن چکا تھا۔ اس وقت یوسف کی پیدائش کو راز میں رکھا گیا تھا اور اس کی موجودگی کا انکشاف صرف اس وقت ہوا جب اس کا باپ سلطان بن گیا۔ سلطان نے اس کی ماں اور اپنی بیوی دُرِنو سے وعدہ کیا کہ وہ دوسری شادی نہیں کرے گا۔ اس کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ وہ اپنے پیشرو کے حرم کی فضول خرچی کو روکنے کا عزم کیے ہوئے تھا اور اسی لیے اس نے مرحوم سلطان عبدالمجید کی بیویوں اور کنیزوں کو توپ کاپی سرائے بھجوا دیا' جسے اب ''پرانا محل'' کہا جانے لگا تھا۔

کچھ عرصے بعد اس کی بہن نے اسے ایک نئی کنیز تحفتاً پیش کی اور اس کے تھوڑے عرصے بعد وزیراعظم کی بیوی نے ایک اور کنیز پیش کی۔ یوں بالآخر سلطان عبدالعزیز کے حرم میں سات ''ہاسیکی'' اور بہت سی کنیزیں شامل ہوگئیں۔ وہ کل گیارہ بچوں کا باپ بنا' جن میں پانچ لڑکیاں اور چھ لڑکے تھے۔ اس کا ایک بیٹا اور تین بیٹیاں شیر خواری میں ہی فوت ہوگئے۔ ماضی کے مقابلے میں بچوں کی اموات کی یہ شرح کم تھی' جس سے توپ کاپی سرائے کی پُر ہجوم بھول

بھیلیوں کی نسبت دولماباشے محل میں زیادہ بہتر حفظانِ صحت اور صحت بخش ماحول کا پتہ چلتا ہے۔

سلطان عبدالعزیز اپنے سوتیلے بھائی عبدالمجید سے بہت مختلف تھا' جسمانی وضع قطع کے اعتبار سے بھی اور شخصیت کے حوالے سے بھی۔ نئے سلطان کا وزن کوئی دو سو پچاس پاؤنڈ تھا اور وہ نہایت طاقتور تھا۔ اُسے پہلوانی کا بہت شوق تھا۔ اس کی رعایا اُسے ''پہلوان'' کے نام سے ہی پکارتی تھی۔ وہ اپنے پیشرو سے سراسر مختلف تھا۔ اگر چہ وہ یورپی آرکیٹیکچر اور مصوری میں دلچسپی رکھتا تھا تاہم اس نے ان دیگر ثقافتی سرگرمیوں میں کوئی دلچسپی ظاہر نہیں کی جن میں سلطان عبدالمجید شوق سے حصہ لیا کرتا تھا۔ اس کی بجائے وہ قریب ترین دوستوں کے ساتھ کشتی کھیلنے کو ترجیح دیتا تھا۔ اسے اپنے مرحوم بھائی کے اصلاحی پروگرام سے بھی کوئی دلچسپی نہیں تھی' البتہ وہ اسی کے مانند فضول خرچ تھا' تاہم اصل میں اس کا رجحان اس کے برعکس تھا۔

سلطان عبدالعزیز نے تخت نشیں ہوتے ہی سارکس بالیان کو حکم دیا کہ اس کے لیے بیلر بی اور چراغاں میں نئے محلات تعمیر کیے جائیں۔ پہلا محل 1865ء میں اور دوسرا محل 1872ء میں مکمل ہوا۔ اسی زمانے میں اس نے ساحل سمندر پر ایک نیا گرمائی محل' مسالک میں شکار کے دوران قیام کے لیے ایک محل اور شہر کے باہر بحیرۂ مرمر کے یورپی ساحل پر دو محل بھی تعمیر کروائے۔ اس کے علاوہ اس نے استنبول میں آک سرائے میں ایک شاہی مسجد تعمیر کروائی۔ یہ مسجد 1871ء کو مکمل ہوئی اور اس نے اسے اپنی ماں پرتونیل سے منسوب کیا۔ سلطان عبدالعزیز نے ان عمارتوں کی نقشہ سازی اور تزئین و آرائش میں ذاتی دلچسپی لی۔

سلطان عبدالعزیز کے بارے میں ترک مؤرخ انور ضیا لکھتا ہے:

''عبدالعزیز نے اپنا بچپن محل میں عورتوں اور خواجہ سراؤں کے درمیان گزارا تھا۔ اگرچہ اسے ولی عہد کی حیثیت سے قفس میں قید نہیں رہنا پڑا' تاہم اس کی کڑی نگرانی کی جاتی تھی۔ اس کی تعلیم پر کوئی خاص توجہ نہیں دی گئی اور اسے اس کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا۔ اسے سائنسی تعلیم میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ جس ماحول میں اس نے اپنا بچپن اور جوانی گزارا' اس نے اس سمت میں اُسے کوئی تحریک نہیں دی۔ شہزادگی میں عبدالعزیز نے ایک روایتی مدرس حسن آفندی سے روایتی تعلیم حاصل کی' جو بہر حال ایک سلطان کے لیے انتہائی ناکافی تھی۔ طبعاً وہ فنونِ لطیفہ میں دلچسپی رکھتا تھا۔ اسے مصوری سے زیادہ لگاؤ تھا اور اس نے خود بھی کچھ خاکے بنائے تھے۔ یہ خاکے سمندر' جہازوں اور درختوں کے تھے۔ وہ نے نوازی بھی کرتا تھا اور بلاشبہ اس شوق کا سبب مولویہ مسلک کے لیے اس کی ہمدردی تھی۔ وہ مغربی موسیقی کو ناپسند کرتا تھا'

تاہم یورپی آرکیٹکچر سے اُسے دلچسپی تھی۔ اپنے دورِ حکومت میں تعمیر ہونے والے محلات کے نقشوں میں اُس نے ذاتی دلچسپی لی اور اپنے ذوق کے مطابق ان میں کافی تبدیلیاں کیں۔ ان محلات کی تعمیر کے دوران بھی وہ تعمیر کے کام کی خودنگرانی کیا کرتا تھا۔"

انور ضیا نے سلطان کی متلون مزاجی اور پست حسِ مزاح کا بھی ذکر کیا ہے:

''جو نفیس ذوق فنونِ لطیفہ میں اس کی دلچسپی کا باعث بنا' وہی فرصت کے لمحوں میں پست مذاق میں ڈھل جاتا تھا......اس کے پسندیدہ کھیلوں میں سے ایک کشتی کا کھیل تھا۔ وہ ایک مشہور پہلوان تھا۔ وہ اونٹوں' مرغوں اور مینڈھوں کی لڑائی دیکھنے کا بھی شوقین تھا۔ وہ جیتنے والے جانوروں کے گلے میں جرنیلوں والے تمغے ڈالتا تھا اور اس نے ان کے رہنے کے لیے نہایت خوبصورت سجی ہوئی جگہیں بنوائی تھیں۔ وہ بعض جانوروں کو اپنے ناپسندیدہ افراد کے نام دے دیا کرتا تھا۔ وہ اپنے مسخروں کے کپڑوں پر سالن پھینک کر ان پر کتے چھوڑ دیا کرتا تھا۔ وہ اپنے مصاحبین سے عملی مذاق کیا کرتا تھا......تاہم بعدازاں وہ انہیں دل کھول کر انعام واکرام دے کر ان کے دل جیت لیتا تھا۔''

## پیرس جانے والا پہلا عثمانی سلطان

1867ء میں سلطان عبدالعزیز فرانس کے بادشاہ لوئی نپولین کی دعوت پر گریٹ یونیورسل ایگزیبیشن (Great Universal Exhibition) دیکھنے پیرس گیا۔ وہ پہلا عثمانی سلطان تھا جو جنگ کے علاوہ کسی اور مقصد سے عثمانی سلطنت کی حدود سے باہر نکلا تھا۔ سلطان عبدالعزیز اپنے ساتھ اپنے بیٹے یوسف عزالدین اور دو بھتیجوں مراد اور عبدالحمید کو بھی پیرس لے گیا۔ سلطان اور اس کے وفد کا خیر مقدم لوئی نپولین نے ایلیسی پیلس میں اس طرح کیا گویا وہ ''الف لیلیٰ'' کا کوئی مشرقی بادشاہ ہو۔ اخبارات کے مطابق سلطان اور اس کے ساتھیوں کے لیے ناشتے میں دو بھنے ہوئے بکرے اور پچاس ابلے ہوئے انڈے پیش کیے جاتے تھے اور شام کو ان کا دل بہلانے کے لیے گانے والی لڑکیوں کا بندوبست کیا گیا تھا۔ ایک استقبالیے میں ملکہ نے تینوں شہزادوں سے باتیں کیں اور یوسف عزالدین کو چاکلیٹ کا ایک ڈبہ دیا۔ عبدالحمید نے تقریبات کے دوران شراب بہت ہی کم پی۔ ان پارٹیوں میں بھی گانے والی لڑکیاں ان کی تفریحِ طبع کے لیے بلائی گئی تھیں۔ مراد شیمپین اور برانڈی کا شیدائی ہو گیا تھا اور وہ واپسی میں دونوں قسم کی شرابوں کی ڈھیروں بوتلیں استنبول لے گیا' جنہوں نے اس کی ذہنی اور جسمانی صحت کو برباد کر کے رکھ دیا۔ جب بادشاہ لوئی نپولین نے کہا کہ محمود دوم کی والدہ نقش

دل دراصل ملکہ جوزفین کی عمزاد تھی اور اس حوالے سے وہ رشتے دار ہیں تو سلطان عبدالعزیز کو اس کی یہ بات بہت بُری لگی۔

## ملکہ وکٹوریہ سے ملاقات

سلطان اور اس کا وفد فرانس کے بادشاہ کی کشتی میں سوار ہوکر ڈوور پہنچا تو پرنس آف ویلز نے ساحل پر آ کر ان کا استقبال کیا۔ وہ ایک انتہائی تیز رفتار ریل گاڑی کے ذریعے دو گھنٹے میں لندن پہنچ گئے جہاں سٹیشن کو پھولوں سے سجایا گیا تھا۔ یہاں سے گھوڑ سوار محافظوں کی معیت میں وہ بکنگھم پیلس گئے۔ لنچ کے لیے سلطان ہیرے جواہرات سے لدا پھندا' میڈلوں سے سجی وردی پہنے گھوڑے پر سوار ہوکر گلڈ ہال پہنچا۔ اس نے ایک مترجم کے توسط سے تقریر کی' جس پر شہر کے تاجروں نے خوب تالیاں بجائیں۔ ان میں سے کچھ تاجروں نے عثمانی سلطنت میں بڑی سرمایہ کاری کی تھی۔

ملکہ وکٹوریہ سلطان عبدالعزیز سے ملنے میں ہچکچا رہی تھی۔ آخر لارڈ ڈربی کے قائل کرنے پر اس نے سلطان سے ملاقات کی۔ اس نے انہیں ونڈرسر پیلس میں لنچ پر بلایا۔ ملکہ نے اُسے آرڈر آف دی گارٹر بھی دیا۔ گو کہ اس نے اپنی ڈائری میں لکھا ہے کہ وہ ایک غیر عیسائی کو سٹار آف انڈیا دینا چاہتی تھی۔ آخر میں سلطان عبدالعزیز اور اس کے وفد کے لیے کرسٹل پیلس میں آتش بازی کے مظاہرے کا بندوبست کیا گیا۔ سلطان اس سے اتنا محظوظ ہوا کہ اس نے اپنی جیب سے ایک ہزار پاؤنڈ عمارت کے ایک جلے ہوئے حصے کی مرمت کے لیے عطا کیے۔ اس کے بعد سلطان اور اس کا وفد براعظم یورپ کے مختلف ملکوں میں گیا۔ برسلز میں ان کا استقبال شاہ لیوپولڈ نے کیا' کوبلینز میں قیصر ولیہلم نے اور ویانا میں شہنشاہ فرانز جوزف نے۔ اس کے بعد وہ عثمانی شاہی جہاز ''سلطانیہ'' میں سوار ہوکر دریائے ڈینیوب کے راستے ترکی واپس روانہ ہوئے۔ ویانا کا شاہی بیڑہ دونوں سلطنتوں کی سرحد تک ان کے ساتھ گیا۔ جب ''سلطانیہ'' استنبول پہنچا تو بندرگاہ جہازوں سے بھری ہوئی تھی جن کے بادبانوں سے خیر مقدمی جھنڈیاں آویزاں تھیں۔ شہر کی باقی ماندہ آبادی باسفورس کے ساحلوں پر صفیں باندھے کھڑی تھی اور جب سلطان کا جہاز دولما باشے سرائے کی لنگر گاہ کی طرف بڑھ رہا تھا تو لوگوں نے زوردار تالیاں بجا کر سلطان کی واپسی پر اپنی خوشی کا اظہار کیا۔ لیلیٰ خانم نے اس منظر کو یوں بیان کیا ہے:

''سلطانِ معظم شاہی جہاز ''سلطانیہ'' پر سوار تھے۔ یہ جہاز مصر کے گورنر سعید پاشا

نے تحفتاً دیا تھا...... شاہی جہاز کے آگے آگے ایک خیر مقدمی جہاز رواں تھا۔ اردگرد بے شمار کشتیوں پر حکام سوار تھے جو سلطان کو خوش آمدید کہنے آئے تھے دیگر جہازوں پر' جو پیچھے آ رہے تھے' سلطان کا سامان لدا ہوا تھا۔ سمندر کی سطح کو ہزاروں جہازوں اور کشتیوں نے حقیقتاً چھپا لیا تھا' سب کے عرشوں پر جھنڈیاں آویزاں تھیں۔ جہازوں اور کشتیوں پر موجود ہر شخص کھڑا تھا اور باسفورس کے ساحلوں پر بھی ہزاروں لوگ کھڑے تھے اور بلند آواز میں کہہ رہے تھے "پادشاہم چوک یاسا!" فوجی بینڈ سلامی کی دھنیں بجا رہے تھے۔ لوگوں کا جوش وخروش اتنا زیادہ تھا کہ بعض عورتیں بھی نعرے لگا رہی تھیں۔"

سلطان یورپ کی ترقی سے اتنا متاثر ہوا کہ اس نے برطانیہ سے ریل کا انجن منگوایا' حالانکہ ترکی میں ریل کی پٹڑی بھی موجود نہیں تھی۔ اس کے علاوہ اس نے آہن پوش بحری جنگی جہاز بھی منگوائے حالانکہ انہیں چلانے کے لیے عثمانی بحریہ میں تربیت یافتہ عملہ موجود نہیں تھا۔ اس نے باسفورس کے ساحلوں پر واقع اپنے محلات کی آرائش بھی یورپی طرز پر کروائی۔ اس سلسلے میں برطانوی پیانو بڑی تعداد میں خریدے گئے۔ یہ سب ان شاہی مہمانوں کے خیر مقدم کی تیاریاں تھیں جنہیں اس نے اپنے پرشکوہ دورے کے دوران دعوت دی تھی۔

آنے والے مہمانوں میں سے پہلی مہمان فرانس کی ملکہ یوجینی تھی' جو اکتوبر 1868ء میں بیلر بی سرائے میں تین دن ٹھہری۔ وہ نہر سوئز کے افتتاح کے لیے جاتے ہوئے یہاں ٹھہری تھی۔ دولما باشے سرائے میں ایک ضیافت کے بعد سلطان عبدالعزیز ملکہ یوجینی کو اپنی ماں پرتونیل سے ملوانے لے گیا' مگر والدۂ سلطان حرم میں ایک غیر ملکی عورت کو دیکھ کر غصے ہوگئی اور اس نے ملکہ کے رخسار پر طمانچہ مار دیا۔

## سلطان عبدالعزیز کے جنسی مشاغل

انور رضا لکھتا ہے کہ یورپ کے دورے سے واپسی کے بعد سلطان عبدالعزیز کی فضول خرچی انتہا کو پہنچ گئی۔ اس کے علاوہ اس کے جنسی مشاغل بھی انتہا کو پہنچ گئے۔ انور رضا لکھتا ہے:

"اس نے اڑھائی ہزار عورتیں' خواجہ سرا اور غلام عورتوں کو رکھا ہوا تھا۔ مگر اب اس کی دلچسپی کا رخ لڑکوں کی طرف ہوگیا۔ یہ غیر فطری رجحان عثمانی سلطانوں کے لیے نیا نہیں تھا' تاہم عبدالمجید کے دور میں معدوم ہونا شروع ہوگیا تھا۔ اب سلطان عبدالعزیز نے اس کا احیاء کیا اور یہ غیر فطری رجحان کسی چھوت کی بیماری کی طرح پھیل گیا......"

سلطان عبدالعزیز کی فضول خرچی اپنے پیشروؤں سے بڑھ گئی اور خزانہ خالی ہو گیا۔ سلطان ہر سال وزیر اعظم تبدیل کر دیتا تھا اس لیے اس مسئلے کو حل کرنے والا بھی کوئی نہیں تھا۔ ہر سیاسی اور فوجی عہدہ فروخت ہونے لگا۔ رشوت سلطان تک بھی پہنچتی تھی۔ جس کا ذہن اور جسم تیزی سے خستہ ہو رہا تھا۔

1867ء کی نمائش میں پیرس میں اسے لیڈی بریسی ملی تھی۔ لیڈی بریسی نے اسے 1870ء کے عشرے میں دوبارہ دیکھا۔ وہ کہتی ہے کہ وہ افسردگی و پژمردگی کا شکار تھا۔ امور سلطنت اس کی ان پڑھ ماں پرتونیل کے ہاتھوں میں تھے۔ سلطان کو صرف اپنی نئی منظور نظر نسرین کی صحبت میں سکون ملتا تھا۔ نسرین ایک سولہ سالہ سرکیشائی لڑکی تھی، جو 1876ء کے اوائل میں اس کے حرم میں آئی تھی۔ وہ محل کے باغ میں اس کا گانا سن کر اسے اپنے حرم میں لایا تھا۔

سنگین ہوتے ہوئے مالی بحران اور حکومت کے سیاسی عدم استحکام کی وجہ سے ترکی کے قدامت پسند عناصر کو تنظیمات (اصلاحی پروگرام) کی راہ روکنے کا موقع مل گیا۔ انہوں نے کہا کہ یہ اصلاحات سلطنت کے لیے بے شمار مسائل کا باعث بن رہی ہیں۔ بوسنیا اور بلغاریہ میں بغاوتیں برپا ہوئیں۔ یہ خیال فروغ پا رہا تھا کہ تنظیمات تحریک کے تحت ایک جمہوری حکومت قائم ہو جانی چاہیے۔ سلطان عبدالعزیز نے اپنی کابینہ میں تبدیلی کر کے مظاہرے روکنے کی کوشش کی۔ تاہم جلد ہی وزیر جنگ حسین عونی پاشا اور سلطان کے مابین کشمکش شروع ہو گئی۔ اس وقت سلطان کی ذہنی علالت نمایاں ہونے لگی تھی۔ عونی پاشا نے ملٹری اکادمی کے سربراہ سلیمان پاشا اور مدحت پاشا کے ساتھ مل کر سلطان کو معزول کر کے اس کے بھتیجے مراد کو تخت نشیں کرنے کا فیصلہ کیا۔

## بغاوت اور سلطان عبدالعزیز کی معزولی

29 مئی 1876ء کو حسین عونی نے دولما باشے کے نزدیک واقع بیرکوں سے فوجیوں کو اکٹھا کیا اور محل کا گھیراؤ کر لیا۔ حسین عونی دولما باشے کے دروازے پر پہنچا اور سیاہ فام خواجہ سراؤں کے سربراہ کو بتایا کہ وہ سلطان عبدالعزیز کو گرفتار کر کے وزارتِ جنگ لے جانے کے لیے آیا ہے۔ دیوقامت سیاہ فام خواجہ سرا نے جا کر سلطان عبدالعزیز کو جگایا جو کہ نسرین کے ساتھ سو رہا تھا۔ ادھر حسین عونی اور سلیمان پاشا محل میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ جب وہ سلطان کے کمرے میں داخل ہوئے تو نیم برہنہ سلطان ننگی تلوار ایک ہاتھ میں اور دوسرے بازو میں دہشت زدہ نسرین کو تھامے زینوں پر کھڑا ملا۔ سلطان لڑنے پر آمادہ تھا مگر

جب اس کی معزولی کا فتویٰ پڑھ کر سنایا گیا تو اس نے بڑبڑاتے ہوئے کہا کہ یہ تو اس کی ''قسمت'' ہے۔ سلطان کو کہا گیا کہ وہ لباس پہن لے تاکہ اسے محل سے باہر لے جایا جاسکے۔

سلیمان پاشا مراد کو جگانے اس محل گیا جہاں اسے قید رکھا گیا تھا۔ مراد کو اطلاع دی گئی کہ سلطان عبدالعزیز کو معزول کردیا گیا ہے اور اب وہ سلطان بنے گا۔ پھر توپ سے ایک گولہ داغ کر وزارت جنگ میں موجود مدحت پاشا کو اطلاع دی گئی کہ سب کچھ منصوبے کے مطابق ہورہا ہے۔

لباس تبدیل کرنے کے بعد مراد کو وزارتِ جنگ لے جایا گیا۔ وہاں مدحت پاشا' وزیراعظم محمد رُشد پاشا اور شیخ الاسلام خیراللہ آفندی اس کا انتظار کررہے تھے۔ انہوں نے اس کے ساتھ وفاداری کا عہد کیا۔ مراد کی ظاہری حالت سے وزراء تشویش زدہ ہوگئے' اس کے چہرے پر مرگ آسا زردی پھیلی ہوئی تھی' ہونٹ سوجے ہوئے تھے اور وہ بمشکل چل رہا تھا۔ مراد کو باقاعدہ تخت نشینی کے لیے دولماباشے سرائے لے جایا گیا۔ باسفورس میں موجود جنگی جہازوں نے توپیں چلا کر عوام کو آگاہ کیا کہ نیا سلطان تخت نشین ہورہا ہے۔ منصوبہ یہ تو تھا کہ توپ کاپی سرائے سے ''سنہری بیرم تخت'' لاکر مراد کو اس پر بٹھایا جائے گا مگر بوجوہ ایک سونے کی کرسی ہی پر قناعت کرنا پڑی اور وہ سلطان مراد پنجم کے نام سے ''تخت نشیں'' ہوا۔

## معزول سلطان عبدالعزیز کی خودکشی

اِدھر سلطان کو توپ کاپی سرائے لے جاکر پرانی حرم سرا میں قید کردیا گیا۔ اس کی قید کے لیے وہی راگ محل منتخب کیا گیا تھا جہاں 1808ء میں معزول سلطان سلیم سوم کو قتل کیا گیا تھا۔ وہ وہاں تین دن رات انتہائی برے حال میں رہا۔ اسے فرش پر سونے کے لیے لباس نہیں دیا گیا' کھانے کے لیے کچھ نہیں ملا اور اس کی کڑی نگرانی کی گئی۔ محافظوں نے اس کے ساتھ ایسا سلوک کیا گویا وہ کوئی عام مجرم ہو۔ تیسرے دن اس نے کسی نہ کسی طرح سلطان مراد کو مبارکباد کا پیغام بھجوایا۔ اگلے دن نئے سلطان نے حکم دیا کہ اس کے چچا کو چراغاں سرائے میں منتقل کردیا جائے۔ وہاں پہنچ کر اس نے اپنی ماں سے ملنے کے لیے محل کے اندرونی حصے میں جانا چاہا تو محافظ نے اس کے سینے پر سنگین رکھ کر اسے روک دیا۔ اس نے اردگرد نظر ڈالی اور خود کو آمادۂ قتل محافظوں میں گھرا پایا تو اپنی حالت پر اسے رونا آ گیا۔ محافظ اسے اس کمرے میں لے گیا جہاں اس نے اپنی قید کاٹنا تھی۔ عبدالعزیز پر سخت پہرا لگا دیا تھا۔ اس نے اپنی ماں اور اپنی خدمت پر مامور لوگوں کو کہا کہ ایسا لگتا ہے جلد ہی اسے قتل کردیا جائے گا۔ ایک روز اس

نے اپنے حاجب فخری بے سے کہا ''مجھے اس دنیا میں کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی۔'' اس کی ماں نے یہ بات سنی تو وہ کسی بدترین واقعے کے لیے تیار ہوگئی۔ انجام اتوار کے روز 4 رجون 1876ء کو رونما ہوا' جب عبدالعزیز کو لہولہان پایا گیا۔ ایسا لگتا تھا اس نے اپنی کلائیاں قینچی سے کاٹ دی تھیں۔ جلد ہی عبدالعزیز کی موت کا اعلان کردیا گیا۔ سلطان محمود دوم کے زمانے سے سلطانوں کے ذاتی معالج چلے آ رہے 19 ڈاکٹروں کے بورڈ نے طبی معائنے کے بعد اعلان کیا کہ عبدالعزیز نے قینچی سے اپنی کلائی کی رگیں کاٹ دی تھیں اور خون زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے وہ مر گیا۔ گویا اس نے خودکشی کی تھی۔ خودکشی کے اگلے روز عبدالعزیز کو اس کے والد محمود دوم کے مقبرے میں دفنا دیا گیا۔

## سلطان مراد پنجم کی تخت نشینی

تخت نشینی کے وقت سلطان مراد کی عمر چھتیس برس تھی۔ اس نے پندرہ برس قفس کی نرم قید میں گزارے تھے۔ عبدالعزیز نے اپنے دورِ حکومت میں اسے ولی عہد ہونے کی وجہ سے کافی آزادی دے رکھی تھی اور 1867ء میں اسے اور اس کے بھائی عبدالحمید کو اپنے ساتھ یورپ کے دورے پر لے گیا تھا۔ سلطان مراد فرانسیسی زبان روانی سے بول سکتا تھا' وہ بال روم رقص کرنے پر قادر تھا اور یورپی عورتوں کے ساتھ بلاجھجک گفتگو کرسکتا تھا۔ اس کے انہی اوصاف کی بنا پر برطانوی دربار سے سلطان مراد کو فوراً قبولیت مل گئی۔ ملکہ وکٹوریا شہزادی میری ماؤنٹ بیٹن کی شادی مراد سے کرنا چاہتی تھی۔ یہ تجویز پرنس آف ویلز نے عثمانی وزیر خارجہ فواد پاشا تک پہنچائی جس نے مراد کو اطلاع دی۔ مراد نے اپنے بھائی عبدالحمید سے مشورہ کیا' جس نے فی الفور یہ بات سلطان عبدالعزیز کو بتا دی تھی۔ سلطان ناراض ہوگیا اور اس نے اس رشتے کو ٹھکرا دیا تھا اور فواد پاشا کو نامہ بری کرنے پر سخت تنقید کی۔

سلطان عبدالعزیز کے پورے دورِ حکومت میں مراد کو دولما باشے سرائے میں اپنا حرم رکھنے کی اجازت رہی تھی۔ ولی عہدی کے زمانے میں اس کے کل بچوں کی تعداد سات تھی' جن میں سے دو شیر خواری میں فوت ہوگئے تھے۔ مراد کو مطالعے کا شوق تھا۔ وہ موسیقی اور آرکیٹیکچر میں بھی گہری دلچسپی رکھتا تھا۔ اسے معاصر سیاست سے بھی بہت دلچسپی تھی اور ولی عہدی کے زمانے میں اس نے متعدد لبرل ترکوں سے ملاقاتیں کی تھیں' جنہیں ''نوجوان عثمانی'' کہا جاتا تھا۔ اس کے یونانی ڈاکٹر کیپولیون نے اسے فری میسوں (Freemasons)

سے متعارف کروایا' جہاں وہ شاعر اور ڈراما نگار نامق کمال کا دوست بن گیا۔ نامق کمال ''نوجوان ترکوں'' کا ایک قائد تھا۔تخت نشینی کے وقت تک سلطان مراد شراب کا بری طرح عادی بن چکا تھا اور اس کی ذہنی حالت اس قدر خراب تھی کہ وہ حکومت کرنے کے قابل نہیں تھا۔ مراد کی ابتر حالت کی وجہ سے ہی ایوب میں تلوار باندھنے کی رسم بھی پوری نہیں کی جا سکی۔ سلطان مراد خود پر اس قدر قابو بھی نہیں پا سکتا تھا کہ غیر ملکی سفیروں سے ملاقات کر سکے۔ اس کی رعایا کو جمعے کی نماز میں اس کی آمد کا بے تابی سے انتظار رہتا تھا' مگر وہ بند گھوڑا گاڑی میں مسجد آتا اور پردوں کے پیچھے نماز ادا کر کے چلا جاتا۔

عبدالعزیز کی موت نے سلطان مراد کو بہت مضطرب کیا اور اس کی پہلے سے خراب ذہنی حالت مزید خراب ہوگئی۔ اگلے دو ہفتوں کے دوران اسے مزید دشوار حالات سے گزرنا پڑا۔ عبدالعزیز کی موت کے ایک ہفتے کے بعد اس کی بابیکی نسرین بچے کو جنم دینے کے دوران مر گئی۔ اس کے جنازے میں بہت زیادہ سوگوار شریک ہوئے۔ سوگواروں کی قیادت نسرین کا بھائی چرکیز حسن کر رہا تھا' جو مرحوم سلطان کا وفادار نوجوان افسر تھا۔ تدفین کے بعد وزیر جنگ عونی پاشا نے اسے بغداد متعین کر دیا۔ حسن کو اس بات پر بہت غصہ آیا اور وہ 15 رجون کو چار پستولوں سے مسلح ہو کر کابینہ کے اجلاس کے دوران محل میں گھس گیا اور فائرنگ شروع کر دی۔

حسین عونی پاشا اور وزیر خارجہ رشید پاشا ہلاک ہوگئے۔ جب محافظوں نے اسے غیر مسلح کرنے کی کوشش کی تو اس نے ایک ایک کو گولیوں سے اڑا دیا۔ سات محافظ ہلاک جبکہ آٹھ زخمی ہوگئے۔ بالآخر اسے پکڑ لیا گیا۔ اس کا مقدمہ دو دن کے اندر اندر نمٹا دیا گیا اور 18 رجون کو پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ ان سب واقعات نے سلطان مراد کی ذہنی حالت پر بہت برا اثر ڈالا۔ شاہی کونسل نے ذہنی امراض کے مشہور معالج ڈاکٹر لائیڈ لیسڈورف کو ویانا سے بلایا۔ اس نے تفصیلی معائنے کے بعد کہا کہ مراد کا علاج ہو سکتا ہے مگر اسے ویانا میں اس کے کلینک لے جانا پڑے گا۔ ڈاکٹر نے بتایا کہ اس کے ذہن پر کثرتِ شراب نوشی اور جذباتی صدموں کی وجہ سے برا اثر پڑا ہے اور اس کا ذہنی توازن برقرار نہیں رہا ہے۔ اس نے کہا کہ ویانا میں تین ماہ علاج کے بعد سلطان صحت یاب ہو سکتا ہے۔ وزیروں نے فیصلہ کیا کہ سلطان کو اس حالت میں ملک سے باہر نہیں بھیجا جا سکتا' یوں ڈاکٹر لائیڈ لیسڈورف ویانا واپس چلا گیا۔

## پاگل پن کا فتویٰ اور معزولی

اس دوران مدحت پاشا ایک آئینی بادشاہت قائم کرنے کے اپنے منصوبے پر کام

کرتا رہا۔ اس وقت تک وہ شہزادہ عبدالحمید کے ساتھ مشورہ کر چکا تھا اور اس نے اسے یقین دلایا تھا کہ اگر وہ سلطان بنا تو آئین منظور کرلے گا۔ سب متعلقہ لوگ سلطان مراد کی حالت سنبھلنے کی امید کھو چکے تھے چنانچہ مدحت پاشا ذہنی نااہلی کی بنیاد پر اسے معزول کر کے عبدالحمید کو تخت نشین کروانے کے لیے حمایت اکٹھی کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ وزیراعظم محمد رشد پاشا بھی اس سے متفق تھا اور 30 راگست کو کابینہ نے متفقہ طور پر سلطان مراد کو معزول کرنے کی منظوری دے دی۔ شیخ الاسلام نے فتویٰ جاری کیا پاگل پن کی وجہ سے سلطان مراد حکومت کرنے کے قابل نہیں رہا۔ اس فتوے کے ساتھ ایک طبی سرٹیفکیٹ بھی منسلک تھا' جس پر متعدد ڈاکٹروں کے دستخطوں کے ساتھ واضح کیا گیا تھا کہ سلطان پاگل ہو چکا ہے اور وہ کبھی صحت یاب نہیں ہوسکتا۔ اس کے بعد وزیر جنگ نے دولما باشے سرائے کا محاصرہ کروالیا اور وزیراعظم کو بھیجا گیا کہ وہ سلطان مراد کو اس کی معزولی سے آگاہ کرے۔ سلطان مراد نے بے تاثر چہرے کے ساتھ خبر سنی صرف اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔ پھر وہ وزیراعظم کے ساتھ اپنے قید خانے کی طرف چلا گیا۔

## سلطان عبدالحمید دوم کی تخت نشینی

اگلی صبح سویرے ہی وزیر جنگ شہزادہ عبدالحمید کو اطلاع پہنچانے گیا۔ اس نے سکون کے ساتھ یہ خبر سنی' لباس تبدیل کیا اور پھر توپ کاپی سرائے روانہ ہوگیا۔ اس کے ساتھ وزیر جنگ اور ڈیڑھ سو گھوڑ سوار فوجی محافظ تھے۔ وہ صبح آٹھ بجے محل پہنچے اور سیدھے شاہی کمرے میں چلے گئے جہاں تمام وزیروں اور سلطنت کے عمال نے اس کے سلطان ہونے کا اعلان کیا۔ دس بجے ایک سو توپیں داغ کر رعایا کو پرانے سلطان کی معزولی اور نئے سلطان کی تخت نشینی کی اطلاع دی گئی۔ اس کے بعد سلطان عبدالحمید کشتی کے ذریعے سرائے برونو سے دولما باشے سرائے روانہ ہوا۔ اس کے ساتھ دوسری کشتیوں میں سب وزراء و عمال تھے۔ دولما باشے محل میں شاہی خاندان نے اسے مبارکباد دی۔ وزیروں اور رعایا نے وفاداری اور اطاعت کا عہد کیا۔ اس نے 31 راگست 1876ء کو اپنے دورِ حکومت کا آغاز کیا۔ وہ تین ماہ میں عثمانی تخت پر بیٹھنے والا تیسرا سلطان تھا۔ اس کے بعد مدتوں تک استنبول کے لوگ 1876ء کو "تین سلطانوں کا سال" کہہ کر یاد کرتے رہے۔

❀ ❀ ❀

پندرہواں باب

# قیدی سلطان

## سلطان عبدالحمید دوم کے حالاتِ زندگی

جس روز سلطان عبدالحمید دوم تخت نشین ہوا' اس نے دولماباشے سرائے کے ''قصرِ لاجوردی'' میں شاہی حرم کی عورتوں کی مبارکباد قبول کی۔ محمود دوم کی پڑپوتی ثانیہ سلطان اٹھی اور چلا کر بولی: ''سلطانِ معظم! میری التجا ہے' سلطان مراد کو قتل مت کروائیے!'' عبدالحمید یہ سن کر دہل کر رہ گیا اور بولا: ''وہ میرا بھائی ہے۔ میں اسے کیسے قتل کروا سکتا ہوں؟ تخت نشینی تو تقدیر کا لکھا تھا۔ میں خود تخت کا خواہشمند نہیں۔''

نئے سلطان کی کمر سے عثمان غازی کی تلوار باندھنے کی رسم ایک ہفتے کے لیے ملتوی کردی گئی۔ آخر 7 ستمبر 1876ء کو سلطان عبدالحمید کو دولماباشے سرائے سے کشتی کے ذریعے ایوب لے جایا گیا جبکہ استنبول کے لوگ باسفورس اور سنہری خلیج کے ساحلوں پر کھڑے اسے گزرتا دیکھتے رہے۔ ان لوگوں میں ایک نوجوان فرانسیسی نیول افسر جولین ویوڈ بھی تھا' جس نے بعدازاں پیئر لوٹی کے نام سے ناول نگاری کی۔ لوٹی نے اپنی کتاب ''آزادی'' میں نئے سلطان کے بارے میں لکھا: ''وہ دبلا پتلا' پیلے رنگ والا آدمی تھا۔ اس کی آنکھیں سیاہ اور بڑی بڑی تھیں' جن کے گرد سیاہ حلقے پڑے ہوئے تھے۔ وہ ذہین اور غیر معمولی آدمی دکھائی دیتا تھا۔''

تخت نشینی کے وقت سلطان عبدالحمید کی عمر تقریباً چونتیس برس تھی۔ اس نے پندرہ برس قفس کی نرم قید میں گزارے تھے۔ سلطان بننے کے بعد اس نے اپنے تین بھائیوں کو دولماباشے سرائے میں رہنے دیا جبکہ معزول سلطان مراد پنجم اور اس کے گھرانے کو چراغاں سرائے میں قید کردیا۔ سلطان عبدالحمید کی سگی ماں تو فوت ہو چکی تھی۔ اس کی رضاعی ماں پارستو والدۂ سلطان کہلانے لگی۔ اس نے سلطان عبدالحمید کو تاکید کی کہ وہ لکڑی پر نقاشی اور الماریاں بنانے کا مشغلہ جاری رکھے۔ یہ دونوں مشغلے سلطان عبدالحمید کی ساری زندگی برقرار رہے۔

سلطان عبدالحمید عورتوں کے ساتھ میل جول میں خصوصاً شائستگی اور مہربانی سے کام لیتا تھا۔
عبدالحمید کے تنہائی میں گزرنے والے بچپن کی یادوں نے اسے ذہنی مریض بنا دیا تھا۔ عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ اس کی ذہنی حالت خراب سے خراب تر ہوتی گئی۔ اُسے اپنے اردگرد موجود لوگوں کی جاسوسی کروانے کا خبط تھا۔ وہ اس خبط کا شکار تب ہوا جب اس کی ماں کو تپِ دق کی وجہ سے الگ تھلگ کر دیا گیا۔ وہ حرم کی خبریں اکٹھی کر کے اپنی ماں کو سنایا کرتا تھا۔

اُسے اور اس کے بڑے بھائی مراد کو اپنے پیشرووں کی نسبت زیادہ بہتر تعلیم ملی تھی اور دونوں فرانسیسی زبان روانی سے بول سکتے تھے۔ اس کی مدد سے عبدالحمید کو ماضی کے عثمانی شہزادوں کی نسبت بیرونی دنیا کے بارے میں زیادہ جاننے کا موقع ملا تھا۔

شہزادگی میں عبدالحمید اور مراد اپنا وقت پیرا کی یورپی دنیا میں تفریحات میں گزارتے تھے۔ مراد ''نوجوان عثمانیوں'' کے ساتھ تبادلۂ خیال کرتا اور عبدالحمید عیسائی برادری کے ماہرین مالیات سے تعلقات استوار کرتا۔ ایک یونانی بینکار ظریفی اور ایک آرمینیائی بروکر السینی اس کے دوست بن گئے تھے۔ ظریفی کی رہنمائی میں اس نے اپنی دولت کو بڑے تدبر کے ساتھ سرمایہ کاری میں لگا دیا۔ اور جب وہ تخت نشین ہوا تو اس وقت تک وہ ستر ہزار پونڈ جمع کر چکا تھا۔

عبدالحمید تنہا استنبول میں گھوما کرتا تھا۔ وہ گرینڈ ریوڈی پیرا کی فیشن ایبل دکانوں اور قہوہ خانوں میں جایا کرتا تھا۔ وہ ایک بیلجیئن لڑکی فلورا کورڈیئر کی دکان میں بہت جایا کرتا تھا۔ دراصل اُسے مسکراتی آنکھوں والی لڑکی سے محبت ہوگئی تھی۔ اس نے خفیہ طور پر اس سے شادی کر لی تھی، گوکہ سرکاری طور پر کبھی اس بات کو تسلیم نہیں کیا گیا۔ وہ اس کے ساتھ باسفورس کے ساحل پر واقع ایک محل میں رہا کرتا تھا۔ فلورا سے اس کا عشق بمشکل ایک سال چلا کیونکہ پارستو اور دوسروں کی مخالفت نے اس کے لیے ایک یورپی عورت کو شاہی حرم میں لانا ناممکن بنا دیا۔ 1876ء کے بعد اس کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ اس کی دکان بند ہوگئی اور افواہیں تھیں کہ اسے بیلجیئم واپس بھجوا دیا گیا ہے۔

## سلطان عبدالحمید دوم کا حرم

سلطان بننے سے پہلے ہی عبدالحمید حرم رکھتا تھا۔ اس کی پہلی معلوم کنیز نازک ادا ہے جس کے بطن سے 1869ء میں ایک بیٹی علویہ پیدا ہوئی۔ علویہ سات برس کی عمر میں ماچسوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے جل کر مر گئی جبکہ اسے بچانے کی کوشش کرتے ہوئے نازک ادا کو بھی کافی زخم آئے۔ لیلیٰ خانم اس المیے کو بیان کرتے ہوئے لکھتی ہے: ''سلطان اور اس کی

کنیز شدید غم کا شکار ہو گئے اور طویل عرصے تک وہ ایک دوسرے سے نہ تو ملے اور نہ ہی ایک دوسرے کو دیکھا۔"

عبدالحمید کی پہلی بیوی بدرِ فلک تھی' جس کے ساتھ اس نے 15 دسمبر 1868ء کو شادی کی تھی۔ 11 جنوری 1870ء کو بدرِ فلک نے اس کے پہلے بیٹے محمد سلیم کو جنم دیا اور اگلے برس 12 جنوری کو اس نے اس کی بیٹی ذکیہ کو جنم دیا۔ عبدالحمید کی کل بارہ بیویاں اور کنیزیں تھیں' جن سے اس کے آٹھ بیٹے اور آٹھ بیٹیاں پیدا ہوئیں' ان میں ایک جوڑا جڑواں لڑکوں کا بھی تھا۔ اس کے چار بچے شیر خواری اور بچپن میں فوت ہو گئے۔

## یلدز سرائے

سلطان عبدالحمید نے اپنے دورِ حکومت کے آغاز ہی میں دولمباشے سے یلدز سرائے منتقل ہونے کا فیصلہ کیا۔ "قصر انجم" (یلدز سرائے) چراغاں سرائے سے بلندی پر پہاڑیوں میں تعمیر کیا گیا تھا۔ اگلے بیس برسوں میں سلطان عبدالحمید نے یلدز سرائے میں کافی اضافے کیے اور اسے اپنی مرکزی رہائش گاہ بنا لیا۔ یلدز روایتی مفہوم میں ایک محل نہیں بلکہ متعدد کوشکوں کا مجموعہ تھا' جو باغات اور درختوں کے گھنے جھنڈوں میں گھرے ہوئے تھے۔ ان کے درمیان ایک جھیل تھی' جسے پانی ایک ندی سے ملتا تھا' ندی پر جگہ جگہ پل بنے ہوئے تھے۔ باغوں میں شیشے سے ڈھکے ہوئے قہوہ خانے بنے ہوئے تھے' جن میں سلطان سیر کے دوران قہوہ نوشی کرتا تھا۔

سلطان عبدالحمید نے یلدز سرائے کی حدود میں ایک فرنیچر سازی کا کارخانہ اور ایک برتن بنانے کا کارخانہ قائم کیا تھا۔ یہاں نہایت اعلیٰ معیار کی اشیاء تیار کی جاتی تھیں۔ جنہیں یلدز سرائے اور باسفورس کے ساتھ بنے ہوئے شاہی محلات میں استعمال کیا جاتا تھا۔ دیگر عمارتوں میں ایک تھیٹر' ایک لائبریری' ایک رصد گاہ' ایک فوٹوگرافی کی لیبارٹری' ایک سلائی کڑھائی کی کارگاہ' بھس بھرے جانوروں کا ایک عجائب گھر' سلطان کی تصویروں اور نوادرات کا ایک دوسرا عجائب گھر' ایک ہسپتال اور چار شفاخانے' ایک ادویہ سازی کا کارخانہ' سلطان کے اپنے استعمال کے لیے ایک ترکھان کی کارگاہ' فرنیچر سازی کے کارخانے کے لیے ایک آرا' سلطان کے کتوں کے لیے ایک رہائش گاہ اور ہسپتال' گھوڑوں کے لیے پانچ اصطبل' اس کے نایاب پرندوں کے لیے ایک چڑیا خانہ اور اس کے پالتو جانوروں کے لیے' جن میں ایک شیر بھی تھا' چڑیا گھر شامل تھے۔

سلطان عبدالحمید نے اپنے بچوں کے لیے ایک نرسری اور ایک سکول بنوایا تھا۔ محل کے میدانوں میں بالائی داخلی گزرگاہ کے پاس ایک مسجد "جامعۂ حمیدیہ" تعمیر کی گئی' تاکہ جمعے کی نماز ادا کرنے کے لیے سلطان کو استنبول کی گلیوں سے گزر کر نہ جانا پڑا۔

یلدز سرائے میں تھیٹر سارکس بالیان نے 1888ء اور 1889ء میں تعمیر کیا۔ چار سال بعد سلطان نے ایک اطالوی سفری ڈراما کمپنی کو ملازم رکھ لیا جو اس کے لیے ڈرامے پیش کرتی تھی۔ سلطان کو المیہ انجام والے ڈرامے پسند نہیں تھے' اس لیے ڈراما کمپنی کے لوگ المیہ انجام کی جگہ طربیہ انجام پیش کرتے تھے۔

سلطان عبدالحمید کو مطالعے کا بے پناہ شوق تھا۔ اسے جاسوسی کہانیاں اور پولیس مہمات بہت پسند تھیں۔ شاہی ملبوسات خانے کا منتظم اعلیٰ عصمت بے اُسے یہ کہانیاں پڑھ کر سناتا تھا' جو کہانی سنانے کے دوران پردے کے پیچھے بیٹھا ہوتا تھا۔ اسے شرلاک ہومز کی کتابیں بہت پسند تھیں اور جونہی سر آرتھر کانن ڈائل نئی کتاب چھپواتے اسے فوراً ترکی زبان میں ترجمہ کرلیا جاتا اور اکثر اوقات ایک ہی رات میں پورا پڑھ لیا جاتا۔ اس کا دارالترجمہ استنبول اور دوسرے ملکوں سے شائع ہونے والے غیرملکی زبانوں کے اخبارات کا خلاصہ بھی تیار کیا کرتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ خطوط اور اپنے جاسوسوں کی فوج کی بھیجی ہوئی رپورٹیں پڑھتا رہتا تھا۔ سلطان عبدالحمید بے خوابی (Insomnia) کا شکار تھا لہٰذا اس کے وزیر اور معتمد دن یا رات کے کسی بھی لمحے بلائے جانے کے لیے تیار رہتے تھے۔

## پہلا عثمانی آئین اور پارلیمنٹ

جس وقت سلطان عبدالحمید تخت نشین ہوا' بلقان میں ایک اور بحران پیدا ہو رہا تھا۔ ترکوں اور روسیوں میں جنگ کے خطرے کی وجہ سے بڑی طاقتیں 4 نومبر 1876ء کو استنبول میں کانفرنس کرنے پر مجبور ہوگئیں۔ ان کا مقصد عثمانی سلطنت کی علاقائی وحدت کا تحفظ تھا۔ اس کانفرنس میں سلطان کو بلغاریہ اور بوسنیا میں حکومتی اصلاح پر راضی کرنا بھی تھا۔ مدحت شاہ نے سلطان عبدالحمید کو مشورہ دیا کہ وہ یورپیوں کو متاثر کرنے کے لیے ایک آئین کا اعلان کردے کیونکہ سلطان پہلے ہی ایک آئینی کمیشن بنانے پر تیار ہو چکا تھا۔ آئینی کمیشن نے مدحت پاشا کی سربراہی میں یک آئین تیار کیا جسے اسی سال 6 دسمبر کو کابینہ نے منظور کرلیا۔ اس آئین میں سلطان کو حق دیا گیا تھا کہ وہ جس شخص کو سلطنت کے لیے خطرہ تصور کرے اسے ملک بدر کرسکتا ہے۔ سلطان عبدالحمید نے مدحت پاشا کو وزیراعظم مقرر کردیا اور 19 دسمبر کو نئی

عثمانی پارلیمینٹ وجود میں آ گئی۔

استنبول کانفرنس بری طرح ناکام ہوگئی اور 20 رجنوری 1877ء کو مندوبین رخصت ہو گئے۔ اس سے سلطان عبدالحمید کو مدحت پاشا سے چھٹکارا پانے کا موقع ہاتھ آ گیا۔ اس نے 5 رفروری 1877ء کو اسے اس کے منصب سے ہٹا کر اسی روز ملک بدر کر دیا۔ سلطان دولماباشے کے حرم میں اپنی رضاعی ماں کے پاس چلا گیا' جس نے اس کی اعصابی کشیدگی کم کرنے کے لیے اس کے پسندیدہ موسیقاروں آفنباخ اور میئر بیئر کی دھنیں پیانو پر سنائیں۔ سلطان سنتا رہا اور کھڑکی سے مدحت پاشا کو لے جانے والے جہاز کو روانہ ہوتے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے ہاتھ اٹھا کر ساز بند کروا دیا اور بڑبڑایا: "یہ مدحت پاشا کی غلطی تھی کہ اس نے اپنے سلطان کو نظر انداز کیا۔"

سلطان عبدالحمید نے 19 رمارچ 1877ء کو دولماباشے سرائے میں منعقدہ ایک تقریب میں پہلی عثمانی پارلیمینٹ کا باقاعدہ افتتاح کیا جس کے بعد ایاصوفیا کے ساتھ "قصرِ عدل" میں پارلیمینٹ کا اجلاس ہوا۔ پارلیمینٹ کو معمولی خودمختاری حاصل تھی کیونکہ عبدالحمید نے تمام ترحقیقی اختیارات اپنے ہاتھ میں رکھے تھے۔

## زارِ روس کا عثمانی سلطنت کے خلاف اعلانِ جنگ

24 راپریل 1877ء کو زار نکولس دوم نے عثمانی سلطنت کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا۔ نو ماہ کے اندر اندر روسی فوج استنبول کے نواح تک پہنچ گئی۔ عظیم طاقتوں نے مداخلت کی اور برلن معاہدے کے بعد امن ہوگیا۔ اس معاہدے پر 13 رجولائی 1878ء کو دستخط ہوئے تھے۔ عثمانی سلطنت کو بلقان اور شمال مشرقی اناطولیہ میں وسیع علاقوں سے ہاتھ دھونا اور زار کو بہت زیادہ زرِتلافی ادا کرنا پڑا۔

## پارلیمینٹ کی تحلیل

اسی دوران سلطان عبدالحمید نے عثمانی پارلیمینٹ کو تحلیل کر دیا اور تیس سال سے زیادہ عرصے تک وہ بحال نہیں ہوسکی۔ پارلیمینٹ سے نجات پانے کے بعد سلطان عبدالحمید نے حکومت کے سول اور فوجی معاملات اپنے ہاتھ میں لے لیے۔ اسے خطرہ تھا کہ اس کا بھائی مراد دوبارہ سلطان بننے کی سازش کر رہا ہے۔ اس نے اپنے دورِ حکومت کے شروع ہی میں جاسوسوں کا ایک نیٹ ورک تیار کیا تھا جو اسے سلطنت میں ہونے والے ہر واقعہ کے بارے

میں اطلاعات پہنچاتے تھے۔ اس کے جاسوس استنبول کے قہوہ خانوں اور بازاروں سے حاصل شدہ اطلاعات خصوصاً سلطان تک پہنچاتے تھے۔ سلطان اپنے مخبروں سے ملنے والی اطلاعات کو ایک بیاض میں لکھ لیتا تھا۔

20 مئی 1878ء کو ایک شخص علی سعاوی نے سو کے قریب بلقانی پناہ گزینوں کے ساتھ چراغاں سرائے پر حملہ کر دیا۔ ان کا مقصد مراد پنجم کو آزاد کروا کر تخت پر بحال کرنا تھا۔ محل کے محافظوں نے علی سعاوی اور اس کے نصف کے قریب ساتھیوں کو ہلاک کر دیا' باقی گرفتار ہو گئے یا بھاگ گئے۔ یوں یہ بغاوت ناکام کر دی گئی۔ جونہی بغاوت پر قابو پایا گیا سلطان عبدالحمید نے مراد اور اس کے گھرانے کو چراغاں سرائے سے نکلوا کر یلدز سرائے کے مالٹا کوشک میں قید کروا دیا' جہاں کڑی نگرانی کروانے کے علاوہ وہ خود بھی ان پر نگاہ رکھ سکتا تھا۔ بعدازاں انہیں چراغاں سرائے واپس بھیج دیا گیا مگر سخت پہرا لگا دیا گیا۔

اس بغاوت کے بعد سلطان عبدالحمید کو اپنے ذاتی تحفظ کے حوالے سے کافی خدشات لاحق ہو گئے۔ اس نے یلدز سرائے میں عام لوگوں کا داخلہ سختی سے ممنوع قرار دے دیا اور محل ایک قلعے کی طرح سخت حفاظت میں چلا گیا۔ اس کے بعد وہ بہت کم کھلے عام دکھائی دیا۔ وہ جمعے کی نماز حمیدیہ مسجد میں ادا کرنے جاتا اور کسی تہوار کے موقع پر توپ کاپی سرائے جاتا تو اس کے ساتھ بہت زیادہ محافظ ہوتے تھے۔ اس کی ذہنی حالت بدتر ہونے لگی اور ایک مرتبہ تو وہ دو ہفتے تک اپنے کمرے سے نہیں نکل سکا' جبکہ اس کی رضاعی ماں اور معالج اس کے قائم مقام کے طور پر کام کرتے رہے۔

برطانوی سفیر لینرڈ اپریل 1880ء میں سلطان عبدالحمید سے ملا۔ یہ سلطان سے لینرڈ کی آخری ملاقات تھی۔ سلطان نے بیلینی کا بنایا ہوا سلطان محمد فاتح کا پورٹریٹ اسے دیا' جو آج بھی لندن کی نیشنل گیلری میں آویزاں ہے۔ سلطان عبدالحمید لینرڈ اور اس کی بیوی سے گہری انسیت رکھتا تھا۔ اگرچہ برلن معاہدے کے بعد وہ لینرڈ کو ناپسند کرنے لگا تھا تاہم اس نے لیڈی لینرڈ سے مراسم برقرار رکھے۔ وہ سلطان کی میز پر اس کے ساتھ کھانا کھانے والی پہلی عورت تھی اور سلطان نے اپنے بچوں کو پیرا میں برطانوی سفارتخانے میں اس کے ساتھ چائے نوشی کی اجازت دے دی تھی۔ وہ اکثر حرم میں جایا کرتی تھی۔ وہ اسے اپنے بچوں کے ساتھ کھیلتا اور اپنی چھوٹی بیٹی کی ٹوٹی ہوئی گڑیا مرمت کرتا دیکھ چکی تھی۔ اس نے سلطان کو ترکی لوک کہانیاں پڑھتے اور پیانو پر آفنباخ کی دھنیں بجاتے سنا تھا۔ سلطان نے اس کے ساتھ

لڑکیوں کا ایک سکول کھولنے کے حوالے سے گفتگو کی تھی جہاں اچھے ترک خاندانوں کی بچیاں مغربی تعلیم حاصل کر سکیں۔

## سلطان عبدالحمید دوم کے حوالے سے ایک افواہ

لیئرڈ نے سلطان عبدالحمید کا ایک دلچسپ خاکہ لکھا ہے۔ اس نے اس افواہ کو بھی درج کیا ہے کہ وہ سلطان عبدالمجید کا حقیقی بیٹا نہیں تھا:

''سلطان کسی حد تک درمیانی قامت کا مالک تھا۔ اس کا جسم دبلا پتلا تھا۔ اس کی ڈاڑھی اور سر کے بال گہرے سیاہ تھے۔ اس کے خط و خال سے اس کے تاتاری النسل ہونے کا کوئی پتہ نہیں چلتا تھا' نہ ہی وہ اپنے کسی پیشرو سے کوئی مشابہت رکھتا تھا__ سوائے سلطان محمد فاتح کے' جس کا بیلینی کا بنایا ہوا پورٹریٹ میرے پاس ہے۔ اس کے خط و خال آرمینیائی یا یہودی نسل کے سے لگتے تھے۔ اسی وجہ سے پیرا اور گلاٹا میں یہ افواہ گرم تھی کہ وہ عبدالمجید کا بیٹا نہیں تھا بلکہ اس کی رگوں میں آرمینیائی خون گردش کر رہا تھا...... وہ سادہ لباس پہنتا تھا۔ اس کا میلان تصوف کی طرف تھا اور وہ مذہبی بحث مباحثے کرتا تھا۔ جس کی وجہ سے اسلام پر قائم رہنے کے باوجود وہ شکوک میں مبتلا ہو گیا تھا۔''

سلطان عبدالحمید 1878ء میں مدحت شاہ کو واپس بلانے پر مجبور ہو گیا۔ اس نے مدحت پاشا کو شام کا گورنر مقرر کیا۔ دو سال بعد اُسے ازمیر کا گورنر بنا دیا گیا۔ پھر 17 رمئی 1881ء کو مدحت پاشا کو گرفتار کر کے استنبول واپس لایا گیا' جہاں 27 رجون کو اس پر اور 9 دوسرے افراد پر سلطان عبدالعزیز کو قتل کرنے کا مقدمہ چلایا گیا اور اسی روز ان سب کو سزائے موت سنا دی گئی۔ اس فیصلے پر مغربی یورپ میں واویلا مچ گیا اور سلطان عبدالحمید کو سزائے موت عمر قید میں تبدیل کرنا پڑی اور 28 رجولائی کو مدحت پاشا اور خیراللہ آفندی کو عرب میں قید کر دیا گیا۔ مدحت پاشا کا انجام 8 رمئی 1884ء کو ہوا جب خیراللہ آفندی کی شہادت کے مطابق اس کے محافظوں نے اس کا گلا دبا کر اسے مار دیا۔ پھر اسے ایک بے نشان قبر میں دفنا دیا گیا۔

## جرمنی کے بادشاہ کا دورۂ استنبول

1889ء کے موسمِ خزاں کے شروع میں قیصر ولہیلم دوم نے استنبول کا سرکاری دورہ کیا۔ اس وقت اسے تخت نشیں ہوئے صرف ایک سال گزرا تھا۔ سلطان عبدالحمید نے اس کا پرجوش خیر مقدم کیا اور یلدز سرائے میں اس کے لیے خصوصی طور پر تعمیر کرائے گئے ''مراسم

کوشک'' میں ٹھہرایا۔ یہ ایشیائی ترکی میں جرمنی کا پہلا قدم تھا۔ اس نئے تعلق کو مضبوط بنانے کے لیے برلن سے بغداد تک ریلوے لائن بچھانے کا معاہدہ ہوا۔ عبدالحمید قیصر کے کامیاب دورے سے خوش تھا تاہم وہ جرمنوں سے بہت محتاط رہا۔ اس کا یہ رویہ قیصر ولہیلم کے نو سال بعد دوسرے دورے کے باوجود برقرار رہا۔

## عثمانی سلطنت میں دہشت گردی کی کارروائیاں

سلطان عبدالحمید کے دورِ حکومت کے آغاز ہی سے آرمینیائیوں کی بہبود عظیم طاقتوں کے لیے مسئلہ بنی ہوئی تھی۔ روس کی طرف سے حوصلہ پانے والی آرمینیائی قوم پرستی نے اس مسئلے کو گمبھیر بنا دیا تھا۔ دو آرمینیائی انقلابی گروپوں ہنچک (Hunchak) اور دشنک (Dashnak) نے عثمانی سلطنت میں دہشت گردی کی کارروائیاں شروع کردیں، جس کے نتیجے میں حمیدیہ کیولری کے کردوں نے وحشیانہ جوابی اقدامات کیے۔

بدھ 26 راگست 1896ء کو ہنچک دہشت گردوں کے ایک گروپ نے گلاتا میں عثمانی بینک پر قبضہ کرلیا۔ انہوں نے دو ملازمین کو قتل کردیا اور ڈیڑھ سو افراد کو یرغمال بنا لیا اور مزاحمت پر عمارت کو بم سے اڑانے کی دھمکی دی۔ پھر جمعے کے دن جب سلطان عبدالحمید ایا صوفیا میں جمعے کی نماز پڑھنے جارہا تھا تو اس پر بم پھینکا گیا۔ سلطان تو بچ گیا تاہم اس کے بہت سے محافظ ہلاک ہوگئے۔ اس کے ردعمل میں استنبول میں کوئی دس ہزار کے قریب آرمینیائیوں کو ہلاک کردیا گیا۔ اس وقت تک عثمانی بینک پر قبضہ کرنے والے ہنچک دہشت گرد پرامن مذاکرات کے بعد دنیا کو آرمینیا کی آزادی کے کاز سے آگاہ کرواتے ہوئے شہر سے بحفاظت نکل گئے تھے۔

آرمینیائیوں کے قتل عام پر مغربی یورپ میں واویلا مچ گیا۔ گلیڈسٹون نے سلطان عبدالحمید کو ''جلادِ اعظم'' اور کلیمنسیو نے ''یلدز کا عفریت' سرخ سلطان'' کہا۔ عظیم طاقتوں نے سلطان کو بذریعہ تار انتباہ کیا کہ اگر آرمینیائیوں کا قتل عام جلد نہیں رکا تو یہ اس کی بادشاہت اور خاندان کے لیے نقصان دہ ہوگا۔ عبدالحمید نے جمعہ 28 راگست کو قتل عام روکنے کا حکم دیا۔

1901ء میں عبدالحمید نے سلطان اور خلیفہ کی حیثیت سے اپنی سلور جوبلی منائی۔ اس موقع پر اس نے دمشق سے مکہ اور مدینہ تک ریلوے لائن بچھانے کا اعلان کیا، جس سے

مسلمانوں کے لیے حج کو جانا آسان ہو جاتا ہے۔ اس منصوبے کو حجاز ریلوے کا نام دیا گیا اور سلطان عبدالحمید نے اس کے لیے پچاس ہزار پاؤنڈ دیئے۔

سلطان عبدالحمید کی حکومت کے پچیس برسوں کے دوران اس کا معزول بھائی مراد پنجم اپنے گھرانے سمیت چراغاں سرائے میں قید رہا۔ مراد کی ماں شوق افزا 1889ء میں فوت ہوگئی۔ اسے مسجد سلیم اوّل میں اس کے شوہر عبدالمجید کے پہلو میں دفنایا گیا۔ سلطان بننے سے پہلے مراد دو بیٹیوں اور تین بیٹوں کا باپ تھا' دو بیٹے تو شیر خواری میں فوت ہو گئے اور صرف صلاح الدین زندہ رہا۔ معزولی کے بعد وہ دو بیٹیوں کا باپ بنا۔ ان میں سے ایک شیر خواری میں فوت ہوگئی جبکہ دوسری بیٹی فاطمہ زندہ رہی۔ مراد کا بیٹا صلاح الدین اور اس کی بیٹیاں فاطمہ' خدیجہ اور فہیمہ اپنی ماؤں کے ساتھ چراغاں سرائے میں قید تھے۔

سلطان عبدالحمید اپنے مقید بھائی پر کڑی نظر رکھتا تھا۔ سیاہ فام خواجہ سراؤں کا سربراہ جوہر آغا' جسے باش مصاحب کہا جاتا تھا' سلطان کو ہر بات کی اطلاع دیتا تھا۔ قید کے دوران مراد کی ذہنی حالت بہت بہتر ہوگئی تھی کیونکہ وہ حکومتی دباؤ سے آزاد تھا اور شراب پینا کم کر چکا تھا' گوکہ وہ کھانے کے ساتھ پانی کی بجائے وائن یا بیئر پیا کرتا تھا۔ 29 اگست 1904ء کو مراد ذیابیطس کی وجہ سے چراغاں سرائے میں فوت ہوگیا۔ وہ دو دن کم اٹھائیس سال قید رہا۔ آخری وقت اس نے قرآن سنانے کی خواہش کی' اس کا بیٹا قرآن کی تلاوت کرنے لگا اور مراد سنتے سنتے سکون کے ساتھ موت کی آغوش میں چلا گیا۔ اگلے روز اسے جامعۂ یانی میں دفنا دیا گیا۔ وہ یہاں دفن ہونے والا چھٹا اور آخری سلطان تھا۔ یوں مراد کو موت نے قید سے رہائی دلوا دی' جبکہ اس کا بھائی عبدالحمید یلدز سرائے میں مغرب سے سرخ سلطان کا خطاب حاصل کرنے کے بعد اپنے آخری برسوں کا آغاز کر رہا تھا۔

سولھواں باب

# عثمانی خاندان کا زوال

## سلطان عبدالحمید دوم پر قاتلانہ حملہ

21 رجولائی 1905ء کو سلطان عبدالحمید کو قتل کرنے کی ایک اور کوشش کی گئی۔ سلطان حمیدیہ مسجد میں جمعے کی نماز پڑھنے گیا ہوا تھا کہ باہر چوک میں ڈائنامائٹ سے بھری ہوئی ایک گھوڑا گاڑی میں دھماکہ ہوا۔ دھماکے کے وقت سلطان عبدالحمید مسجد کے اندر تھا' اس لیے وہ بچ گیا' تاہم ستر افراد ہلاک ہوگئے۔ پولیس کے سربراہ نے آرمینیائی دہشت گردوں پر الزام لگایا مگر گرفتاریوں اور تشدد کے باوجود کچھ پتہ نہیں چلا کہ یہ قاتلانہ حملہ کس نے کروایا تھا۔ سلطان کو ہر کسی پر شک ہونے لگا حتیٰ کہ اپنی فوج اور اپنے عملے پر بھی۔ اس نے زیادہ جبر کرنا شروع کردیا۔ کتابوں' اخباروں اور ڈراموں کو سنسر کیا جانے لگا اور ہر لبرل سوچ رکھنے والے کو ملک بدر کردیا گیا۔

## آئین اور پارلیمینٹ کی بحالی

سلطان عبدالحمید کی آمریت کے مخالفوں کی قیادت لبرل ''نوجوان ترک'' کررہے تھے۔ ان میں سے ایک پارٹی ''کمیٹی آف یونین اینڈ پروگریس'' (سی یو پی) کہلاتی تھی۔ سی یو پی نے پیرس میں دو کانگریسیں کیں' پہلی فروری 1902ء کو اور دوسری دسمبر 1907ء میں۔ دوسری کانگرس میں انہوں نے سلطان عبدالحمید کی معزولی اور جمہوری حکومت قائم کرنے کا اعلان کیا۔ انہوں نے اعلان کیا کہ اگر اس مقصد کے حصول کے لیے ضروری ہوا تو تشدد سے بھی کام لیا جائے گا۔ 23رجولائی 1908ء کو سی یو پی کے رہنماؤں نے سلطان عبدالحمید کو بذریعہ تار الٹی میٹم بھیجا کہ چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر آئین بحال کردیا جائے۔ وگرنہ میسیڈونیا میں موجود فوج استنبول پر حملہ کردے گی۔ سلطان عبدالحمید نے اگلے دن آئین بحال کردیا نیز پارلیمینٹ بھی بحال کردی۔

## بھیڑیا قفس میں

عثمانی پارلیمنٹ کے لیے انتخابات 1908ء کے موسم خزاں میں ہوئے۔ سی یو پی نے 288 میں سے 287 نشستیں جیت لیں۔ دوسری پارلیمنٹ کا اجلاس 17 دسمبر 1908ء کو قصرِ عدل میں ہوا۔ سلطان عبدالحمید نے تخت پر بیٹھ کر تقریر کی۔ ایچ۔ سی۔ ڈوائٹ نے اس منظر کو یوں بیان کیا ہے:

''سلطان اپنی کمر سے بندھی تلوار پر ہاتھ رکھے کھڑا تھا۔ اس نے سادہ سیاہ فوجی اوورکوٹ پہنا ہوا تھا۔ وقت اور پریشانیوں نے واضح طور پر اس کو خمیدہ کر دیا تھا' تاہم اس کے بال سیاہ تھے' تیز نظریں' شکرے کی چونچ جیسی ناک' مکمل ڈاڑھی۔ وہ اپنی سلطنت کی ہر نسل اور علاقے سے تعلق رکھنے والے لوگوں سے فرداً فرداً ملا۔ گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ کوئی میرے عقب میں سرگوشی میں بولا: ''بھیڑیا قفس میں!''

قدامت پسند مسلمانوں نے نئے آئین کے خلاف مظاہرے کیے' وہ شریعت کو دوبارہ نافذ کرنے کا مطالبہ کر رہے تھے۔ 12 اور 13 اپریل کی درمیانی رات ''پہلی فوج'' کے سپاہی مدرسوں کے طلباء کے ساتھ پارلیمنٹ کی عمارت پر حملہ آور ہوگئے۔ انہوں نے دو منتخب نمائندوں کو قتل کر دیا اور باقی دہشت زدہ ہو کر فرار ہوگئے۔ سی یو پی کے اراکین بھی استنبول سے بھاگ گئے۔ حکومت پر دوبارہ سلطان عبدالحمید کا کنٹرول ہوگیا۔ سلطان عبدالحمید کا مخالف محمود شوکت پاشا جو سیلونیکا میں ''تیسری فوج'' کا کماندار تھا' اپنے میسیڈونیائی دستوں کو بذریعہ ریل استنبول کے نواح میں لے آیا اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ 22 اپریل کو منتشر ارکانِ پارلیمنٹ اور کابینہ کے وزراء نے سان سٹیفانو میں سابق وزیراعظم سعید پاشا کی سربراہی میں خفیہ اجلاس کیا۔ انہوں نے سلطان عبدالحمید کی معزولی اور اس کے چھوٹے بھائی محمد رشاد کی تخت نشینی کے لیے ووٹ دیا' تاہم فوج کے دارالحکومت پر قبضہ کرنے تک ان کا فیصلہ راز میں رکھا گیا۔

محمود شوکت پاشا 24 اپریل کی صبح اپنے دستوں کو استنبول کے اندر لے گیا اور سورج غروب ہونے سے پہلے ہی شہر پر قبضہ کر لیا۔ پہلے تو سلطان کے محافظ یلدز سرائے سے آگے آ کر حملہ آوروں کو روکنا چاہتے تھے مگر میسیڈونیائی فوج کو دیکھ کر پسپا ہوگئے۔ پھر وہ آہستہ آہستہ بھاگنے لگے اور آخرکار یلدز خالی ہوگیا۔ برقی رو منقطع کر دی گئی تو حرم کی عورتیں

بہت پریشان ہوئیں۔ سلطان عبدالحمید نے شوکت پاشا کو ہتھیار ڈالنے کی اطلاع بھجوائی۔ سوموار کو میسیڈونیائی دستے یلدز کی حدود میں داخل ہو گئے اور محل پر قبضہ کر لیا۔ منگل 27 اپریل 1909ء کو شیخ الاسلام نے سلطان عبدالحمید کو حکومت کرنے کے لیے نااہل قرار دیتے ہوئے اس کی معزولی کا فتویٰ جاری کیا۔ اراکینِ پارلیمینٹ کا ایک وفد اسعد پاشا کی سربراہی میں سلطان عبدالحمید کو معزولی کے فتوے کے بارے میں اور دوسرا وفد شہزادہ محمد رشاد کو اس کی تخت نشینی کی اطلاع دینے کے لیے بھیجا گیا۔ جب اسعد پاشا اور اس کے ساتھی یلدز سرائے پہنچے تو انہیں چتلی کوشک لے جایا گیا' جہاں سلطان کا معتمد جواد بے انہیں ملا اور اس نے ان سے ان کی آمد کا مقصد دریافت کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ وہ قومی اسمبلی کی طرف سے ایک پیغام سلطان عبدالحمید کو پہنچانا چاہتے ہیں۔ اس پر جواد بے نے انہیں خبردار کیا کہ سلطان مسلح ہے اور وہ انہیں گولی بھی مار سکتا ہے' اس نے یہ بھی کہا کہ وہ بہت اچھا نشانچی ہے اور اس کی چلائی ہوئی گولی ہمیشہ نشانے پر لگتی ہے۔ جب وفد نے سلطان سے ملاقات پر اصرار کیا تو جواد بے انہیں سلطان کے پاس لے گیا۔ سلطان کے ساتھ اس وقت شہزادہ عبدالرحیم موجود تھا۔ سلطان ان نے کھڑا ہو کر ملا اور ان سے آمد کا مقصد دریافت کیا۔ اس پر اسعد پاشا نے بتایا کہ شیخ الاسلام نے اس کی معزولی کا فتویٰ جاری کیا ہے۔ اسعد پاشا نے اسے یہ بھی یقین دہانی کروائی کہ اس کی جان کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ سلطان عبدالحمید نے ان سے چراغاں سرائے میں رہنے کی اجازت مانگی' جہاں اس نے اپنے بھائی معزول سلطان مراد پنجم کو کئی برس قید رکھا تھا۔ اسعد پاشا نے کہا کہ وہ اس کی درخواست قومی اسمبلی تک پہنچا دے گا۔ اس نے کہا کہ اسے امید ہے اسمبلی اس کی درخواست منظور کر لے گی۔

## معزولی کے بعد سلطان عبدالحمید دوم کی عبرتناک حالت

جب اسعد پاشا اور اس کے ساتھی روانہ ہوئے تو انہوں نے شہزادہ عبدالرحیم کے رونے کی آواز سنی جبکہ اس کا باپ سلطان عبدالحمید دل شکستگی کی وجہ سے لب بستہ رہا۔ اس نے بتیس سال سے زیادہ عرصے تک حکومت کی تھی۔ اس دوران صرف ابتدائی چند مہینوں کے علاوہ اس نے انتہائی جابرانہ حکومت کی تھی۔ اب وہ ایک نہایت بے بس بوڑھے آدمی کے سے دردناک حال میں تھا اور ایک ٹوٹے پھوٹے محل میں رہنے کی اجازت مانگ رہا تھا' جہاں اس نے پہلے اپنے معزول بھائی کو قید رکھا تھا۔

اسمبلی نے فیصلہ دیا کہ عبدالحمید کو ملک بدر کر کے سیلونیکا بھیج دیا جانا چاہیے۔ اس صبح نو بجے حسن پاشا سلطان عبدالحمید کو اسمبلی کے فیصلے سے آگاہ کرنے کے لیے یلدز سرائے آیا۔ وہ لکھتا ہے:

''جب میں نے سلطان کو اس فیصلے سے آگاہ کیا تو صدمے کی شدت سے اس کا حال برا ہو گیا۔ اس کی کنیزیں یہ دیکھ کر دوڑتی ہوئی آئیں۔ انہوں نے اسے پانی پلایا اور زار و قطار رونے لگیں۔ کافی دیر بعد اپنے بیٹیوں اور بیٹیوں کے دلاسا دینے پر اس کی حالت قدرے بہتر ہوئی اور اس نے ساز و سامان گھوڑا گاڑیوں پر لادنے کا حکم دیا۔''

اسی شام سلطان عبدالحمید اپنے گھرانے اور ملازموں سمیت سامان سے لدی گھوڑا گاڑیوں کے جلوس میں روانہ ہوئے۔ اُسے سرکیجی سٹیشن لے جایا گیا۔ یہاں وہ اس ریلوے کوچ میں سوار ہوئے جو بیس سال پہلے اورینٹل ریلوے کمپنی نے سلطان عبدالحمید کو پیش کی تھی۔ سلطان کے ساتھ اس کے دو بیٹے' دو بیٹیاں' تین بیویاں' چار کنیزیں' چار خواجہ سرا' سترہ خادم اور اس کی انگورا بلیاں اور دیو پیکر سینٹ برنارڈ تھے۔ بیس گھنٹے کے سفر کے بعد وہ سیلونیکا پہنچ گئے۔ یہاں انہیں ایک وسیع و عریض اور آرام دہ محل میں قیام کرنا تھا۔ سلطان عبدالحمید اپنی رہائش گاہ سے مطمئن لگتا تھا اور یوں اس کی جلاوطنی کی زندگی کا آغاز ہوا۔

سلطان عبدالحمید کی معزولی کے بعد نئی حکومت نے اس کی باقیات کا صفایا کر دیا۔ میسیڈونیائی فوج نے چھ ہزار افراد کو گرفتار کر کے ان پر سلطان عبدالحمید سے پہلے والی حکومت کا تختہ الٹنے نیز عوام کے خلاف جرائم کے الزام میں فوجی عدالتوں میں مقدمے چلائے۔ سزا پانے والوں میں سیاہ فام خواجہ سراؤں کا سربراہ جوہر آغا بھی شامل تھا جسے گلاتا پل پر بجلی کے کھمبے سے لٹکا کر پھانسی دی گئی۔ جوہر کے اثاثے ضبط کر لیے گئے' جن میں باسفورس کے ساحل پر واقع ایک محل بھی تھا' جہاں سے اس کی ایک مصری کنیز بھی ملی' جو اپنے آقا کی موت کی خبر سن کر بہت افسردہ ہو گئی تھی۔ حکام نے یلدز سرائے سے سلطان عبدالحمید کی رخصتی کے بعد حرم سرا کے باقی ماندہ مکینوں کو بھی نکال باہر کیا۔ میکلاگ نے اس منظر کا حال اس طرح بیان کیا ہے:

''تذلیل و تحقیر کا ایک اور نظارہ اس وقت دیکھنے میں آیا جب سابق سلطان کے حرم کی عورتوں کا جلوس شہر کی گلیوں سے گزرتا ہوا یلدز سرائے سے توپ کاپی سرائے گیا۔ یہ بدقسمت عورتیں پندرہ سے پچاس سال کی عمروں کی تھیں اور ان کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ انہیں اور ان کے ملازموں کو اکتیس گھوڑا گاڑیوں میں لے جانا پڑا۔ ان میں سے کچھ

کو استنبول میں پرانی حرم سرا لے جایا گیا مگر وہ محل اتنا شکستہ اور قابل
مرمت تھا کہ ان عورتوں کو یلدز سرائے واپس لانا پڑا۔''
شاہی حرم کی بیشتر عورتیں سرکیشیائی بستیوں سے تعلق رکھتی تھیں۔ انہیں مطلع کیا گیا کہ وہ سلطان عبدالحمید کے ملازم اپنے خاندان کے کسی بھی فرد کے گھر میں رہ سکتی ہیں۔ بعض عورتیں بے سہارا تھیں' حکومت نے ان کی دیکھ بھال کی ذمہ داری قبول کر لی اور ان کی شادی تک یہ ذمہ داری نبھانے کا اعلان کیا۔ پارلیمینٹ نے مئی کے شروع میں سلطان عبدالحمید کے اثاثوں کا حساب لگانے کے لیے ایک کمیشن یلدز سرائے بھیجا۔ میکلاگ نے پارلیمانی کمیشن کو پیش آنے والا ایک انوکھا واقعہ لکھا ہے:

''جب کمیشن کے افراد نماز پڑھ رہے تھے تو انہیں ''پادشاہم چوک یاشا'' (بادشاہ زندہ باد) کے نعرے سنائی دیے۔ جب غور کیا تو پتہ چلا کہ یہ آوازیں ایک ایسے کمرے سے آ رہی ہیں' جسے تھوڑی دیر پہلے انہوں نے خود مقفل کر کے سیل بند کیا تھا۔ انہوں نے دوبارہ دیکھا تو پتہ چلا کہ یہ تو سلطان کے پالتو طوطے تھے' جنہیں یہ نعرہ لگانا سکھایا گیا تھا۔''

## سلطان محمد رشاد پنجم کی تخت نشینی

سلطان عبدالحمید کے دو بھائیوں میں سے بڑے محمد رشاد کو تخت نشین کر دیا گیا۔ اسے سلطان محمد رشاد پنجم کہا جاتا ہے۔ تخت نشینی کے وقت اس کی عمر چونسٹھ برس تھی۔ اس نے اڑتالیس برس قفس میں گزارے تھے' تاہم یہ عرصہ اس نے ولی عہد ہونے کی وجہ سے دولما باشے سرائے کے پر تعیش کمروں میں گزارا تھا۔ تخت نشینی کے بعد وہ دولما باشے سرائے کے ان کمروں میں منتقل ہو گیا' جو سلطان کے قیام کے لیے مخصوص تھا۔ تخت نشینی کے بعد اس نے وزارت جنگ کا دورہ کیا جہاں وزراء اور دیگر عمائدین نے اس کی اطاعت اور وفاداری کا اظہار کیا۔ جمعہ 30 اپریل کو اس نے ایا صوفیا کی مسجد میں رعایا کو دیدار کا موقع عطا کیا۔ نئے سلطان کی کمر سے عثمان کی تلوار باندھنے کی رسم سوموار 10 مئی کو ادا کی گئی۔ سلطان محمد اتنا موٹا تھا کہ جب شیخ الاسلام اس کی کمر سے تلوار باندھنے کی کوشش کر رہا تھا تو تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی' جسے شریف مکہ علی حیدر نے پکڑ لیا اور یوں بدشگونی رونما ہونے سے پہلے ٹل گئی۔

تخت نشین ہونے سے پہلے محمد رشاد کی تین بیویاں تھیں۔ سلطان کی والدہ گل جمال 1851ء میں فوت ہو چکی تھی۔ اس کا بھائی دولما باشے سرائے میں اپنے آرام دہ قفس میں قید

رہا۔ سلطان محمد پنجم ایک خوش مزاج اور خوش طبع انسان تھا' تاہم وہ قدرے سٹھیایا ہوا بھی تھا۔ وہ فضول خرچ اور شراب کا رسیا تھا۔ وہ سارا دن باسفورس کے ساحل پر واقع کوشکوں میں وقت گزارتا اور شام کو دو گلاب کے پھول لے کر اپنے حرم واپس آتا۔

تخت نشینی کے تین ماہ بعد اس نے قدرے ہچکچاہٹ کے ساتھ پارلیمینٹ کے اجلاسوں کے لیے چراغاں سرائے کو استعمال کرنے کی اجازت دے دی کیونکہ قصر عدل بہت چھوٹا ثابت ہوا تھا۔ 2 رنومبر 1909ء کو چراغاں سرائے کا پارلیمینٹ ہاؤس کی حیثیت سے باقاعدہ افتتاح ہوا۔ سلطان نے اس تقریب کی صدارت کی۔ 6 رجنوری 1910ء کو آگ لگنے سے یہ عمارت تباہ ہوگئی اور پارلیمینٹ کو مجبوراً فندیقلی میں فائن آرٹس سکول میں منتقل کرنا پڑا۔ آتش زدہ چراغاں سرائے کو متروک قرار دے دیا گیا اور وہ رفتہ رفتہ کھنڈر بن گیا۔

نئی حکومت نے سلطان کے اختیارات کو اس قدر محدود کر دیا تھا کہ وہ ایک نمائشی شخصیت بن کر رہ گیا تھا۔ اب طاقت کے مراکز دو تھے' ایک تو سی یو پی' جو کہ پارلیمینٹ میں غالب تھی اور دوسرے فوج' جس کا سربراہ محمود شوکت تھا۔ سلطان کے پاس صرف شیخ الاسلام اور وزیراعظم کے تقرر کا اختیار تھا۔ حکومت نے سلطان کے بجٹ میں بہت زیادہ کمی کر دی اور محمد پنجم کو ماضی کے سلطانوں کے برعکس بہت کم عملہ رکھنا پڑا اور اس کے پاس شاہی محلات کی دیکھ بھال اور مرمت کے لیے رقم بہت کم ہوتی تھی۔ اسی لیے چراغاں سرائے کو کبھی دوبارہ تعمیر نہیں کیا جا سکا جبکہ دولما باشے اور دیگر شاہی محلات جلد ہی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہونے لگے۔

اِدھر معزول سلطان عبدالحمید سیلونیکا میں جلاوطنی کے دن گزار رہا تھا۔ میکلاگ لکھتا ہے کہ لوگ معزول سلطان کے مزاج میں تبدیلی پر حیران تھے۔ اس نے اپنے رنج پر قابو پا لیا تھا اور گھریلو معاملات میں دلچسپی لینے لگا تھا۔ وہ باغ کی سیر کرنے جاتا اور لگاتار سگریٹ نوشی کرتا رہتا۔ تاہم چند ماہ بعد اس کے مزاج میں تبدیلی آنے لگی اور وہ رفتہ رفتہ زیادہ افسردہ رہنے لگا۔ اب وہ بے خوابی کا شکار ہو گیا تھا اور ساری ساری رات استنبول کی سمت کھلنے والی کھڑکی کے پاس بیٹھا باہر تکتا رہتا۔

جب 1911ء میں عثمانی سلطنت اور اٹلی کی جنگ ہوئی اور 13-1912ء میں اسے بلقان میں دو جنگیں لڑنا پڑیں تو حکومت نے مجبوراً عبدالحمید کو استنبول واپس بلا لیا اور اسے بیلر بی سرائے میں قید کر دیا گیا۔ اس کی درخواست پر اسے محل کے عقبی حصے میں رکھا گیا تھا' تا کہ وہ باسفورس کے پار واقع اپنے محبوب محل یلدز سرائے کو دیکھنے کی اذیت سے بچ جائے۔

اب عثمانی حکومت پر سی یو پی کا کنٹرول تھا' جس میں طلعت' کمال اور انور کا مرکزی کردار تھا۔ انہوں نے 1914ء میں ترکی کو جرمنی کی طرف سے پہلی عالمی جنگ میں شامل کر دیا۔ ان کا یہ اقدام عثمانی سلطنت کے لیے مہلک ثابت ہوا اور اسے چار سال بعد جرمنی اور دیگر محوری طاقتوں (Central Powers) سمیت شکست سے دوچار ہونا پڑا۔

1917ء تک عبدالحمید کی ایک کے سوا باقی سب عورتیں اسے چھوڑ گئیں کیونکہ انہیں دینے کے لیے اس کے پاس کچھ نہیں تھا۔ مشفقہ سلطان واحد عورت تھی جو آخر تک اس کے ساتھ رہی اور وہ 10 رفروری 1918ء کو اسی کے بازوؤں میں موت سے ہمکنار ہوا۔ اگلے روز اسے اس کے دادا سلطان محمود دوم کے مقبرے میں دفن کر دیا گیا۔

## سلطان محمد پنجم کے آخری ایام اور وفات

اس وقت تک سلطان محمد پنجم بھی اپنے انجام کو پہنچ رہا تھا۔ اپنی زندگی کے آخری ہفتوں میں وہ اکثر کہا کرتا تھا ''اب میرے لیے زندگی میں کچھ نہیں رہا۔'' اب وہ جمعہ کی نماز ادا کرنے کے علاوہ دولما باشے سے باہر شاذ ہی جاتا تھا۔ حضرت محمد ﷺ کے تبرکات کی زیارت کی سالانہ مقدس تقریب میں شرکت کے لیے توپ کاپی سرائے جاتا تھا۔ توپ کاپی سرائے کے آخری دورے میں اس نے مقدس کمرے میں تنہا عبادت کی۔ جب وہ بہت دیر تک باہر نہیں نکلا تو اس کے خادم متفکر ہو گئے۔ انہوں نے کمرے میں جا کر دیکھا تو انہیں سلطان تبرکات کے صندوق کے قریب فرش پر سویا ہوا نظر آیا۔ انہوں نے اسے جگایا اور واپس دولما باشے لے آئے۔ وہ 1918ء کے موسمِ گرما کے آغاز تک وہیں رہا پھر یلدز سرائے منتقل ہو گیا اور اپنے موسمِ گرما کے معمول کے مطابق حرم سرا میں رہنے لگا۔ وہ 3 رجولائی 1918ء کو حرکتِ قلب رک جانے سے فوت ہو گیا۔ اس وقت اس کی عمر تہتر برس آٹھ ماہ تھی۔ اگلے دن اسے ایوب میں دفنا دیا گیا۔ وہ اپنے ملک میں دفن ہونے والا عثمانی شاہی خاندان کا آخری فرد تھا۔

## سلطان محمد ششم کی تخت نشینی

اس کے بعد اس کا چھوٹا بھائی محمد ششم تخت نشیں ہوا' جو سلطان عبدالمجید کا آخری زندہ بیٹا تھا۔ ایوب میں تلوار باندھنے کی تقریب 23 رجولائی تک ملتوی کر دی گئی۔ اس کی کمر سے عثمان کی تلوار باندھنے کا فریضہ شیخ الاسلام اور شیخ سید احمد سنوسی نے انجام دیا۔ اس موقع پر

شریفِ مکہ علی حیدر بھی موجود تھا۔ مؤخرالذکر دونوں معززین سلطان محمد ششم کی اس خواہش کے تحت موجود تھے کہ وہ خود کو سلطان کے علاوہ خلیفہ بھی ظاہر کرنا چاہتا تھا۔ تخت نشینی کے وقت اس کی عمر ساڑھے ستاون برس تھی۔ وہ اپنی شیرخواری ہی سے پہلے حرم سرا اور پھر قفس میں قید رہا تھا۔ اس کی ماں اس وقت فوت ہوگئی تھی جب اس کی عمر تین ماہ تھی۔ پہلے اس کی پرورش اس کے باپ کے حرم کی ایک عورت نے کی اور بعدازاں اس کی سوتیلی ماں شائستہ نے اسے پالا تھا۔ اسے اپنے چچا سلطان عبدالعزیز کے دورِ حکومت کے آخری برسوں میں قفس میں قید کیا گیا تھا' جہاں وہ اپنے بڑے بھائیوں مراد پنجم' عبدالحمید ثانی اور محمد پنجم کے ادوارِ حکومت میں قید رہا۔ اس کی قید کا کل عرصہ ستاون برس بنتا ہے' جو عثمانی شاہی خاندان میں سب سے طویل عرصۂ قید ہے جبکہ وہ عثمانی شاہی خاندان کا آخری فرد بھی تھا۔

سلطان محمد ششم تخت نشیں ہونے سے پہلے چار شادیاں کرچکا تھا۔ اس نے اپنی دوسری اور تیسری بیوی کو' جن کے بطن سے اس کی کوئی اولاد پیدا نہیں ہوئی تھی' طلاق دے دی تھی۔ اس کی پہلی بیوی امینہ نازک ادا نے' جس سے اس نے 1885ء میں شادی کی تھی' اس کی تین بیٹیوں کو جنم دیا۔ اس کی چوتھی بیوی مؤدت نے' جس سے اس نے 1911ء میں شادی کی تھی' 10 ستمبر 1912ء کو اس کے بیٹے ارطغرل کو جنم دیا۔ برطانوی سفیر اینڈریو ریان نے نئے سلطان کے بارے میں لکھا: ''سلطان اپنے پیشروؤں جتنا اچھا ترک تھا اور کئی اعتبار سے اپنے تینوں بھائیوں سے بہتر تھا' جو اس سے پہلے سلطان بنے تھے۔ وہ سلطان عبدالحمید سے کم عیار اور سلطان محمد پنجم سے زیادہ ذہین تھا۔''

جس زمانے میں محمد ششم تخت نشین ہوا' عثمانی سلطنت منہدم ہونے والی تھی۔ اس زمانے میں عثمانی افواج کو عراق اور شام میں پے درپے شکستوں کا سامنا تھا اور اکتوبر 1918ء میں وہ مصطفیٰ کمال پاشا کی قیادت میں آخری مقابلے کے لیے اناطولیہ کو پسپا ہوگئی تھیں۔ 8/اکتوبر کو طلعت پاشا نے وزارتِ عظمیٰ سے استعفیٰ دے دیا اور اس کے فوری بعد وہ اور انور اور کمال ایک جرمن جنگی بحری جہاز پر ترکی سے نکل گئے۔ 14/اکتوبر کو سلطان نے احمد عزت پاشا کو نیا وزیراعظم مقرر کیا اور اس نے فوراً برطانیہ سے صلح کے لیے گفت وشنید شروع کردی۔

## استنبول پر اتحادی افواج کا قبضہ

31/اکتوبر کو التوائے جنگ کے معاہدے پر دستخط ہوئے' جس میں عثمانی فوجوں

سے غیر مشروط ہتھیار ڈالنے کا کہا گیا تھا جبکہ ترکی کے تمام تزویراتی مقامات پر اتحادیوں کا قبضہ رہنا تھا۔ اتحادیوں کا ایک بڑا بحری بیڑہ خلیج سے گزرتا ہوا 13 راکتوبر کو استنبول پہنچا اور اس سے اترنے والے فوجیوں نے شہر پر قبضہ کرلیا۔ جب ترک اراکینِ پارلیمان کا ایک گروپ سلطان محمد ششم سے ملنے آیا اور اظہار ہمدردی کیا تو سلطان نے باسفورس میں لنگر انداز اتحادی جنگی بحری جہازوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: ''میں کھڑکی سے باہر نہیں دیکھ سکتا۔ مجھے انہیں دیکھنے سے بھی نفرت ہے۔''

استنبول باقاعدہ طور پر اتحادیوں کے قبضے میں چلا گیا اور ایڈمرل کیلتھروپ کو ہائی کمشنر مقرر کردیا گیا تھا۔ سلطان محمد ششم کا خیال تھا کہ ترکی کے لیے واحد راستہ یہی ہے کہ وہ اتحادیوں خصوصاً برطانیہ کے ساتھ تعاون کرے' سو اس نے اور اس کے وزرائے اعظم نے ہائی کمشنر کے ساتھ تعاون کرکے ٹوٹتی ہوئی سلطنت کا انتظام چلانے کی کوشش کی۔

## پارلیمنٹ کی تحلیل

سلطان محمد ششم نے 21 ردسمبر 1918ء کو پارلیمنٹ کو تحلیل کردیا اور مارچ 1919ء میں اپنے داماد فرید پاشا کو وزیراعظم بنادیا۔ جب سلطان محمد ششم پر ایک غیر مقبول شخص (فرید پاشا) کو وزیراعظم بنانے کے حوالے سے تنقید کی گئی تو اس نے جواب دیا کہ ''یہ اُس کی خوشی ہے کہ وہ کسی کو بھی وزیراعظم بنادے' خواہ کسی یونانی یا آرمینیائی پادری کو یا ربیٔ اعظم کو۔''

جنوری 1919ء میں شروع ہونے والی پیرس امن کانفرنس میں اتحادیوں نے بچی کھچی عثمانی سلطنت کو بانٹنے کے منصوبوں پر غور کیا۔ یونان نے ازمیر اور اس کے داخلی علاقے پر دعویٰ کردیا۔ یونان کے وزیراعظم وینیزیلوس کو ایشیائے کوچک میں فوج کشی کرنے کے لیے لائیڈ جارج اور کلیمینسیو کی پشت پناہی حاصل تھی اور 14 رمئی 1919ء کو ایک اتحادی بحری بیڑے نے یونانی فوج کے ایک ڈویژن کو ازمیر میں پہنچایا۔ یونان کے حملے کی خبر سن کر سلطان محمد ششم کو نہایت صدمہ پہنچا اور وہ رونے لگا۔ جب وہ شاہی کونسل کے اجلاس سے اپنے عم زاد عبدالمجید کے بازو کا سہارا لے کر واپس جارہا تھا تو اس نے کہا: ''دیکھو! میں کسی عورت کی طرح رو رہا ہوں۔''

## گرینڈ نیشنل اسمبلی کا قیام

عثمانی سلطنت برطانوی ہائی کمشنر کی ہدایات کے مطابق عمل کرتی رہی' جو سلطان اور اس کی کابینہ کو کٹھ پتلیوں کی طرح استعمال کرتا تھا۔ اس دوران اناطولیہ میں مصطفیٰ کمال

پاشا کی قیادت میں ایک قومی مزاحمتی تحریک فروغ پا رہی تھی۔ 19 مارچ 1920ء کو مصطفیٰ کمال نے انقرہ میں ترک پارلیمنٹ کے قیام کا اعلان کیا' جسے گرینڈ نیشنل اسمبلی (GNA) کا نام دیا گیا۔ جی این اے کا پہلا اجلاس 23 اپریل 1920ء کو ہوا اور مصطفیٰ کمال کو صدر چن لیا۔ سلطان نے اس اقدام کے ردعمل میں مصطفیٰ کمال اور چھ دیگر رہنماؤں کی سزائے موت کا فرمان جاری کردیا۔ 10 اگست 1920ء کو سیورز معاہدے پر دستخط ہوئے' جس کے تحت اتحادی طاقتیں عثمانی سلطنت کی بعداز جنگ سرحدوں کے تعین پر متفق ہوگئیں اس معاہدے کے تحت وسطی اور شمال مغربی اناطولیہ کے علاوہ ترکوں سے باقی تمام علاقے چھین لیے گئے تھے۔ استنبول کو عثمانی حکمرانی میں رہنے دیا گیا تھا جبکہ خلیج کو بین الاقوامی کنٹرول میں دے دیا گیا تھا۔ سلطان کے پاس اس معاہدے کی شرائط کو قبول کرنے کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں تھا مگر جی این اے نے اس کو رد کردیا اور اعلان کیا کہ اس معاہدے پر دستخط کرنے والے تمام ترک غدار ہیں۔

ستمبر 1921ء کے دوران کوئی غیرملکی سفیر یا افسر سلطان سے رابطہ نہیں کرسکا۔ شریفِ مکہ علی حیدر نے اپنی یادداشتوں میں اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: "اس نے ایک اور شادی کرلی تھی اور نئی بیوی اس کی توجہ کی اس قدر طالب تھی کہ سلطان نے ہر ملاقاتی سے ملنے سے انکار کردیا۔" سلطان' جو ساٹھ سال سے زیادہ عمر کا ہوگیا تھا' ایک انتیس سالہ لڑکی نوزاد کی محبت میں مبتلا ہوگیا تھا' جو کہ محل کے ایک مالی کی بیٹی تھی۔ نوزاد کی منگنی بحریہ کے ایک نوجوان کپتان سے ہوچکی تھی اور دونوں کے خاندانوں کے افراد نوزاد کے لیے سلطان کے شادی کے پیغام کے بالکل مخالف تھے' مگر سلطان نے ان کی مخالفت کو نظرانداز کردیا اور یکم ستمبر 1921ء کو اس نے نوزاد سے شادی کرلی اور اسے اپنے حرم میں شامل کرلیا۔

اس دوران ترک قومی افواج نے عصمت پاشا اور مصطفیٰ کمال پاشا کی قیادت میں یونانی فوج کو پسپا کردیا اور ستمبر 1922ء کے شروع میں انقرہ کو یونانی فوج سے خالی کروا لیا گیا۔ پھر 11 اکتوبر 1922ء کو ہونے والے التوائے جنگ کے معاہدے کے بعد جنگ سرکاری طور پر ختم ہوگئی۔

## خلافت اور سلطانی کی علیحدگی: عثمانی سلطنت کا خاتمہ

یکم نومبر 1922ء کو جی این اے نے خلافت اور سلطانی کو الگ الگ کردیا۔ سلطانی کو تو ختم کر دیا گیا جبکہ خلافت کا خالصتاً مذہبی کردار باقی رکھا گیا۔ اتحادی ہائی کمشنروں کو اطلاع

دے دی گئی کہ استنبول جی این اے کے زیر انتظام ہوگا اور یہ کہ سلطان محمد ششم اب سلطان نہیں رہا' تاہم اس کا خلیفہ کا خطاب برقرار رہے گا۔ یوں اس سلطنت کا خاتمہ ہوگیا جو چھ سو سال سے زیادہ عرصے تک برقرار رہی اور جس پر عثمانی خاندان کے چھتیس بادشاہوں نے یکے بعد دیگرے حکومت کی۔

## سابق سلطان محمد ششم کی روانگی

4 رنومبر کو وزیراعظم احمد توفیق پاشا اور اس کی کابینہ نے استعفیٰ دیدیا۔ اب محمد ششم کو اپنی زندگی خطرے میں محسوس ہونے لگی اور اس نے نئے برطانوی ہائی کمشنر جنرل ہیرنگٹن کو اپنے خدشات سے آگاہ کیا۔ اس نے 16 رنومبر کو جنرل ہیرنگٹن کو لکھا: ''سر! میں استنبول میں اپنی زندگی کو خطرے میں محسوس کرتے ہوئے برطانوی حکومت کی پناہ لیتا ہوں اور درخواست کرتا ہوں کہ جتنی جلد ممکن ہو مجھے استنبول سے کسی اور مقام پر منتقل کردیا جائے۔'' ہیرنگٹن نے انتظامات کیے اور اگلی صبح اُس نے سابق سلطان اور اس کے متعلقین کو لانے کیلئے دو ایمبولینسیں یلدز سرائے بھیجیں۔ اس کیساتھ جانیوالوں میں اس کا 10 سالہ بیٹا ارطغرل' اس کا بینڈ ماسٹر' میر حاجب' سیاہ فام خواجہ سراؤں کا سربراہ اور 5 خادم شامل تھے۔ ہیرنگٹن کے انتظامات کے تحت اس کی بیویوں کو بعد میں اس کے حاجب کے ساتھ بھیجا جانا تھا۔ سابق سلطان اور اس کے ساتھیوں کو دولماباشے سرائے لے جایا گیا۔ وہاں سے وہ ایک موٹر لانچ کے ذریعے برطانوی بحری جنگی جہاز ایچ ایم ایس ملایا پر پہنچے۔ بحری جہاز انہیں کا منتظر تھا اور ان کے سوار ہوتے ہی مالٹا کو روانہ ہوگیا۔ ایک اخباری فوٹوگراف میں اس کی روانگی کا منظر محفوظ ہے۔ اس کا دایاں پاؤں لانچ پر اور بایاں گھاٹ پر ہے۔ اس کے عقب میں ایک ترک جینٹلمین گلدستہ تھامے موجود ہے۔ ایک سیاہ فام خواجہ سرا سامان اٹھائے ہوئے ہے اور ایک برطانوی افسر سلیوٹ کررہا ہے۔ لانچ ایچ ایم ایس ملایا تک پہنچی' جو عثمانی سلطنت کے آخری سلطان کو لے کر روانہ ہوگیا' کبھی واپس نہ آنے کے لیے۔ جب شریف مکہ علی حیدر مدحت کو سلطان کی روانگی کا علم ہوا تو اس نے اپنی ڈائری میں لکھا: ''خدا ہمیں ایسے کمزور سلطان سے محفوظ رکھے۔'' اس نے بعد میں اپنی ڈائری میں لکھا کہ ''ترک شاہی خاندان اسلامی دنیا کی ٹوٹ پھوٹ کا ذمہ دار ہے۔''

## نئے خلیفہ عبدالمجید دوم کا چناؤ

سلطان کی روانگی کے اگلے روز جی این اے نے باضابطہ طور پر اسے خلیفہ کی حیثیت

سے معزول کردیا۔ اس کے عم زاد شہزادہ عبدالمجید آفندی کو عارضی طور پر خلیفہ بنا دیا گیا' جو سلطان عبدالعزیز کی پہلی بیوی کا بیٹا اور عثمانی شاہی خاندان کا سب سے بڑا مرد تھا۔ 19 نومبر 1922ء کو اسے مصطفیٰ کمال پاشا کی تار موصول ہوئی جس میں اسے اطلاع دی گئی تھی کہ اُسے خلیفہ چن لیا گیا ہے۔ اگلے جمعے کے دن 24 نومبر 1922ء کو سترہویں صدی کے پہلے نصف سے متروک چلے آ رہے توپ کاپی سرائے میں منعقدہ تقریب میں اسے باضابطہ طور پر خلیفہ بنایا گیا۔ جارج ینگ اس تقریب میں موجود واحد برطانوی تھا۔ نئے خلیفہ نے جمعہ کی نماز "جامعۂ فاتح" میں ادا کی جس کے بعد اس نے مزارِ حضرت ایوبؓ پر حاضری دی۔ وہاں اُس نے نفل ادا کیے اور دولمابا شے سرائے چلا گیا۔ تلوار باندھنے کی رسم ادا نہیں کی گئی کیونکہ عثمان کی تلوار سلطان کے اقتدار کی علامت ہوا کرتی تھی۔ عبدالمجید نے اپنے پیشروؤں کے روایتی لباس کی بجائے سادہ لباس قیض' فراک کوٹ اور سبز ربن کو ترجیح دی۔ خلیفہ بننے کے وقت عبدالمجید کی عمر 54 برس تھی۔ اس نے چھیالیس برس قفس میں گزارے تھے۔ اس کا قفس دولمابا شے سرائے کا ایک پرتعیش اقامتی حصہ تھا۔ وہ ہر اعتبار سے ایک مہذب انسان تھا۔ وہ ایک غیر پیشہ ور مصور اور موسیقار تھا۔ عبدالمجید خلیفہ بننے سے پہلے چار شادیاں کر چکا تھا۔ اس کے صرف دو بچے تھے۔ ایک بیٹا عمر فاروق' جو اس کی پہلی بیوی شہسوار کے بطن سے 28 فروری 1898ء کو پیدا ہوا تھا اور ایک بیٹی دُرِ شہوار جو 12 مارچ 1913ء کو اس کی دوسری بیوی خیر النسا کے بطن سے پیدا ہوئی تھی۔ اس کی باقی دو بیویوں سے اس کی کوئی اولاد پیدا نہیں ہوئی۔

## جمہوریہ ترکی کا قیام

24 جولائی 1923ء کو ہونے والے لاسین معاہدے کے تحت جمہوریہ ترکی کی موجودہ سرحدیں متعین کی گئیں۔ استنبول پر سے اتحادیوں کا قبضہ 2 اکتوبر 1923ء کو ختم ہوا اور برطانوی فوجیوں کا آخری دستہ دولمابا شے کے گھاٹ سے روانہ ہوگیا۔ چار دن بعد ترک قومی فوج کا ایک ڈویژن استنبول میں داخل ہوا۔ 13 اکتوبر کو جی این اے نے انقرہ کو ترکی کا دارالحکومت قرار دیا۔ 29 اکتوبر کو اسمبلی نے ایک نیا آئین منظور کیا' جس کے تحت جمہوریہ ترکی وجود میں آئی اور اسی روز مصطفیٰ کمال پاشا اتاترک صدر منتخب ہو گئے اور عصمت (انونو) پاشا کو وزیراعظم چنا گیا۔

## خلافت کا خاتمہ

3 مارچ 1929ء کو جی این اے نے خلافت کو ختم کر دیا' یوں عثمانی سلطنت سے نئی

جمہوریہ ترکی کا آخری معمولی سا تعلق بھی ختم ہوگیا۔ اسی قانون کے تحت عبدالمجید کی خلیفہ کی حیثیت ختم کردی گئی اور اس کے اور اس کے خاندان کے تمام افراد کے جمہوریہ ترکی کی سرحدوں کے اندر رہنے پر پابندی لگا دی گئی۔ اس دن گیارہ بجے استنبول کا گورنر حیدر بے جی این اے کے چار نمائندوں سمیت اسمبلی کے فیصلے سے عبدالمجید کو آگاہ کرنے کے لیے دولمابا شے سرائے آیا۔ سمپلن ایکسپریس میں شاہی خاندان کے لیے ایک خصوصی ڈبہ تیار کرلیا گیا تھا۔ اس ٹرین نے نصف شب کو استنبول کے سرکیجی سٹیشن سے روانہ ہوتا تھا۔ خلیفہ اس کے گھرانے دو خادموں اور تین افسروں کے شہر سے باہر ایک مقام پر ٹرین پر سوار ہونے کے انتظامات کیے گئے تھے کیونکہ حکام کو خلیفہ کی استنبول سے روانگی پر عوامی مظاہروں کا خطرہ تھا۔

ان کی روانگی کا ایک دردناک منظر شریف مکہ علی حیدر کی بیٹی شہزادی مصباح نے اپنی یادداشتوں میں بیان کیا ہے۔ وہ اپنے بھائی عبدالمجید اور اس کی بیوی رقیہ کو جو کہ سلطان مراد پنجم کی نواسی تھی الوداع کرنے آئے تھے۔ اس موقع پر رقیہ کی خالہ سلمیٰ اور اس کی سابق دایہ بھی موجود تھیں۔ مصباح نے اپنی یادداشتوں میں رقیہ کا ذکر بھابی کے نام سے کیا ہے:

''اس شام وہ سب بھابی کے ڈرائنگ روم میں جمع تھے۔ باہر سرد کاٹ دینے والے ہوا چل رہی تھی۔ کسی نے بھی زیادہ باتیں نہیں کیں۔ سلمیٰ خانم نے رقیہ سے کوئی دھن سنانے کا کہا۔ رقیہ نے پیانو پر بیتھوون کی ''مون لائٹ سوناٹا'' بجانی شروع کی۔ اداس سُر بکھرے تو خاموش سامعین رونے لگے۔ کوئی تو سسکیاں بھرنے لگی۔ رقیہ نے مڑ کر دیکھا اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔ ''میں مزید نہیں بجا سکتی۔'' اس نے دھیرے سے کہا۔ اس رات گیارہ بجے عبدالمجید اور رقیہ نے اپنے دوستوں اور ملازموں کو الوداع کہا اور ہمارے ساتھ ہماری کار میں بیٹھ گئے۔ سب کے چہرے آنسوؤں سے بھیگے ہوئے تھے۔ جونہی کار روانہ ہوئی مجھے دایہ کی گریہ وزاری کرنے کی آواز آئی۔ ''اے اللہ! میری آنکھوں کے نور کی حفاظت کرنا۔''

اس رات بہت سرد ہوا چل رہی تھی۔ جب ہم سرکیجی پہنچے تو میں نے دیکھا کہ سٹیشن کے داخلی راستے پر فوجی اور پولیس والے کھڑے ہیں۔ دونوں طرف صف بستہ پولیس والوں کے درمیان سے گزر کر پلیٹ فارم پر پہنچے جہاں سمپلن ایکسپریس شاہی خاندان کو جلاوطنی کے لیے لے جانے کو تیار کھڑی تھی۔ پلیٹ فارم الوداع کہنے کے لیے آنے والے دوستوں اور رشتہ داروں سے بھرا ہوا تھا۔ سرکیجی سٹیشن کے پلیٹ فارم پر ترک تاریخ کے ایک باب کا المناک اختتامیہ لکھا جا رہا تھا۔ ایک تیز سیٹی: آخری ہم آغوشیاں آخری الفاظ۔

ہم پیچھے کھڑے تھے۔ ہمارے عقب میں مجید کا وفادار یونانی خادم عقیل آفندی زار و قطار رو رہا تھا۔ وہ اپنے لڑکپن سے اپنے آقا کی خدمت کر رہا تھا۔ ہم تینوں بہنیں ٹرین کو آہستہ آہستہ روانہ ہوتے اور تاریکی میں غائب ہوتے دیکھتی رہیں ..... لمحہ بھر کے لیے ایک سرخ روشنی دکھائی دی اور پھر غائب ہوگئی۔ یہ ابھی کچھ عرصے پہلے ہی کی تو بات تھی کہ جب میری نئی بھابی مجھے میرے لیے تیار کی گئیں گڑیاں دکھانے لے گئی تھی! کسی نے میرے کندھے کو چھوا۔ وہ عقیل آفندی تھا۔ ''شہزادی صاحبہ آیئے' وہ چلے گئے ہیں ..... سب ختم ہوگیا۔''

ابھی جب عبدالمجید اور اس کا خاندان دولماباشے سرائے میں تھا تو حیدر بے نے انہیں اطلاع دی تھی کہ وہ پانچ گھنٹے کے اندر اندر اپنا سامان باندھ لیں وگرنہ انہیں یونہی رخصت کر دیا جائے گا۔

دو سو مرد و زن ملازموں نے جلدی جلدی ساز و سامان باندھا اور آخرکار جلاوطنوں کا قافلہ روانہ ہوا۔ صبح چار بجے خلیفہ اور اس کے خاندان کے لوگ محل سے باہر نکلے اور پیچھے رہ جانے والوں کو الوداع کہا۔ سب رو رہے تھے۔ خلیفہ حیدر بے کی طرف مڑا اور بولا: ''مجھے امید ہے قوم ان لوگوں کو بھوکوں نہیں مرنے دے گی' یہ بے قصور ہیں۔'' حیدر بے نے وعدہ کیا کہ ان کا خیال رکھا جائے گا۔ جب خلیفہ اپنی موٹر کار میں بیٹھنے لگا تو وہاں موجود فوجیوں نے اسے سلامی دی۔ خلیفہ رک گیا' وہ مڑا اور فوجیوں سے مخاطب ہوا: ''خدا حافظ میرے بچو! میں تمہارے لیے ہمیشہ دعا کروں گا۔''

جونہی موٹر کاروں کا قافلہ روانہ ہوا اور آخری کار چلی گئی تو ایک خادمہ نے پانی کا بھرا ہوا گھڑا سڑک پر پھوڑ دیا۔ یہ ایک پرانی ترک رسم تھی' جس کا مطلب ہوتا ہے کہ جانے والے جلد ہی واپس بھی آئیں گے۔ لیکن عبدالمجید کبھی واپس نہیں آیا۔ وہ ضرور جانتا ہوگا کہ وہ کبھی واپس نہیں آئے گا۔ وہ صبح کاذب کے ملگجے اجالے میں توپ کاپی سرائے کا ہیولہ دیکھ سکتا تھا' جہاں اس کے آباؤ اجداد چار سو سال تک مقیم رہے تھے اور بعدازاں دولماباشے سرائے اور یلدز سرائے منتقل ہوگئے تھے' مگر اب تو عثمانی سلطنت ہی نہیں رہی تھی اور عثمانی خاندان زوال پا چکا تھا۔

❀ ❀ ❀

سترہواں باب

# جِنّوں کا ڈیرہ

## عثمانی خاندان کے عبرتناک ایام

ایچ ایم ایس ملایا معزول سلطان محمد ششم کو لے کر مالٹا پہنچا' جہاں وہ 23-1922ء کے موسمِ سرما میں مقیم رہا۔ پھر 1923ء کے موسمِ بہار میں اس نے شاہ حسین کی دعوت قبول کر لی اور حج پر روانہ ہو گیا۔ حج پر جانے والا وہ عثمانی خاندان کا پہلا فرد تھا۔ وہ خلیفہ بننا چاہتا تھا' مگر جب کچھ نہیں بن پایا تو اس نے اپنی کوششیں ترک کر دیں۔ پھر وہ مصر میں آباد ہونے کے ارادے سے اسکندریہ چلا گیا۔ تاہم برطانوی نہیں چاہتے تھے کہ عثمانی سلطنت کا حصہ رہنے والے کسی ملک میں کوئی سابق سلطان مقیم ہو لہٰذا اُسے وہاں سے جانے پر مجبور کر دیا گیا۔ کنگ وکٹر ایمانوئیل نے اُسے اٹلی میں رہنے کی دعوت دی۔ اس نے سان ریمو میں ایک ولا کرائے پر لے لیا۔ پھر اس نے اپنے حاجب کو استنبول بھیجا تا کہ وہ وہیں رہ جانے والی اس کی ہاسیکی نوزاد اور دیگر دو بیویوں کو اٹلی لے آئے۔ محمد ششم نے اپنی زندگی کے باقی تین سال سان ریمو میں گزارے' جہاں وہ 15 مئی 1926ء کو حرکتِ قلب بند ہو جانے سے مر گیا۔ اس وقت وہ اپنی عمر کے چھیاسٹھویں برس میں تھا۔ اس نے زندگی کے آخری برس ادھار لے لے کر گزارے تھے۔ اس کی تدفین میں تاخیر ہو گئی کیونکہ قرض واپس مانگنے والوں کا ہجوم اس کے قلاش خاندان سے اپنی رقوم مانگ رہا تھا۔ ترک حکام نے اسے ترکی میں دفنانے کی اجازت نہیں دی تاہم فرانس نے اسے دمشق میں مسجد سلطان سلیم اول میں دفنانے کی اجازت دے دی۔

محمد ششم کی وفات کے بعد اس کی بیویاں استنبول واپس آ گئیں۔ یہاں نوزاد نے

بحریہ کے اس کپتان سے شادی کر لی' جس سے حرم میں شامل کیے جانے سے پہلے اس کی منگنی ہوئی تھی۔ اس کا باقی خاندان مختلف ملکوں میں بکھر گیا۔ اس کا اکلوتا بیٹا ارطغرل مصر چلا گیا' جہاں وہ 1944ء میں فوت ہو گیا۔

پہلے والے سلطانوں کے خاندانوں کو بھی جلاوطن کر دیا گیا تھا۔ سلطان عبدالحمید ثانی کی بیٹی عائشہ نے اپنی یادداشتوں میں لکھا ہے:

> ''ہم وہ لوگ ہیں' جن کا کوئی وطن نہیں' کوئی گھر نہیں' کوئی سر چھپانے کا ٹھکانہ نہیں۔ جلاوطنی میں ہمارے خاندان کی تاریخ سوائے المناک اموات کے اور کچھ نہیں ہے۔''

اس کا بھائی محمد عبدالقادر صوفیا کے ایک آرکسٹرا میں سازندہ تھا اور جب وہ 1944ء میں فوت ہوا تو اسے خاموشی سے ایک بے نام قبر میں دفن کر دیا گیا۔ اس کی بہن ذکیہ نے اپنے آخری ایام جنوبی فرانس کے ایک ہوٹل میں خیرات پر گزارے' وہ 1950ء میں فوت ہوئی۔ اس کے ایک بھائی عبدالرحیم خاوری نے 1952ء میں پیرس میں خودکشی کر لی اور اس نے اتنی کم رقم چھوڑی کہ بمشکل اس کی تدفین عمل میں آ سکی۔

ادھر آخری خلیفہ عبدالمجید پہلے کچھ عرصہ سوئٹزرلینڈ میں رہا اور پھر نیس چلا گیا' جہاں وہ دوسری عالمی جنگ تک رہا۔ پھر وہ پیرس چلا گیا' جہاں 23 راگست 1944ء کو حرکتِ قلب بند ہونے سے وفات پا گیا۔ عین اسی زمانے میں پیرس جرمنوں کے قبضے سے آزاد ہوا تھا۔ آزادی کی خوشی میں عبدالمجید کی موت کی خبر دب گئی اور اس کی موت پر اتنی توجہ بھی نہیں دی گئی کہ دی ٹائمز لندن نے تعزیت نامہ بھی شائع نہیں کیا۔ اتحادیوں نے مدینہ میں اس کی تدفین کی اجازت دے دی' جہاں اُسے آخری عثمانی خلیفہ کے طور پر احترام دیا جاتا تھا...... ایک قریب المرگ خطاب' جو اس کی وفات کے ساتھ ہی مر گیا۔

عبدالمجید کی وفات کے بعد عثمانی خاندان کے سربراہ کا خطاب سلطان مراد پنجم کے پوتے احمد نہاد (1954ء۔ 1884ء) کو ملا۔ جب وہ فوت ہوا تو یہ خطاب باری باری مراد پنجم کے ایک اور پوتے عثمان فواد (1973ء۔ 1895ء) سلطان عبدالعزیز کے ایک پوتے محمد عبدالعزیز (77-1901ء)' سلطان مراد پنجم کے پڑپوتے علی واسب (84-1903ء)' سلطان عبدالحمید ثانی کے پوتے محمد اورہان (94-1909ء) اور عبدالحمید ثانی کے ایک اور پوتے عثمان ارطغرل (1912ء) کو ملا' جو کہ اب نیویارک سٹی میں رہتا ہے۔

محمد اورہان شاہی جلاوطنوں میں سب سے رنگین شخصیت تھا اور اس کی داستانِ حیات کو کسی دلچسپ ناول کی طرح پڑھا جاتا ہے۔ وہ سترہ برس کی عمر میں نیس سے بیونس آئرس چلا گیا اور ایک قلی اور ٹرام وے کنڈیکٹر کی حیثیت سے کام کرتا رہا۔ بیونس آئرس میں اس نے جہاز اڑانا سیکھا اور ایک حیرت انگیز کرتب دکھانے والا پائلٹ بن گیا۔ پھر اسے البانیہ کے کنگ زوگ کا حاجب بنا دیا گیا۔ وہ دوسری عالمی جنگ شروع ہونے تک اس کے ذاتی پائلٹ کے طور پر خدمات انجام دیتا رہا اور عالمی جنگ شروع ہونے پر پیرس واپس آ گیا۔ جب اتحادی فوجیں نارمنڈی پہنچیں تو وہ امریکی فوج میں بھرتی ہوگیا اور جنگ ختم ہونے تک خدمات انجام دیتا رہا' جس کے بعد امریکی حکومت اسے تین سو ڈالر ماہانہ پنشن دینے لگی۔ بعدازاں اس نے پیرس میں امریکی قبرستان کے گائیڈ کے طور پر کام کرکے اپنی آمدنی میں اضافہ کیا۔ اس نے تین مرتبہ شادیاں کیں اور اپنی تینوں بیویوں کوطلاق دے دی۔ اس کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی تھی۔ صدر ترگت اوزال نے 1992ء میں اُسے ترکی واپس آنے کی دعوت دی اور اس وقت شاہی خاندان کی ترکی واپسی پر پابندی کا قانون ختم کردیا گیا۔ 1924ء کی سرد ہواؤں والی رات جب شہزادی مصباح اور دوسرے لوگ سرکیجی سٹیشن پر شاہی خاندان کو الوداع کہنے آئے تھے' اس وقت محمد اورہان کی عمر پندرہ سال تھی۔ ترکی واپسی کے وقت وہ ایک بوڑھا آدمی تھا' جس کی عمر کے صرف دو سال باقی رہ گئے تھے۔ اس کے بھتیجے نے 1994ء میں اس کی موت کے بعد ترکی سے کچھ مٹی منگوائی اور جب اورہان کو دفنایا گیا تو اس نے اور چند دیگر سوگواروں نے اس مٹی کی مٹھیاں بھر کر اُس پر ڈالیں۔

میں 1960ء میں توپ کاپی سرائے کی سیر کے دوران چپکے سے تاریک کمروں سے گزرتا ہوا حرم سرا میں چلا گیا تھا۔ جو کمرے کبھی رنگ ونور سے معمور ہوتے تھے اب وہاں تاریکی' ویرانی اور اداسی کا ڈیرہ تھا۔ میں نے ایک عالیشان بستر پر مکڑی کے جالے تنے دیکھے ایک خوبصورت سنگھار میز کے شیشے میں ایک تاریک ویران کمرے کا عکس نظر آ رہا تھا۔ اس حرم سرا کو آج تک عوام کے لیے نہیں کھولا گیا اور شاید کبھی کھولا بھی نہیں جائے۔ جب رات ہوتی ہے تو کسی زمانے میں بابِ سعادت کہلانے والی جگہ جِنوں کے ڈیرے میں بدل جاتی ہے۔

❀ ❀ ❀
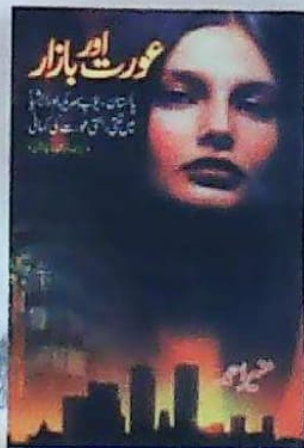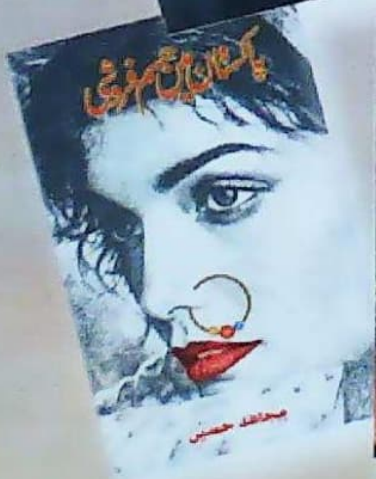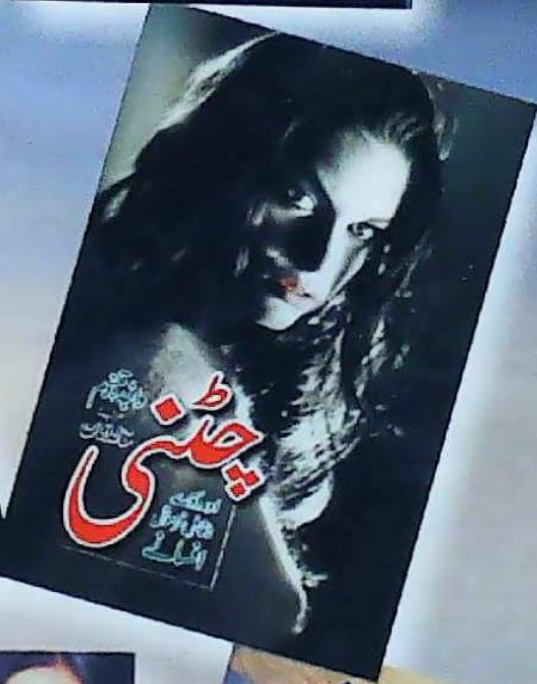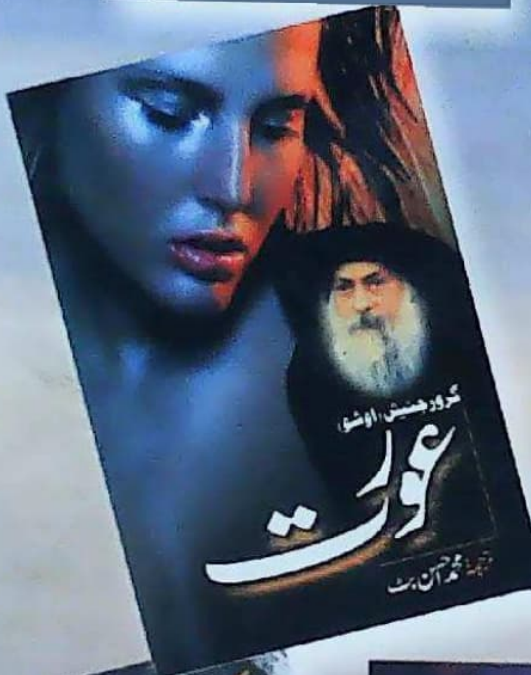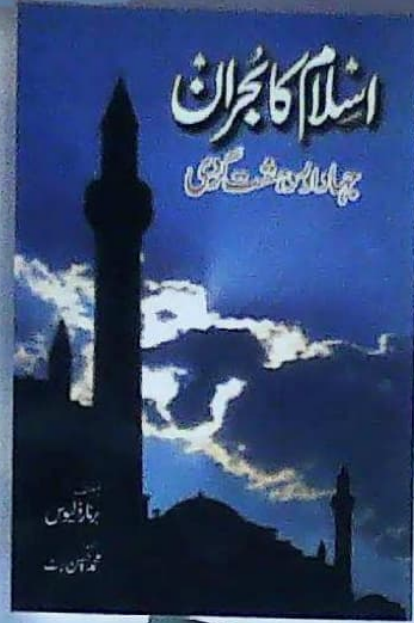
24 مزنگ روڈ، لاہور۔ پاکستان
فون نمبر : 092-42-7322892 - 7354205
E-mail: nigarshat@wol.net.pk
E-mail: nigarshat@yahoo.com